کاکو کی کہانی
الما کی زبانی



الما لطیف شمسی (علیگ)

کاکو کی کہانی
الما کی زبانی

الما لطیف شمسی (علیگ)

ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی

KAKO KI KAHANI ALMA KI ZUBANI
By
Alma Latif Shamsi (Alig.)

Year of Edition 2022
ISBN:978-93-93785-89-3
₹ 350/-

نام کتاب	:	کاکو کی کہانی الما کی زبانی
مصنف	:	الما لطیف شمسی (علیگ)
پتہ	:	شمسی بلڈنگ، کاکو، ضلع جہان آباد، بہار، انڈیا
رابطہ نمبر	:	9431208291, 9162216560
ترتیب وتدوین	:	یوسف شمسی کاکوی
سال اشاعت	:	۲۰۲۲ء
تعداد	:	۳۰۰
قیمت	:	۳۵۰ روپے
صفحات	:	۲۹۶
مطبع	:	روشان پرنٹرس، دہلی۔۶

ملنے کے پتے:

(۱) یوسف شمسی، شمسی بلڈنگ، کاکو، بہار، انڈیا (۲) بک امپوریم، سبزی باغ، پٹنہ، انڈیا
(۳) پرویز بک ہاؤس، سبزی باغ، پٹنہ، انڈیا

Published by

EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE

H.O. D1/16, Ansari Road, Darya Ganj, New Delhi-110002 (INDIA)
B.O. 3191,Vakil Street, Kucha Pandit, Lal Kuan, Delhi-6 (INDIA)
Ph: 45678286, 23216162, 45678203, Mob:9210346778
E-mail: info@ephbooks.com,ephindia@gmail.com
website: www.ephbooks.com

انتساب

اپنی امّی مرحومہ بی سلمیٰ شمسی کے نام

جو میری چھوٹی سے چھوٹی خوشی کے لئے اپنی بڑی سے بڑی

خوشیاں قربان کرتی رہیں، بغیر یہ سوچے کہ میں بڑا

ہو کر ان کی کسوٹی پر کھرا اُتروں گا بھی یا نہیں۔

جنہوں نے کبھی باپ کی کمی محسوس نہ ہونے دی۔

اللہ پاک انہیں جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے (آمین)

کاش! مجھے مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمارے

آقا محمد ﷺ کی شفاعت اور جنت میں امی مرحومہ کا سایہ

نصیب فرمائے۔

آنے والی نسلیں ہم کو بھول سکیں، ناممکن ہے

نقشِ قدم کے مٹتے مٹتے راہِ گزر بن جائیں گے

(قاسم خورشید)

فہرست مضامین



اپنی بات

یہ کائنات نہایت خوبصورت ہے اور اس سے کہیں زیادہ خوبصورت اس کائنات کا مشاہدہ ہے۔ خود بچشم دید اس کا مطالعہ و مشاہدہ ایک حقیقت ہے لیکن جب یہ کیفیت ضبط تحریر میں آتی ہے تو ایک تاریخ بن جاتی ہے۔ اور یوں ہم اپنے اسلاف کی تاریخ سے بہت ساری نصیحتیں اپنی زندگی میں مستعار لیتے ہیں۔ صوبہ بہار میں ایک خوبصورت خطہ ''کاکو'' کی سرزمین ہے جہاں اولیا اللہ، بزرگان دین، شاعر و ادیب، مختلف مساجد، مدارس و درگاہ، روٴسا، زمین دار کی تاریخ اور شاندار ماضی دفن ہے۔

میں یہ تو نہیں کہوں گا کہ کاکو پر اس سے قبل کوئی کتاب نہیں لکھی گئی اور میری یہ پہلی کوشش ہے۔ اس کتاب سے قبل جناب عبدالغفور حمدؔ کاکوی صاحب کی کتاب ''آثار کاکو'' کے نام سے شائع ہو چکی ہے اور یہ قارئین میں مقبول بھی ہے، لیکن اس درمیانی عرصے میں کاکو میں بہت سارے نشیب و فراز آئے۔ کچھ بستیاں پیوند خاک ہو گئیں۔ موجودہ دور میں نئی نسل نے بزرگوں کے کارنامے کو آگے بڑھایا۔ کچھ نئی ایجادات کے ساتھ بہت سارے کارنامے یکے بعد دیگرے جڑتے چلے گئے۔

شاید یہ اضافہ ہمارے بعد ایک تاریخی حیثیت لے لے۔ انہیں ضائع کرنا درست نہیں۔ اس خیال نے مجھے اس طرف متوجہ کیا۔ میں اپنی طبعی عمر کے آخری مرحلے میں ہوں۔ میں نے بہت کچھ دیکھا سنا ہے۔ میں اس کام سے کسی درجہ پہلو تہی نہیں کر سکتا۔ میرا قلم ایک فن کار کا قلم تو نہیں ہے اور نہ میں اس فن کی خوبیوں سے واقف ہوں۔ بہرحال میں نے کاکو کے تاریخی، علمی، سیاسی اور سماجی پہلوؤں پر تحقیق و جستجو شروع کر دی۔ مجھے ہر واقعہ کو کن کن زاویہ ہائے نظر سے غور کرنا پڑا، وہ واقعات جو مجھے مجہول نظر آئے یا ان کی حیثیت افسانوی تھی، میں نے مسترد کر دیا۔

الحمدللہ میں نے جس موضوع پر کام کیا ہے اس پر مستقبل میں بھی بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے۔اس لئے نوجوانان ملت کے لئے یہ کام چھوڑ رہا ہوں۔علامہ شبلی کی بھی یہی سنت ہے اور وہ کہتے ہیں:

جواں ہو تم لب بام آ چکا ہے آفتاب اپنا

اپنے قارئین سے میری التجا ہے کہ میری اس کتاب میں اگر کچھ غلطیاں ملیں تو اس کو نظرانداز کردیں گے۔چونکہ اس وقت میری عمر ۸۰ سال سے تجاوز کرچکی ہے۔ اس عمر میں کتاب لکھتے وقت تمام گزری ہوئی باتوں کو یاد رکھنا مشکل ہی نہیں بہت مشکل ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ذہن کے دریچے کو کھول دیا کہ میں یادوں کے جھروکوں سے کچھ یادیں قلم بند کرسکا۔میری اس کتاب کے زیادہ تر حصے لوگوں کی یادوں پر مشتمل ہیں۔تاریخی اعتبار سے کاکو پر کوئی کتاب نہیں ملی۔’آثار کاکو‘ کی کم و بیش وہی حیثیت ہے جو اس کتاب کی ہے۔امید ہے میری یہ کتاب مستقبل میں ان حضرات کے لئے کارآمد ثابت ہوگی جو کاکو پر مزید تحقیق کی جستجو رکھتے ہیں۔

آخر میں خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے ان تمام لوگوں کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں، جنہوں نے اس کتاب کو لکھنے میں میری معلومات میں اضافہ کیا۔خاص طور سے میں اپنے عزیز بھانجے سید ہمایوں کلام (گلشن اقبال، کراچی) جناب عزیزم سید شاہ تقی الدین احمد فردوسی ندوی منیری، بہت ہی عزیز بیٹی ترنم صدیقی یعنی میری بھتیجی عمرانہ معیز کی بیٹی اور عزیز بھتیجے نجم العارفین شمسی کا بھی بیحد ممنون و مشکور ہوں۔

الما لطیف شمسی (علیگ)



تقدیم

پروفیسر علیم اللہ حالی

سابق صدر شعبۂ اُردو، مگدھ یونیورسٹی، گیا

ریاست بہار کی چند اہم بستیوں اور خطوں میں کاکو کا نام بھی آتا ہے۔یہاں تسلسل کے ساتھ مختلف عہد میں علما و فضلاء اور اہل تصوف کی آمد اور ان کے قیام کی تاریخ سامنے آتی ہے۔ایک زمانے سے کاکو بی بی کمالؒ کی درگاہ کی وجہ سے مشہور ہے۔ بی بی کمال صاحبہ معارفت خاتون گزری ہیں، جن کے متعدد محیر العقول واقعات عوام و خواص میں مشہور ہیں۔ان کے علاوہ بھی کاکو معارفت اور حقانیت کا مرکز رہا ہے۔ جناب الما لطیف شمسی انجم کاکوی نے اس روحانی اور علمی مرکز کا ایک تفصیلی تعارف نامہ پیش کیا۔انہوں نے اس قدیم قصبے کی تاریخ مختلف سیاسی ادوار میں اس کی بدلتی ہوئی صورت حال، متعدد سیاسی اقتدار کے دور میں اس کی اہمیت، صوفیاء اور عارفین کی آمد و قیام اور ان کے کرامات، مجذوبین کے حیرت انگیز کارنامے اور اس کے ساتھ ساتھ مختلف دیگر خانوادوں کے نمایاں افراد کی ایک ایسی تاریخ مرتب کی ہے۔جس کے لئے اگر ایک طرف تائید میں مستند شواہد پیش نہیں کئے جاسکتے تو دوسری طرف ان کی تردید میں قابل اعتبار ثبوت بھی مہیا نہیں کئے جاسکتے۔

میری نظر میں اس مسودے کے علاوہ کوئی اور تصنیف و تالیف ایسی نہیں گزری جس میں کاکو کی تاریخ کو اس تفصیل کے ساتھ پیش کیا گیا ہو۔میں یہ بات مانتا ہوں کہ کسی قدیم ترین خطے کی تاریخ کو صد فیصد استناد کے ساتھ پیش کرنا آسان نہیں۔جو اطلاعات حاصل ہوتی ہیں وہ یا تو بیاضوں کے ذریعہ یا غیر مستند مطبوعات کے ذریعے یا

پھر یہ کہ ایک بڑا ذریعہ سینہ بہ سینہ چلی آرہی روایات کا بھی ہوتا ہے۔ الما لطیف شمسی کی یہ کاوش بھی انہیں ذرائع اطلاعات پر مبنی ہے۔ ممکن ہے بعض دوسرے ارباب علم کے پیش نظر واقعات وافراد کے بارے میں کچھ بدلی ہوئی صورت حال سامنے آتی ہو۔ بہر حال الما لطیف شمسی کی اس تحریر کو ٹھوس اور اٹل تاریخی دستاویز کے طور پر قبول کرنا مشکل ہے۔ اس کی ایک خاص وجہ یہ ہے کہ افراد واشخاص اور واقعات کی تفصیلات پیش کرتے ہوئے مصنف کتاب نے اکثر وبیشتر حوالہ جات کی پرواہ نہیں کی۔ اس کے باوجود بہت سی تفصیلات اگر صاحب تصنیف سامنے نہیں لے آتے تو شاید یہ باتیں بھی ہمیشہ کے لئے ہماری دسترس سے باہر ہوجاتیں۔

علمی، ادبی، تہذیبی اور روحانی مراکز کی تفصیلات خواہ وہ غیر مستند تاریخی واقعات پر مبنی ہوں، تواتر سے آتی رہیں تو آگے چل کر ان سے بھی ایک قابل اعتبار تاریخ مرتب ہوسکتی ہے۔ کاکو کے بارے میں جو کچھ جناب الما لطیف شمسی نے لکھا ہے وہ ممکن ہے بعض دوسرے اہل قلم بدلی ہوئی صورتوں میں پیش کریں لیکن ان سبھوں کو ملا کر رفتہ رفتہ ایک Cross Dimentional مواد سامنے آتا جائے گا اور ممکن ہے مستقبل میں کاکو اپنے بالکل صحیح نقشے کے ساتھ ہمارے سامنے آسکے گا۔

میں محترم الما لطیف شمسی کا ممنون ہوں کہ انہوں نے اس تصنیف کے لئے تعارفی تحریر کے سلسلے میں مجھے مدعو کیا۔ میں مانتا ہوں کہ میرا تعلق اگرچہ بطور خاص کاکو سے نہیں رہا ہے اور خود کاکو جیسے دوسرے تہذیبی، تاریخی اور روحانی مراکز کے سلسلے میں میرے مطالعات واجبی ہیں، لیکن مصنف کتاب کی دعوت کو میں اپنے لئے باعث افتخار سمجھتا ہوں اور ان کا شکریہ ادا کرنا اپنا اخلاقی فریضہ سمجھتا ہوں۔



بیش قیمت سماجیاتی مطالعہ

عبدالصمد

رجنی گندھا اپارٹمنٹ، پٹنہ

جناب الما لطیف شمسی کی گراں قدر تصنیف "کاکو کی کہانی الما کی زبانی" کے مسودے کے مطالعے کے دوران معا میرا ذہن تقریباً 42 سال قبل ایک تحقیقی مطالعہ کی طرف چلا گیا جب میں اپنے استاد اور صدر شعبۂ سیاسیات، مگدھ یونیورسٹی بودھ گیا پروفیسر رام چندر پرشاد کی نگرانی میں یو جی سی کے ایک پروجیکٹ کے ساتھ بھبھوا اور چین پور (ضلع کیمور) کے مختلف دیہاتوں میں گھوم رہا تھا۔ جناب شاہد احمد شعیب نے اس پروجیکٹ کے تحت ایک تحقیقی مقالہ مرتب کیا تھا۔ "Profile of a village" کے عنوان سے یہ مقالہ اس زمانے میں سماجی اور سیاسی مطالعہ کے اہم مراکز میں بحث کا موضوع رہا تھا اور اس پر بہت دلچسپی کا اظہار کیا گیا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ بعض ناگزیر اسباب کی وجہ سے یہ مقالہ شائع نہیں ہوسکا۔ اس کے مسودے کا کیا حشر ہوا یہ بھی پتہ نہیں۔

"کاکو کی کہانی الما کی زبانی" کے مطالعے کے دوران میں اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ عظیم کارنامہ وہی انجام دے سکتا ہے جس کی ذہنی ساخت اور اس کا شعور علم سماجیات اور سیاسیات سے وابستہ ہوں۔ آگے جاکر یہ عقدہ حل ہوگیا کہ جناب الما لطیف شمسی علم سیاسیات کے طالب علم رہے ہیں اور انہوں نے اس مضمون میں علیگڑھ مسلم یونیورسٹی

سے ایم۔اے کیا تھا۔

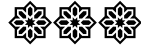
جناب شمسی نے یہ کتاب اردو میں مرتب کی ہے اور غالباً ان کے ذہن میں یہ بات رہی ہوگی کہ وہ اس کے ذریعہ اردو کی بے شمار ادبی کتابوں میں کوئی اضافہ کریں گے۔ اضافہ تو انہوں نے بیشک کیا ہے، مگر شاید انہیں یہ اندازہ نہیں ہوگا کہ وہ جانے انجانے میں اس تصنیف کے ذریعہ علم سماجیات کے ذخیرے میں ایک اضافہ کر رہے ہیں۔ کبھی کہیں کسی پروجیکٹ کے تحت دیہاتی علاقوں کا مطالعہ ہوگا تو یہ تصنیف یقیناً ایک حوالہ (Reference) کے طور پر کارآمد ثابت ہوگی۔

کاکو کی خاک میں خالق دوجہاں نے ایک ایسی عجیب تاثیر رکھی ہے کہ یہاں سے جو ذرہ اٹھا وہ آفتاب بن کر چمکا۔ ایسی ایسی شخصیات نے یہاں جنم لیا جنہوں نے نہ صرف اپنے ملک بلکہ برِّصغیر ہند اور اس سے بھی پرے دنیاؤں میں ایسے بیش بہا کارنامے انجام دیئے جو تاریخ کے انمٹ اور درخشاں باب ہیں۔

جناب شمسی نے ان کے تعارف اور کارناموں کو نہایت مناسب الفاظ میں تحریر کیا ہے انہوں نے جو زبان استعمال کی ہے وہ خاصی دلچسپ ہے اور مطالعہ کا شوق دلاتی ہے۔ اس کتاب کو پڑھتے ہوئے فکشن کو پڑھنے کا مزہ آتا ہے۔ انہوں نے کاکو کی تہذیب، معاشرت، آپسی میل جول، وہاں کے میلے ٹھیلے، وہاں کی مخصوص بولیاں، وہاں کے پرب تہوار، وہاں کی برسوں سے چلی آرہی سیاسی اور سماجی صورت حال، وہاں کی نہ صرف چیدہ چیدہ شخصیتیں بلکہ عام لوگوں کے رہن سہن اور ان کے اندر پوشیدہ گنوں کی جس طرح کھوج کی ہے وہ لائق تحسین ہونے کے ساتھ ساتھ حیرت انگیز بھی ہے۔ انہوں نے کاکو جیسے گاؤں کو زمین کا ایسا رشک قمر حصہ بنا دیا ہے جس سے دور و نزدیک کے ہر شخص کے اندر بے ساختہ یہ خواہش جاگ اُٹھتی ہے کہ کاش اس کا کوئی نہ کوئی تعلق کاکو سے ضرور ہوتا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ جناب شمسی نے ایسے لوگوں کو بھی مایوس نہیں کیا اور جس کا ذرا بھی تعلق کاکو سے ثابت ہوا اسے وہ اپنے احاطہ تحریر

میں ضرور لے آئے ہیں۔ کاکو - ایک بستی کو انہوں نے نہ صرف بہار اور ملک بلکہ عالمی نقشے پر ایک پہچان دلوادی۔

مسودہ کے مطالعہ کے دوران میں کئی بار جذباتی وقفے سے گزرا ہوں۔ اس میں جا بہ جا میرے جد امجد شیخ عبدالرحمٰن صاحب، شیخ داؤد صاحب (بار ایٹ لا) اور میرے سگے ماموں جناب محمد نسیم صاحب کا ذکر آیا ہے اور کاکو کی علمی و تہذیبی ترقی و ترویج کے سلسلے میں ان کی خدمات کا دل کھول کر اعتراف کیا گیا ہے۔ میں کاکو تین چار بار گیا ہوں، مگر اس کتاب کے مطالعہ کے بعد محسوس ہوا کہ میں نے وہاں جو بھی دیکھا وہاں سب کچھ تو اس کتاب میں محفوظ ہے۔ میں اس کی جلد سے جلد اشاعت کا کا چینی سے منتظر ہوں کہ اس کے بعد اس کا ایک نسخہ میرے ہاتھ میں آئے گا، اور میں اس سے گاہے گاہے مستفیض ہوتا رہوں گا۔



ہم نے دیکھا ہے کہ ذروں سے زمانے نکلے

سید ہمایوں کلام

گلشن اقبال، کراچی، پاکستان

الما لطیف شمسی میرے انتہائی قابلِ احترام بزرگ ہیں۔انہوں نے جس طرح زندگی کو برتا اور حصول آگہی کے لیے جو کاوشیں کیں وہ صرف قابل تحسین ہی نہیں بلکہ لائق تقلید بھی ہیں۔آپ کی ہمہ جہت شخصیت مقناطیسی کشش کی حامل ہے۔یہی وجہ ہے کہ اتنی دوری اور فاصلے کے باوجود رابطے میں رہنے کی کوشش کرتا ہوں۔زیرِنظر کتاب یا مسودہ میرے لیے دلچسپی سے زیادہ حیرانی کا باعث ہے۔کاکو کی کہانی ترتیب دینے میں مصنف نے ہمت، استقامت اور عرق ریزی سے کام لیا ہے وہ ناقابل یقین ہے۔مجھے تو کاکو کی عظمت کا اتنا اندازہ بالکل بھی نہیں تھا۔اگر میں یہ کہوں کہ آپ نے ایک قصہ پارینہ کو نئے سرے سے توانائی بخش کر زندہ جاوید کر دیا تو قطعاً غلط بیانی نہ ہوگی۔الما لطیف شمسی اس کتاب میں مصنف سے زیادہ ایک جوہری محسوس ہو رہے ہیں کہ جنہوں نے خام روایات اور بھولی بسری کہانیوں کو اپنی ذہانت و فراست کی کسوٹی پر پرکھ کر ہم تک پہنچایا۔یہ کوئی سہل سفر نہ رہا ہوگا بلکہ سنگلاخ راہوں پہ آبلہ پا ہونے کے مترادف رہا ہوگا۔نہ جانے کتنے قصے، کتنی کہاوتیں، روایتیں اور کہانیاں راستے ہی میں دم توڑ گئیں، اسلئے کہ معتبر ہونے کا جو معیار آپ نے اپنے ذہن میں رکھا اس پر وہ پورا نہ اتر سکیں___ اس لیے ' کاکو کی کہانی الما نی نظر میں الما کی زبانی ' اگر کتاب کا عنوان

یوں موزوں کیا جاتا تو میرے لیے شاید زیادہ قابل قبول ہوتا۔جناب صد احترم مصنف کو دریا ہی نہیں بلکہ بحر بیکراں کو کوزے میں بھرنے کا فن آتا ہے اور وہ زیرِ کتاب میں زیادہ ابھر کر نظر آتا ہے۔میں ان کی اس صلاحیت کا معترف بھی ہوں اور مداح بھی۔اس قدر اختصار میں اس قدر وسعت و گہرائی___

'میرا مصنف کی خدمت میں تعظیماً 'سلام'

کاکو سے میرا بھی ناطہ ہے لیکن بس ناطے کی حد تک_ شاید زندگی میں گنتی کے چند لمحات کاکو کی سر زمین پر گزرے ہیں۔میرے ذہن میں کاکو کی تصویر ایک روایتی بستی کی سی رہی ہے لیکن کتاب پڑھتے ہوئے ہر ہر حرف نے مجھے جس طرح ششدر کیا اور یقین و بے یقینی کی جس کیفیت سے روشناس کرایا وہ بیان سے باہر ہے۔مجھے یہ تسلیم کرتے ہوئے بہت اچھا لگ رہا ہے۔مجھے اس کتاب کے صفحات کئی کئی بار پڑھنے پڑے کیونکہ ذہن کے قرطاس پہ ایک دفعہ پڑھنے پر جو تصویر بنتی تھی وہ پانی کی سطح پر بننے والی تصویر کی طرح غیر واضح اور دھندلی ہوتی تھی۔ میں دوبارہ اور سہ بارہ پڑھتا رہا تا کہ کاکو کی تصویر اسکے مختلف ادوار میں جیسی رہی ہو ویسی ہی ہو جو میرے گمان و تصور میں بنے۔کس حد تک میں کامیاب ہوا کہہ نہیں سکتا، لیکن یہ ضرور کہہ سکتا ہوں کہ فاضل مصنف جناب الما صاحب نے کاکو کی کہانی بیان کرتے ہوئے حروف کی جو سحر انگیزی کی ہے اس نے کاکو کو یقین کی سرحدوں سے ماورا کوئی مقام بنا دیا ہے۔کاکو کی سر زمین کیسی کیسی برگزیدہ ہستیوں کا مرکز رہی اور آج بھی جن کے مدفن فیض حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں۔کیسی کیسی قد آور علمی شخصیات اور کیسی بلند و بالا سماجی و سیاسی شخصیتیں کہ کاکو جن کی وجہ نمو بنا۔آج بھی یہ تسلسل جاری و ساری نظر آتا ہے۔

کیسے کیسے ہیرے اور نگینے صرف خاک ہو گئے کہ آج ہم انکے تلووں کی خاک بھی نہیں۔یہ سب کچھ میں نے اس کتاب سے جانا اور اسکے لئے میں الما لطیف شمسی کا ممنون ہوں۔یہ صرف اللہ کا کرم ہے کہ ایسی گراں مایہ ہستی آج ہمارے

درمیان ہے۔ بارگاہ رب العزت میں دعا گو ہوں کہ مالک ارض وسماء اس نحیف سے بدن میں چھپے آہنی انسان کو تا دیر ہمارے درمیان تابندہ و رخشندہ رکھے ____

آمین ثمہ آمین

امید ہی نہیں یقین ہے کہ یہ کتاب قارئین کا ایک بڑا حلقہ تخلیق کرے گی اور اس حلقہ میں ایک بڑی تعداد ان کی بھی ہوگی جو الما لطیف شمسی کو صرف اس کتاب کے مصنف ہی کی حیثیت سے جانیں گے۔ ان احباب کے لیے یہ بتانا ضروری ہے کہ موصوف (الما) کی وجہ شہرت ایک عرصہ تک شعلہ بیان مقرر کی رہی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کے الفاظ اور آواز مل کر مجمع میں آگ لگا دیتی ہے۔ سیاسی حلقوں میں اس خوبی کے باعث آپ کی بڑی قدر ومنزلت رہی اور مانگ بھی۔



”کاکوکی کہانی الما کی زبانی“

میری نظر میں

ڈاکٹر سید شاہ تقی الدین احمد فردوسی ندوی منیری

رواق، پٹنہ

کسی شخصیت کے بارے میں کچھ لکھنا یا کسی کی تصنیف پر تبصرہ کرنا میرے خیال میں بہت ہی آزمائش کا کام ہے۔ اس لئے برادر عزیز یوسف شمسی نے جب خواہش ظاہر کی کہ میں محترم ماموں جان جناب لطیف شمسی انجم کاکوی عرف الما شمسی صاحب مدظلہ العالی کی کتاب ”کاکوکی کہانی الما کی زبانی“ کے بارے میں کچھ لکھوں تو میں گھبرا گیا پھر بھی انکار نہ کرسکا اور اللہ تعالیٰ کا نام لے کر برادر عزیز یوسف شمسی سلمہ اللہ سے وعدہ کرلیا کہ لکھوں گا۔

یہ حقیقت ہے کہ کاکوکی کہانی الما کی زبانی نامی کتاب صرف کاکوکی کہانی ہی کی کتاب نہیں ہے بلکہ کاکوکی مکمل تاریخ ہے اس کتاب میں مصنف مدظلہ العالی نے تاریخی، اجتماعی، علمی، ادبی، سیاسی تمدنی وغیرہ وغیرہ موضوعات پر روشنی ڈالنے کے علاوہ تصوف اور اکابرین اولیاء اللہ کے بارے میں تفصیل سے لکھا ہے۔ چونکہ کاکوکا تعلق صدیوں سے منیر شریف سے رہا ہے اور حضرت مخدومہ بی بی کمال صاحبہ قدس سرہا منیر شریف کے تاج فقیہی خاندان کی بہو اور جدنا ومخدومنا حضرت شیخ احمد یحیٰ منیری

قدس سرھا کی ہمشیرۂ نسبتی (سالی) تھیں اور مجھے یہ شرف حاصل ہے کہ مخدومنا حضرت سلیمان لنگرز مین میرے جد (دادا) اور مخدومہ بی کمال قدس سرھا میری جدۃ (دادی) ہیں اسی لئے اپنی جدۃ مخدومہ بی بی کمال قدس سرھا کی مدح میں یہ شعر میں نے کئی سال پہلے کہا تھا جسے میں ماموں جان جناب لطیف شمسی انجم کاکوی عرف الما شمسی صاحب کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں میں نے کچھ اس طرح کہا ہے:۔

بہار جس کی کہ اِک اِک گھڑی ہے فرخ فال
بفضلِ نامِ خدا بر دعائے بی بی کمال

الحمدللہ میں کاکو کا داماد ہوں میری شریکِ زندگی محترمہ ثروت شفیق عرف شہلاء صاحبہ رئیسِ کاکو حضرت حافظ فخر الدین شمسی صاحب نور اللہ مرقدہ کی نواسی ہیں۔

میں پیشن گوئی نہیں بلکہ حقیقت بیان کر رہا ہوں کہ یہ کتاب ان شاء اللہ مستقبل میں Reference Book کہلائے گی اور کاکو کے بارے میں جب مستقبل میں کوئی علمی، ادبی، تاریخی وغیرہ کام ہونگے اس وقت اس کتاب سے انشاء اللہ استفادہ کیا جائے گا۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے میں یہ دعا کر رہا ہوں کہ محترم ماموں جان (کاکوکی کہانی الما کی زبانی کے مصنف) کو صحت و عافیت کے ساتھ رکھے اور دوسروں کو ان کی ذات سے ہمیشہ فائدہ پہنچتا رہے نیز ان کی یہ کتاب Reference Book بن جائے آمین۔



مٹتی نہیں تاریخ سے کوئی بھی عبارت

ڈاکٹر قاسم خورشید

سابق ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ، ایس.سی.ای.آر.ٹی، بہار

میرے لئے باعث صد افتخار ہے کہ میرا آبائی وطن کاکو اپنی بہترین تاریخی، ادبی اور ثقافتی خصائص کے لیئے ہمیشہ عقیدت کا مرکز رہا ہے۔ کمال آباد کاکو کی حیثیت اس اعتبار سے بھی بلند تر ہے کہ یہاں کی فضا کشف و کمال سے مزین اور معطر ہے۔ جناب الما لطیف شمسی صاحب اس اعتبار سے بھی بیحد محترم اور ذی فہم شخصیت ہیں کہ بےلوث جذبے کے ساتھ کاکو کی وراثت کو تمام عمر قائم و دائم رکھتے ہوئے اجتماعی طور پر دستاویزی شکل دینے میں اِک عمر گزار دی۔

راوی خود الما لطیف شمسی ہیں اس لیے تاریخ کے اوراق اور بھی مزین ہو گئے ہیں۔ ایسے پراگندہ طبع لوگ عموماً اب ناپید ہیں جن کی کاوشوں سے آنے والی نسلوں کو اپنی تاریخ اور اپنی سرشت کا بخوبی اندازہ ہو سکے۔ جناب الما لطیف شمسی نے کاکو کی تاریخ رقم کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ جنون اور حوصلے میں دیانت داری ہو تو کوئی بھی کام قطعی طور پر مشکل نہیں ہے۔

کاکو کی تاریخ پر یہ کتاب اس لیے بھی بیحد اہم ہے کہ کسی بھی جہت سے اگر کاکو کی تہذیبی، تاریخی اور ادبی حیثیت کو سمجھنا ہو تو اس کتاب سے گزرنا ناگزیر ہوگا۔

کتاب کے کئی روشن پہلو ہیں، ہر صفحے پر ہماری وراثت کی قندیلیں روشن نظر آئیں گی۔

الما لطیف شمسی صاحب نے روایت کو پوری پاسداری کے ساتھ قدیم اور جدید دونوں پہلوؤں کو پورے انہماک اور نہایت دلچسپ انداز میں پیش کیا ہے۔ بڑی بات یہ ہے کہ ہر پچاس برس میں تاریخ کا کوئی نہ کوئی نیا باب جڑتا ہے مگر ہم اکثر اُسے نظرانداز کر دیتے ہیں اس لیے لوگوں کی دلچسپی بھی رسمی ہی رہ جاتی ہے مگر جناب الما لطیف شمسی نے اپنی کتاب کو مزید وسعت دیتے ہوئے جدید تاریخ بھی نہایت خوبصورت انداز میں تحریر کی ہے۔

کاکو سے متعلق جو تاریخی دستاویز پہلے سے موجود تھی اُس پر بھی نئی تحقیق کے ساتھ کام کرنے کی ضرورت تھی۔ اس کمی کو ملحوظ رکھتے ہوئے پیش نظر کتاب میں پرانی تاریخ کے تشنہ ابواب کو نئی تحقیق کے ساتھ الما لطیف شمسی نے پیش کرتے ہوئے موجودہ کاکو کے کوائف بھی بیان کر دیئے ہیں۔

عہدِ نو کی اس ضروری کتاب کا مطالعہ یقیناً ناگزیر ہے کہ ہم اپنی زمین، اپنے احوال اور اپنی روایت سے بھی متعارف ہو سکیں۔ الما لطیف شمسی صاحب کی اس گرانقدر تصنیف کے مطالعہ کے بعد اُن کے حوالے سے بھی یہ کہا جائے گا کہ

آنے والی نسلیں ہم کو بھول سکیں، ناممکن ہے
نقشِ قدم کے مٹتے مٹتے راہ گزر بن جائیں گے



ہر ایک راہ نشیں کو شکستہ پا نہ سمجھ

ڈاکٹر عفت آرا شمسی
شمسی بلڈنگ، گیا

الما لطیف شمسی میرے لیے ایک نیا نام نہیں۔ ان سے کب سے شناسائی ہے دن اور تاریخ تو مقرر نہیں کی جا سکتی۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ بچپن اور شعور کی ہر ہر منزل پر یہ نام ہمارے ساتھ رہا۔ انتہائی شفیق محبت کرنے والے انسان دوست ہیں۔ ان کے خلوص اور مشفق برتاؤ کے معترف کتنے اور کہاں ہیں آپ خود بھی نہیں جانتے۔ کردار کی بلندی، اخلاق عالیہ اور گفتار کا سلیقہ آپ کی اوّلین شناخت ہے، اہلِ علم اور سخن ور ہونا یہ طرّہ امتیاز ہے۔ 'کاکو کی کہانی الما کی زبانی' جب صرف سوچ کے مراحل میں تھی اس وقت بھی اس کا تذکرہ سنا تھا۔ الما کے علاوہ کوئی اور شخصیت ہوتو شاید یہ خیال لفظوں کے لباس میں نہ آپاتا۔

کاکو کے بارے میں کیا کہوں پروین شاکر کے بقول____

"یہی کیا کم ہے کہ نسبت مجھے اس خاک سے ہے"

زندگی کا کوئی دور بھی ایسا نہیں گزرا جس میں کاکو کا میری شخصیت کی تعمیر میں حصہ نہ رہا ہو۔ بہت سی شخصیات جو علم و دانش کے مینارے رہے ہیں ان سے ملاقات کا موقع بھی ملا۔ بہت سے وہ رہے جس سے کبھی بالمشافہ ملاقات تو نہیں ہوئی لیکن غائبانہ ان سے استفادہ حاصل ہوا۔ آج اگر میں ادب کی طالبہ کی حیثیت سے ادبی حلقے میں جانی پہچانی جاتی ہوں تو اس میں ان اکابر کی محنت اور شفقت شامل ہے جن کا تعلق کاکو سے رہا ہے۔ اوپر جو کچھ بیان کیا ہے اس کا مقصد و مدعاء یہ تھا کہ میرا کاکو سے گہرا تعلق

ہے، میں کاکو کو جانتی ہوں لیکن یہ الما صاحب کی کتاب پڑھ کر احساس ہوا کہ جو کچھ میں نے کاکو کے بارے میں شناسائی کا دعویٰ کیا تھا وہ تو حقیقت میں کچھ بھی نہیں۔ صرف عہد حاضر کی کئی معروف شخصیتیں بھی ہمیں صحیح طور پر یاد نہ آسکیں تو گزری ہوئی ہستیوں کا ذکر ہی کیا۔ ہوسکتا ہے اس کی وجہ ہماری پیرانہ سالی ہو یا شاید ظالم وقت جو بہت سی چیزیں ذہن سے مٹا دیتا ہے۔ پھر وہی پروین شاکر

چہرہ و نام ایک ساتھ آج نہ یاد آ سکے
وقت نے کس شبیہ کو خواب و خیال کر دیا

اغلب خیال یہ ہے کہ کاکو کی وہ پرانی کہانیاں جو وقت کے ہاتھوں تہہ خاک ہوگئیں اور وہ روایتیں جو ابھی معدومیت کے مرحلے میں تھیں ضرورت بہت مدتوں سے یہ تھی کہ پختہ ارادوں والا شخص کسی طرح حقیقتوں اور افسانوں دونوں کو تحریر کا لبادہ دے، تا کہ خزانہ نہ صرف یہ کہ محفوظ رہے بلکہ وہ جو کاکو کو صرف نام کی حیثیت سے جانتے ہیں حقیقت کا ادراک کر سکیں اور مستفید ہو سکیں۔

وقت کرتا ہے پرورش برسوں کے مصداق ____ الما لطیف شمسی کی پیدائش، تعلیم و تربیت کا مقصد ہی خلاق اعظم نے یہی رکھا تھا کہ وہ تمام گرد آلود کونوں اور گوشوں کو جھاڑ پونچھ کر جو کچھ دریافت کریں عوام الناس کے سامنے پیش کر دیں۔

یہ بات میں نے دو جملوں میں سہولت سے لکھ دی لیکن یہ کام اس لئے جان جوکھوں سے کم نہ تھا کہ الما کو بے پایاں استقامت کی ضرورت تھی ___ نہ جانے کیا کیا پڑھا قبروں کے تکیے (کتبہ) سے لے کر محققین کی کوششیں، نہ جانے کیا کیا سنا، کس کس سے سنا ___ الما کی ذات کو سمجھتے ہوئے یقینی لہجے میں کہہ سکتی ہوں کہ انہوں نے امکان کا کوئی پہلو نہیں چھوڑا ہوگا کتاب کا ہر ہر لفظ آپ کی محبت اور محنت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ دعا ہے کہ باری تعالیٰ آپ کی محنت کو قبول، منظور اور مقبول بنائے۔

الما لطیف شمسی تم نے جیتے جی خود کو امر کر لیا۔



بیان کیا کروں توقیر کاکو

ڈاکٹر ریحان غنی

ایڈیٹر۔روزنامہ پندار، پٹنہ

کاکو ریاست بہار کی ایک ایسی قدیم بستی ہے جہاں بے شمار ولی اور بزرگان دین پیوند خاک ہیں، جن کے فیوض و برکات آج بھی جاری ہیں۔ تاریخ میں یہ بات بھی درج ہے کہ اس بستی میں کثرت سے آتشزدگی کے واقعات ہوئے جس کی وجہ سے پرانے دستاویزات ضائع ہو گئے، لیکن اس کے باوجود کاکو کی مستند تاریخ اور تفصیلات مل جاتی ہیں، جو بزرگوں کے فیوض و برکات کا نتیجہ ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس بستی میں مسلمانوں کی آمد سے قبل کوئی راجا یا زمیندار حکمراں تھا۔ تاریخ یہ بھی بتاتی ہے کہ حضرت تاج فقیہ نے 576ھ میں منیر فتح کیا۔ ان کے پوتے مخدوم سلیمان لنگر زمین کاکوی اس بستی میں آباد ہوئے۔ وہ مشہور ولیہ حضرت بی بی کمال کے شوہر تھے۔ بی بی کمال، حضرت مخدوم شرف الدین یحییٰ منیری کی خالہ تھیں۔ اتنے باکمال بزرگوں کی بستی کے صدیوں پرانے تذکرے یا اسکی تاریخ لکھنا آسان نہیں ہے۔ یہ کام وہی کر سکتا ہے جس کو کام کرنے کا جنون اور جذبہ ہو۔

میں مبارک باد دیتا ہوں جناب الما لطیف شمسی انجم کاکوی کو جنھوں نے یہ بیڑا اٹھایا اور کاکو کے تذکرے اور تاریخ کو ''کاکو کی کہانی الما کی زبانی'' کے عنوان سے قلمبند کر کے سمندر کو کوزے میں بند کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس بستی میں مسلمان

تقریباً سات سو سال سے آباد ہیں۔ اس دوران احمد کاکوی نے ''آثار کاکو'' کے عنوان سے ایک ضخیم کتاب لکھی تھی جسے سید شاہ عطا الرحمٰن عطا کاکوی نے 1986 میں ترتیب دیا تھا۔ حمد کاکوی نے ''یادِ وطن'' کے نام سے کاکو کی ایک منظوم داستان بھی لکھی تھی۔

جناب الما لطیف شمسی نے ''کاکو کی کہانی الما کی زبانی'' عرق ریزی سے لکھی ہے اور کاکو کی تقریباً سات سو سال کی تاریخ کو سمیٹنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ میں انہیں اس کے لئے دل کی گہرائیوں سے مبارک باد دیتا ہوں اور صحت کے ساتھ سلامت رہنے کی دعا کرتا ہوں۔



اس ارض مقدس کی ملے خاک تو پھانکو
جس کاف سے کعبہ ہے اسی کاف سے کاکو

شبیع عارفین شمسی
سکریڑی، مرزا غالب کالج، گیا، بہار

''کاکو کی کہانی الما کی زبانی'' جیسی تاریخی تصانیف خال خال ہی منظر عام پر آتی ہیں۔ تخلیقی تصانیف میں ادیب کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق واقعات کا بیان کرے مگر تاریخ میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ یہ کارہائے نمایاں وہی انجام دے سکتا ہے جس نے ایک ایک پہلو کی صداقت کے لئے برسوں کی خاک چھانی ہو۔ یہ بستی کیسے بسی؟ اس کے نام کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟ کاکو کی سرزمین سے کن اہم شخصیات کا تعلق ہے؟ ملک کی آزادی میں اہلِ کاکو کا کیا کردار رہا؟ عصر حاضر میں اس علاقے کی کیا صورتحال ہے؟ یہ وہ چند سوالات ہیں جن کو مدنظر رکھتے ہوئے مصنف نے کاکو کی تاریخ، تہذیب، تمدن، ثقافت، سیاسی و سماجی اور مذہبی پہلوؤں کو بہت ہی دیانتداری کے ساتھ پیش کیا ہے۔ خود کہتے ہیں ''مجھے ہر واقعہ کو کن کن زاویہ ہائے نظر سے غور کرنا پڑا۔ وہ واقعات جو مجھے مجہول نظر آئے یا ان کی حیثیت افسانوی تھی میں نے مسترد کر دیا۔''

کاکو کی سرزمین پر ابتداء سے ہی صوفیائے کرام و بزرگان دین کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہا۔ بزرگوں کے حوالے سے اس تصنیف میں متعدد کراماتی واقعات کا ذکر ہے۔ ایک مقولہ ''سارا کاکو جل گیا اور بی بی کمالؒ سوئی رہیں'' بہت ہی مشہور ہے،

جس کی وضاحت اس کتاب میں موجود ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس طرح کی تاریخی کتابوں میں ان واقعات کی کوئی اہمیت نہیں لیکن جہاں بزرگوں کا ذکر آتا ہے ان کے حوالے سے ان واقعات کا ذکر بھی کر دیا جاتا ہے۔ ایسے متعدد واقعات اس کتاب میں بھی موجود ہیں جن پر تاریخی نقطہ نظر سے اعتراض کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود بھی مجھے یہ کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ یہ کاکو کی تاریخ کے حوالے سے ایک کارہائے نمایاں ہے جسے جناب الما لطیف شمسی نے انجام دیا۔ اس کتاب کی خوبی یہ ہے کہ اس میں کاکو کے نام کی وجہ تسمیہ، کاکو کا وجود، صوفیائے کرام و بزرگوں کے احوال، مسلم بادشاہوں کا سیاسی نظام، تنظیمیں، شخصیتیں، لائبریری، اسکول، مدارس، کنواں، باغ، پارک جیسے چھوٹے بڑے عنوانات کے تحت زمانہ قدیم سے عہد حاضر تک کے حالات کو سمیٹنے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے۔

یہ کتاب الما لطیف شمسی کی زندگی کی کمائی ہے۔ مجھے یہ کہنے میں فخر محسوس ہو رہا ہے کہ مصنف میرے والد کے چھوٹے بھائی ہیں جنھیں ہم سب بچپن سے چھوٹے پاپا کہتے آئے ہیں۔ اس کار خیر کے لئے میں چھوٹے پاپا کو بہت بہت مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے کاکو کی تاریخ قلمبند کر کے وہ کارنامہ انجام دیا ہے جس سے آنے والی نسلیں ہمیشہ فیض یاب ہوتی رہیں گی اور اسے اس میدان میں منبع و مرجع کا درجہ حاصل ہوگا۔ میں اس کتاب کی ترتیب وتدوین کے لیے بھائی یوسف شمسی کو بھی مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ ان کی کاوشوں سے یہ قیمتی کتاب منظرِ عام پر آسکی۔ امید ہے ادبی حلقوں میں اس کی پذیرائی ہوگی۔



کاکو بستی کی قدامت اور وجہ تسمیہ

یہ حقیقت ہے کہ کاکو ایک پرانی بستی ہے۔ اس کا صحیح سال یا زمانہ نہیں بتایا جا سکتا ہے۔ اس بستی میں مسلمان سات سو سال قبل آباد ہوئے۔ بستی اس سے قبل آباد ہو چکی تھی۔ خود بستی کے مٹے مٹائے نشانات اس بات کے گواہ ہیں۔ کہاوت لاکھ کمزور سہی مگر پھر بھی اس میں کچھ نہ کچھ سچائی ضرور ہوتی ہے۔ پرانے ٹیلوں، گڑھوں یا گڈھوں کی کھدائی سے اکثر جو اینٹیں اور مورتیاں نکلی ہیں وہ اس بات کا ثبوت ہیں کہ یہ جگہ اگلے زمانے میں بودھ مذہب والوں کا مسکن رہی ہے۔ مہاتما بودھ کو بودھ گیا میں نروان حاصل ہوا تھا جو کاکو سے صرف ۴۵ کیلومیٹر کی دوری پر ہے۔ یہ بودھ مذہب کا بہت بڑا مرکز تھا۔ کہا جاتا ہے کہ نالندہ بہت بڑی اور سب سے پرانی یونیورسٹی تھی جہاں دنیا بھر کے لوگ علم حاصل کرنے کے لئے آتے تھے۔ (اگرچہ جدید تحقیق سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی ہے) یہ اب کھنڈر کی صورت اختیار کر گیا ہے اور اس کا نام صرف کتابوں میں ہی رہ گیا ہے۔

کاکو بستی سے صرف ۳ کیلومیٹر کی دوری پر پالی نام کی بستی ہے۔ کہیں امر پور پالی ہے، کہیں نگار پالی، کہیں علی نگر پالی اور کہیں پالی گنج ہے۔ ان سب جگہوں پر بودھ مذہب کی تعلیم گاہیں تھیں، جہاں پالی زبان بولی جاتی تھی اور پالی زبان میں تعلیم دی جاتی تھی۔ کسی جگہ کے نام کی وجہ تسمیہ کا پتا چلانا بہت مشکل ہے۔ کاکو کا نام کاکو کیوں پڑا یہ کون بتائے؟ کہاوت مشہور ہے کہ ایک راجہ تھا جس کا نام کوکا تھا۔ کاکو کا نام بھی پہلے کوکا تھا۔ یہ بھی کہاوت چلی آرہی ہے کہ راجہ دشرتھ کی ایک رانی کیکئی تھی جو بھگوان رام چندر جی کی سوتیلی ماں تھیں۔ وہ کاکو ہی کی رہنے والی تھیں۔ سرزمین کاکو جو اپنے آپ میں ایک تاریخ ہے، بزرگان دین، دانشوروں، ادیبوں اور شاعروں کی آماج گاہ رہی

ہے۔ یہ بستی گزشتہ سات سو سال سے قائم ہے۔ دنیا کی دوسری ولیہ بی بی ہدیہ عرف بی بی کمالؒ کا دولت کدہ رہی ہے، جہاں محمد بن بختیار خلجی اور فیروز شاہ تغلق جیسے بادشاہوں نے اپنا قدم رکھا اور بی بی کمالؒ سے فیض حاصل کیا۔

کاکو کے بقانگر کے سلسلے میں ایک مشہور روحانی کہاوت ہے جو سینہ بہ سینہ چلی آرہی ہے کہ اس مقام پر علم دین کی تعلیم کا مدرسہ تھا، علما درس دیتے تھے۔ کسی مسئلے پر بحث چھڑی اور تکرار کی نوبت آگئی، آخر میں یہ بات طے پائی کہ اس مسئلہ کو حضور پرنور ﷺ سے رجوع کیا جائے، جو عالم باطن میں آپ فرمائیں گے اس کو اسی حالت میں مان لیا جائے گا۔ چشم ظاہری سے تو نہیں مگر چشم باطن سے یہ دیکھا گیا کہ حضور پرنور ﷺ تخت مبارک پر جلوہ فرما تشریف لائے۔ حضرت مولانا عبدالغنی قدس سرہٗ اس وقت اپنے حجرے میں تھے۔ کشف باطن سے ان پر یہ بات روشن ہوئی۔ وہ ننگے پیر تیز قدم سے اس جگہ پر پہنچے۔ یہ مقام کاکو کے بقانگر میں واقع ہے۔ حضرت مولانا عبدالغنی قدس سرہ کی مزار بھی اسی جگہ پر ہے۔ اس مبارک سرزمین کو خیال میں رکھتے ہوئے ایک شعر بطور عقیدت پیش کررہا ہوں۔

اس ارض مقدس کی ملے خاک تو پھانکو
جس کاف سے کعبہ ہے اسی کاف سے کاکو

پہلے یہاں بودھ مذہب کی تعلیم گاہیں، مٹھ اور خانقاہیں ہوا کرتی تھیں لیکن اب کچھ بھی نظر نہیں آتی ہیں۔ چونکہ ایک زمانہ ایسا آیا کہ بودھ مذہب کے ماننے والوں پر قدیم برہمن مذہب کا حملہ ہوا اور بودھ مذہب کے ماننے والے اپنی جنم بھومی سے نیست و نابود ہوگئے۔ ان کی زبان پالی کے جاننے والے ایک بھی نہیں رہے۔ نہ ان کی کوئی تہذیب رہی اور نہ تمدن۔ صوبہ بہار کی صفحہ ہستی سے ہی ان کا نام مٹ گیا۔ یہ مذہب تقریباً ایک ہزار سال تک یہاں موجود رہا۔



ہندوستان کے آثار قدیمہ کا معائنہ

حسین پور کاکو - ۸۱-۱۸۸۰ء

میجر جنرل **اے کنگتھم** سی۔ ایس۔ آئی۔ سی۔ آئی ای

جلد ۱۶ صفحہ ۳۶

قدیم قصبہ کاکو جہان آباد سے 8 کیلومیٹر کی دوری پر واقع ہے۔ اور پٹنہ اور گیا کی تقریباً نصف مسافت پر ہے۔ دکھن پچھم کی سمت ایک بڑی جھیل ہے جس کو پری ہنس (پوکھر) کہتے ہیں۔ اس کا رقبہ تقریباً ڈیڑھ کیلومیٹر مشرق سے مغرب تک اور پورب سے پچھم سات سو فیٹ ہوگا۔ پورب کی جانب پانی کا ایک خزانہ ہے جو پنہیاس کہلاتا ہے۔ پانی کے اس خزانے سے آس پاس کی زمین سیراب ہوتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کو رانی کیکئی نے بنوایا تھا۔ دکھن پچھم کونے پر تین بڑے بڑے ٹیلے ہیں جن کو گڑھ کہا جاتا ہے۔ ان کی اینٹیں نکالنے کے لئے اکثر کھدائی کی گئی ہے۔ اب بھی اس میں پختہ اینٹوں کی بڑی بڑی دیواریں پائی جاتی ہیں۔ اینٹوں کی لمبائی ۹ سے ۱۰ انچ اور اونچائی ۵ انچ پائی گئی ہے۔ میں نے چند کمرے بنے بنائے دیکھے ہیں۔ مگر طرز تعمیر کا پتا نہیں چل سکا۔ یہ ٹیلے خود ایک مربع کی شکل کے ہیں۔ اندازہ ہے کہ یہ بودھ مذہب والوں کی عبادت گاہ رہے ہوں گے۔ ایک مورتی کا نشان بھی ملا ہے جس سے پتا چلتا ہے کہ یہ مورتی بودھ کی ہے، جس کے سامنے دو ملازم کھڑے ہیں۔ اس پر یہ عبارت کندہ نظر آتی ہے، جو تقریباً نویں یا دسویں صدی عیسوی کی ہوگی۔ [داتا دھرتوں اینچا سری رامانا گامدھو سرھن پٹم سرارسانا] (برائے یادگار ماں باپ سسر)

یہ پہلا اتفاق ہے کہ میں نے کسی ہندوستانی کے بارے میں سنا ہے کہ اس کو

اپنے سسر کی یاد آئی ہو۔ کیوں کہ ہندوستان میں بیوی کا باپ عذاب سمجھا جاتا ہے اور سسر ایک گالی کے مترادف ہے۔ بستی کے بیچ میں بھی مجھے کچھ قدیم آثار اور ٹوٹے پھوٹے ستون ملے جو عہد گپت خاندان کے انداز کے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ دراصل یہ کسی مسجد کے چار ستون تھے۔ یہ بات صحیح ہوسکتی ہے مگر اندازہ ہے کہ یہ کسی ہندو عمارت کے رہے ہوں گے۔ چند مورتیاں بھی ملیں جو پہچانی گئیں مثلا (۱) نوا گڑھا کے ایک پتھر کا ٹکڑا (۲) ٹوٹا ہوا سرا اپنے سات گھوڑوں کے ساتھ (۳) مہا دیو کے تین لنگم (۴) ہاڑا گوڑی کے تین چھوٹے مجموعے (۵) وشنو کی ایک چھوٹی مورتی (۶) چار پائے والا پتھر کا ایک اسٹول۔ جھیل کے اتر جانب مسلمانوں کی ایک درگاہ ہے جو بی بی کمال قدس سرہا کا روضہ ہے۔ یہ ایک بزرگ کی صاحب زادی ہیں جن کا مزار پٹنہ میں گنگا کنارے جیٹھلی میں واقع ہے۔ ان کی ہمشیرہ کے شوہر کا مزار منیر شریف میں ہے۔ ان کے ہمشیر زادے ایک مخدوم ہیں جن کا مزار بہار شریف میں ہے۔ یہ درگاہ اینٹ کی بنی ہوئی ایک مسجد اور کھلے ہوئے مزار پر مشتمل ہے۔ ایک بلند دروازہ جس پر کتبہ ہے۔ ایک جگہ ''احمد حسین'' کا نام ہے جو شاید بہار کا گورنر تھا۔ ایک جگہ سنہ درج ہے جو ۶۹۰ بھی پڑھا جاسکتا ہے اور ۹۶۰ بھی۔ درگاہ کے صحن میں پتھر کا ایک ٹکڑا ہے جس پر عبارت ہے کہ جو مسجد بناتا ہے اس کے لئے خدا جنت میں ایک محل بناتا ہے۔ ایک دوسری سطر میں شاہ محمد کا نام ہے جو غالباً بنگال کا گورنر ''جلال الدین محمد'' ہے۔ اگر ایسا ہے تو مسجد اور روضہ بی بی کمال کی عمارت اسی بادشاہ کے عہد میں بنی جس کا زمانۂ تعمیر حضرت مخدوم شرف الدین یحییٰ منیری کے روضہ کی عمارت کے ہم زمانہ ہے۔
کہا جاتا ہے کہ بی بی کمال قدس سرہا راجہ کنگ ایک بدھ راجہ کے عہد حکومت میں یہاں آئیں۔ اس راجہ کی بیوی کا نام ہنس تھا۔ راجہ نے چوہے پکا کر بی بی کمال کے پاس بھیجے بی بی کمال کے تصرف سے وہ چوہے زندہ ہوگئے اور بی بی کمال کی بددعا سے کاکو بستی تہہ وبالا ہوگئی (یعنی برباد ہوگئی) اور راجہ تہہ خاک ہوگیا (خاک میں مل گیا)۔

ایک دوسرا واقعہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت بی بی کمال کے شوہر کی خواہش ہوئی کہ کاکو چھوڑ کر وہ اپنے آبائی مقام کو چلے جائیں۔ وہ کاکو سے روانہ ہوئے تو راستہ میں نیند آگئی۔ صبح ہوئی تو دیکھا کہ کاکو ہی میں ہیں۔ کئی بار ایسا اتفاق ہوا۔ یہ حضرت بی بی کمال کی کرامت ہی کہی جاتی ہے۔ آپ کے شوہر کا نام حضرت مخدوم سلیمان لنگر زمین تھا۔ اس قصبہ کے چار تقسیم شدہ حصے ہیں۔ (۱) کمال پور کاکو (۲) حسین پور کاکو (۳) فریدن پور کاکو (۴) جلال پور کاکو۔ پہلا یقیناً بی بی کمال کے نام پر ہے۔ دوسرا احمد حسین گورنر بنگال کے نام پر ہے۔ تیسرا شاید فرید الدین شیر شاہ کے نام پر ہے۔ چوتھا جلال الدین اسلام شاہ پسر شیر شاہ کے نام پر ہے جو ۹۰۶ھ تک حکمراں رہا۔
[نوٹ: **کننگھم** کی رپورٹ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ سارے بیانات محض سنی سنائی باتوں پر مبنی ہیں۔ لگتا ہے کہ جو آثار ان کو ملے ان پر انہوں نے قیاس آرائیاں کیں ہیں۔ یہ رپورٹ حضرت بی بی کمال کے زمانے سے تقریباً پانچ سو سال بعد کی ہے۔ اس عرصہ دراز کی نہ کوئی تاریخ ملتی ہے نہ کوئی تحریری ثبوت۔ عام لوگوں کی زبان پر بی بی کمال رہا ہوگا، یہی سن کر رپورٹ میں لکھا گیا ہے۔ بودھ مذہب حضرت بی بی کمال کے عہد سے نہ جانے کتنے سو سال پہلے معدوم ہو چکا تھا۔ کنگ راجہ کی حکمرانی کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔ کتبہ میں جو سنہ درج ہے اس سے بھی رپورٹ میں غلط فہمی ہوئی ہے چاروں موضع کا نام جن لوگوں کے نام سے وابستہ کئے گئے ہیں وہ بھی ناقابل قبول ہیں۔] مرتب ہذا



اقتباس رپورٹ، جائزہ آثار قدیمہ

صوبہ بنگال ۱۸۷۲ء - ۱۸۷۳ء

جے ڈی بگلر از جلد ۸ صفحہ ۶۴ / ۶۵

حسین پور کاکو

حسین پور کاکو نسبتاً ایک متصل بستی ہے جس کی جھیل میں جمنا ندی کی ایک شاخ آکر مل گئی ہے۔ آس پاس کی زمین برسات میں سیلاب زدہ ہو جاتی ہے۔ نومبر کے مہینے میں مجھے اس بستی میں داخلہ کے لئے ایک آبی راستہ سے گزرنا پڑا۔ یہاں چند آثار قدیمہ ہیں۔ ایک تو درگاہ ہے۔ دوسرے چند مورتیاں ملی ہیں۔ درگاہ قدیم اینٹوں کی بنی ہوئی انحطاطی دور میں ہے۔ یہ جھیل یا تالاب سے مرتفع حصہ پر واقع ہے۔ صحن میں پتھروں کے ٹکڑے پائے جاتے ہیں جو اکثر سادہ اور بعض منقش ہیں، جو ظاہری طور پر ہندو عمارت کے ہیں۔ اندرون حلقہ مزار ہے۔ یہاں مجھے اندر جانے کی اجازت نہیں دی گئی۔ باہر کے دروازے پر ایک کتبہ ہے جو پانچ خانوں میں منقسم ہے۔ اس پر عربی یا فارسی میں عبارت لکھی ہے۔ یہ عبارت اب مدھم ہو گئی ہے۔ دروازہ سے متصل جو دیوار ہے اس میں ایک منارہ ہے جو بیگم پور پٹنہ کی مسجد جیسے منارہ کا ہم شکل ہے۔ عمارت باوجود مرمت کے خستہ حال ہے۔ اندر حلقہ میں ایک پتھر کا سیاہ ٹکڑا ہے جس پر چار حصوں کی تین سطروں میں عبارت کندہ ہے۔ یہ پتھر گرد و غبار اور تیل سے میلا ہو گیا ہے اگر چہ مجھے اس کو کھرچ کر پڑھنے کی اجازت ملی مگر یہ خوف لگا رہا کہ کہیں صاحب مزار کی خفگی کا باعث نہ ہو۔

درگاہ میں ایک مقام خدا رسیدہ کا مزار ہے جن کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ وہ دہلی سے آئے اور یہاں ایک عرصہ تک قیام کیا۔ وہ اپنے وطن واپس جانا چاہتے تھے مگر

اپنی اہلیہ کو ساتھ لے جانا نہیں چاہتے تھے۔ وہ تنہا روانہ ہوئے۔ رات ہو گئی تو سو گئے جاگے تو خود کو کاکو ہی میں پایا۔ اس طرح کئی بار ایسا ہوا۔ اس کے بعد انہوں نے ارادہ جانے کا ترک کر دیا اور یہیں مستقل طور پر اپنی اہلیہ کے ساتھ رہنے پر آمادہ ہو گئے۔ یہ ان کی اہلیہ کی کرامت تھی۔ وہ ایسی ولیہ کاملہ سمجھی جاتی تھیں کہ ان کے وضو کا پانی جو پیتا تھا اس کا ہر قسم کا مرض دور ہو جاتا۔

ایک درخت کے پاس بہت سے ٹوٹے پھوٹے مجسمے اور مورتیوں پر نظر پڑی جو بہت زیادہ قدیم تھے معلوم ہوا کہ یہ بہت پرانے ہیں۔ لکشمی چند لنگم نوا گرہا ہاڑا گوڑی وغیرہ کے ہیں۔ حسین پور کاکو ایک بلند ٹیلے پر واقع ہے۔ [نوٹ: مذکورہ بالا رپورٹ مسٹر اے لنگھم کی ۱۱۰ سال قبل کی رپورٹ ہے] یہ بھی محض سنی سنائی باتوں اور روایتوں پر مشتمل ہے۔ جھیل میں جو ندی کی ایک شاخ آکر ملی ہے اس کا نام جمنا بتایا گیا ہے اس سے یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے کہ یہ دہلی میں بہنے والی جمنا ہے۔ یہ جمنا محض چھوٹی سی ہے جو کاکو سے دو میل دور واقع ہے۔ کاکو میں جو درگاہ ہے اس کے متعلق کچھ باتیں بیان ہوئی ہیں مگر معائنہ کرنے والے کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ مزار کس کا ہے۔ یہ بیان کہ صاحب مزار دہلی سے آئے تھے غلط ہے۔ اور یہ بھی بیان کہ وہ اپنی اہلیہ سے الگ ہو کر اپنے وطن دہلی جا رہے تھے، جو مسٹر بگلر نے دیا ہے، کسی تحریر سے ثابت نہیں ہوتا ہے اور نہ ہی کسی دستاویز سے۔ معلوم نہیں یہ روایت کب اور کس نے ایجاد کی۔ مسٹر بگلر نے محض سرسری جائزہ لیا ہے اس کے برخلاف جب مسٹر کنگھم نے بستی کا جائزہ لیا ہے تو قدرے تفصیل سے اپنے بیانات قلم بند کئے۔ اس نے کتبہ پڑھنے کی بھی کوشش کی اور سیاہ پتھر پر جو عبارت کندہ تھی اس کا بھی ذکر کیا۔ یہی نہیں بلکہ ان کی تحریروں کو اس نے رپورٹ میں شامل کیا ہے جو مطبوعہ رپورٹ میں شامل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کاکو کے متعلق اپنی باتیں بھی جو نسبتاً بہت قدیم نہیں پھر بھی کارآمد اور غنیمت ہیں۔



کاکو کا جائزہ

مظہر علی دکنی کی نظر میں: ۱۹۱۸ء

جناب مظہر علیؔ حیدر آباد دکن سے سیّاح بن کر ہندوستان کے طول وعرض میں سفر کرتے ہوئے ۱۵/ اکتوبر ۱۹۱۸ کو کاکو تشریف لائے ۔مظہر علی اردو دوست، شاعر محقق اور ادیب تھے ۔وہ ۱۴ سال تک ہندوستان گھومتے رہے ۔اپنے سفر کے حالات اور مختلف مقامات کے آثار علمی و ثقافتی جائزہ قلم بند کرتے رہے ۔ان کے سفر نامے کا نام ''سفر نامہ مظہری'' تھا۔ ۱۵/ اکتوبر ۱۹۱۸ کو آپ کاکو تشریف لائے اور شیخ عبدالرحمٰن صاحب عرف گھسّو بابو کے یہاں ان کا قیام رہا۔

مظہر علی اپنے سفر نامے میں لکھتے ہیں کہ موضع کاکو مسلمانوں کی قدیم بستی ہے ۔قریب ڈھائی سو گھر شرفا کے ہیں ۔ چند لوگ یہاں کے زمیندار ہیں ۔لکھا ہے کہ عہد حکومت اسلامی میں اس خاندان کے مورث اعلیٰ یہاں تشریف لائے ۔ان کا نام شہاب الدین عرف پیر جگ جوت ہے ۔حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے مرید و خلیفہ تھے ۔اس سرزمین میں آ کر اشاعت اسلام اور روحانیت کی ضوافشانی فرمائی اور یہیں قیام کیا۔ جٹھلی میں آپ کا مزار ہے ۔کاکو میں عمارتیں کچھ خاص خوبی کی نہیں ہیں ۔مولوی یوسف حُسین شمسی اور مولوی عزیز شمسی کا بنگلہ لب دریا ہے ۔ایسا اور کوئی مکان نہیں ہے ۔عید گاہ اور مزار کے دروازہ کا پھاٹک یہ عمارتیں نہیں کہی جا سکتی ہیں ۔ [نوٹ: پیر جگجوت خود کاکو نہیں آئے ، نہ ہی ان کا مزار کاکو میں ہے ۔ان کا مزار پٹنہ میں بہ مقام جیٹھلی لب گنگا ہے ۔اور وہیں مزار ہے ۔آپ کی صاحب زادی البتہ کاکو تشریف لائی تھیں، جن کا نام بی بی ہدیہ عرف بی بی کمال ہے جو یہیں رہیں ۔ یہ مخدوم شیخ شرف الدین بہاری کی خالہ ہیں ۔بی بی کمال کا خاندان یہاں سب سے زیادہ ممتاز ہے ۔اور

اس گھرانے کے علاوہ ایک بزرگ کی نسل بھی یہاں رہتی ہے ۔ وہ سب کچھ نہ کچھ زمینداری رکھتے ہیں ۔

مشہور ترین بزرگ کا ذکر کرتا ہوں ۔مخدوم سید شاہ شمس الدین دوانقی جو بغداد سے تشریف لائے تھے ۔بستی کے مشرقی گوشے میں اونچے چبوترے پر لب دریا آپ کا مزار ہے جسے عرف عام میں شمس روضہ یعنی (سمن روجہ) کہلاتا ہے ۔اس کنیت سے اس خاندان کے لوگ اپنے نام کے ساتھ شمسی کا اضافہ کرتے ہیں ۔آپ کی اولاد میں مولوی یوسف حسین شمسی اور مولوی عزیز شمسی ہیں ۔خاندان میں کچھ نئی تعلیم کا چرچا ہے اور کاکو میں اچھی معاش ہونے کی وجہ سے رئیس کاکو کہلاتے تھے ۔مولوی عزیز کے ایک صاحب زادے ودود شمسی ایم ۔اے، ایل ۔ ایل ۔ بی ہیں اور گیا میں وکیل ہیں اور ایک صاحب زادے احمد داؤد شمسی دہلی میں امپیریل سروس میں ہیں ۔اور صاحب اولاد ہیں ۔(بحوالہ آثار کاکو، ص:۲۷۲)

کچھ عرصہ سے یہاں مڈل اسکول کھلا ہے ۔ یہاں حکومت کی طرف سے یونین بورڈ بنا ہے ۔ یونین بورڈ کے پہلے صدر مولوی یوسف حُسین شمسی منتخب ہوئے ۔ پچاس سال گزرے جب یہاں ایک نامی طبیب (حکیم) احسان علی صاحب ہوا کرتے تھے ۔آج کل مولانا حکیم سید شاہ سخاوت حسین صاحب عربی کے فاضل اور طبیب ہیں ۔اخلاق حسین بھی مطب کرتے ہیں ۔شیخ عبدالرحمٰن صاحب آنریری مجسٹریٹ ہیں ۔ان کے ایک بیٹے مسٹر داؤد لندن سے بار ایٹ لا کر کے لوٹے کہ اچانک ان کا انتقال ہو گیا، اس لئے غمگین رہتے ہیں ۔آپ کا اصل خاندان جہان آباد کے شرفا میں سے ہے ۔کاکو میں نانیہالی ترکہ پایا اور قیام فرمایا۔ ابھی ابھی نئی کوٹھی اپنے بیٹے مسٹر داؤد بیرسٹر کے لئے بنوا کر تیار کی ہے ۔کاکو میں آپ ہی کے یہاں میرا قیام رہا۔ ضیافت، عنایت اور شفقت فرماتے رہے ۔

[منقول از سفر نامہ مظہری، صفحہ: ۱۴۰ تا ۱۴۴]

(بحوالہ آثار کاکو، صفحہ: ۲۷۱ تا ۲۷۴)



مخدومہ حضرت بی بی کمالؒ

آپ کو ہندوستان کی پہلی خاتون صوفی بزرگ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ حضرت مخدومہ بی بی کمالؒ ہند کی رابعہ بصری سے بھی عوام الناس میں مشہور ہیں۔ آپ کا آستانہ جہان آباد ریلوے اسٹیشن سے مشرقی جانب بہار شریف جانے والی سڑک نیشنل ہائی وے 33 پر کاکو میں واقع ہے۔ جہان آباد اسٹیشن سے اس کا فاصلہ تقریباً 8 کلومیٹر ہے۔ ان کا یہ آستانہ ہندو۔مسلم اتحاد کی مثال کے طور پر جانا جاتا ہے۔ مسلمانوں کی طرح ہندو بھی ان کے آستانے پر بڑی تعداد میں حاضری دینے آتے ہیں اور ان سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ ہندوستان میں گنگا جمنی تہذیب اور صوفی دھارے کو آگے بڑھانے میں حضرت مخدوم بی بی کمالؒ کی شراکت کو بہت اہم سمجھا جاتا ہے۔ عقیدہ ہے کہ حضرت مخدومہ بی بی کمال قدس سرہا کے آستانے پر مانگی گئی ہر مراد پوری ہو جاتی ہے۔

1174 میں حضرت مخدومہ بی بی کمال اپنی بیٹی حضرت بی بی دولت کے ہمراہ کاکو تشریف لائیں تھیں اور اس قصبہ کو اپنا مسکن بنایا۔ آپ کاشغر شہر کے رہنے والے صوفی بزرگ سید قاضی شہاب الدین پیر جگجوتؒ کی بیٹی اور حضرت مخدوم سلیمان لنگر زمینؒ کی اہلیہ تھیں۔ آپ کے والد حضرت مخدوم قاضی شہاب الدین جو پیر جگجوت کے نام سے بھی مشہور ہیں، نہ صرف صوبہ بہار بلکہ پورے برِّصغیر کے ایک اہم صوفی ہیں۔ آپ صوفیاء کے سہروردی سلسلے سے ہیں، اس کی ایک شاخ فردوسیہ بھی ہے، جس سے ممتاز صوفی حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد (بہار شریف) وابستہ ہیں۔ سلطان محمد تاج، کاشغر کے شہنشاہ، قاضی شہاب الدین پیر جگجوت کے والد تھے۔ آپ کو صرف 4 بیٹیاں تھیں لیکن بعض مورخین نے ''پیر جگجوت کے بیٹے'' کا بھی ذکر کیا ہے۔

حضرت بی بی کمال آپ کی تیسری صاحبزادی تھیں۔

آپ کا اصل نام مخدومہ بی بی ہدیہ عرف بی بی کمال ہے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کے والد حضرت شہاب الدین پیر جگجوتؒ آپ کو بچپن میں پیار سے بی بی کمالو کے نام سے پکارتے تھے۔ بعد میں آپ اسی نام سے مشہور ہوئیں۔ کہا جاتا ہے کہ بی بی کمالؒ 1211ء کاشغر شہر میں پیدا ہوئی تھیں جو اب چین کے جنوب مغربی زنجیانگ میں واقع ہے، یہ تارم طاس کے علاقے میں ہے۔

کہا جاتا ہے کہ آپ کا زیادہ تر وقت اللہ کی یاد میں دنیا سے دور رہ کر گزرا اور جب کوئی زمینی یا آسمانی آفت آنے والی ہوتی تو آپ کو اس بات کا احساس پہلے ہی ہو جاتا تھا اور آپ اللہ سے بے چین ہو کر دعائیں مانگتی جب تک حالات بہتر نہیں ہو جاتے تھے۔

حضرت سیدہ بی بی کمال کی شادی حضرت مخدوم سلیمان لنگر زمیں سے ہوئی تھی جیسا کہ میں نے اوپر ذکر بھی کیا ہے۔ آپ کی 2 اولادیں تھیں، ایک مخدوم شاہ عطاء اللہ (لڑکا) اور دوسری بی بی دولت (لڑکی) تھیں۔ حضرت بی بی کمالؒ ایک عظیم صوفی بزرگ اور ولیہ تھیں۔ ان کا مقبرہ آج بھی عام لوگوں کے لئے زیارت گاہ ہے اور لوگ یہاں آ کر کئی طرح کی بیماریوں سے نجات پاتے ہیں۔ یہاں تک کہ فیروز شاہ تغلق جیسے شہنشاہ بھی بی بی کمال کا بڑا احترام کیا کرتے تھے۔ ان کے مزار پر شیر شاہ سوری اور جہاں آرا جیسے مغل حکمرانوں نے بھی چادر پوشی کی اور دعائیں مانگی تھیں۔

عظیم صوفی بزرگ بی بی کمال کے آستانہ پر لوگ اپنی صحت اور تندرستی کے لئے دعائیں مانگتے ہیں۔ زنان خانہ سے درگاہ شریف کے اندر جاتے ہوئے وہاں پر ایک کالے رنگ کا پتھر ہے جسے کڑاہ کہا جاتا ہے۔ اس جگہ پر آسیب زدہ اور دماغ سے معذور لوگوں کو جنونی کیفیت طاری ہوتی ہے۔ اس پتھر پر دو زبانیں کندہ ہیں، ایک عربی میں جو حدیث شریف کا ایک ٹکڑا ہے اور دوسرا فارسی میں شعر لکھا ہے۔ اس پر محمود

بن محمد شاہ کا نام تحریر ہے جو فیروز شاہ تغلق کا پوتا تھا۔ درگاہ کے اندرونی دروازے سے متصل سفید اور کالے پتھر کو نین کٹوری کہا جاتا ہے۔ یہاں یہ بات عام ہے کہ اس پتھر کو انگلی سے رگڑ کر آنکھ پر لگانے سے آنکھوں کی روشنی بڑھ جاتی ہے۔ درگاہ کے باہری حصے میں صحت کنواں کے نام سے مشہور ایک کنواں ہے جس کا پانی فیروز شاہ تغلق نے جذام سے چھٹکارا پانے کے لئے استعمال کیا تھا۔ اور اس پانی کے استعمال سے اُسے مکمل شفا حاصل ہوئی تھی۔ درگاہ سے کچھ فاصلے پر بقانگر میں بی بی کمال کے شوہر حضرت سلیمان لنگر زمیں کا مقبرہ ہے۔ آئینہ اکبری میں اس عظیم صوفی ولیہ مخدومہ بی بی کمال کے بارے میں کثرت سے ذکر آیا ہے جنھوں نے نہ صرف ہندوستان بلکہ پوری دنیا میں صوفیہ کے منصب کو روشن کیا۔

مرحومہ کی سیرت تقویٰ وطہارت، عبادت وریاضت اور کثرت تلاوت قرآن سے عبارت ہے۔ مرحومہ اپنے وقت کی ولیہ کاملہ تھیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے ان نیک بندوں میں بلا کی جاذبیت اور غضب کی دل کشی اور مقناطیسی کشش پیدا کر دیتا ہے۔ روحانی زندگی کے کمال کی جیتی جاگتی مثالیں اولیا کرام ہی کے نفوس قدسیہ میں ملتی ہیں۔ شخصیت کے نشو ونما میں جتنا عمل دخل ان برگزیدہ ہستیوں کے اثر ونفوذ کو ہے اور کسی چیز کو نہیں۔ اولیا کرام کے حالات کا مطالعہ ہی عمدہ اور پسندیدہ سیرت پیدا کرنے میں تیر بہ ہدف نسخہ کیمیا ہے۔ اولیا کرام بلاشبہ نہ صرف صاحب کرامت ہوتے ہیں بلکہ صاحب علم وعمل بھی۔ خوف خدا، اللہ کی رضا، اندیشہ آخرت، تقویٰ اور طہارت کی سعادت ان کو حاصل ہوتی ہے۔ آپ کی ایک کرامت کاکو کے سلسلے میں بہت مشہور ہے جس کی تفصیل میں اپنی اس کتاب میں الگ سے پیش کرونگا۔ 1296ء میں آپ نے اس دنیا کو چھوڑ دیا اور ابدی دنیا کے سفر پر روانہ ہوگئیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے ان نیک بندوں میں بلا کی جاذبیت اور غضب کی دل کشی اور مقناطیسی کشش پیدا کر دیتا ہے۔ یہی وہ پاک نفوس ہیں جنھیں اللہ کی راہ میں فنا ہو کر بقا

ملتی ہے۔ تحمل اور توکل وقناعت ان کی دولت ہوتی ہے۔ نامساعد حالات میں رہ کر بھی تسلیم ورضا اور سجدہ شکر بجالانا ان کا شیوہ ہوتا ہے۔ آزمائشوں اور امتحان خداوندی میں استقامت اور ثابت قدمی ان ہی کو عطا ہوتی ہے۔ یہ ہر کس وناکس کے مقدر میں کہاں۔

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں



عرس حضرت بی بی کمالؒ

آپ کی ولادت اوروفات کی صحیح تاریخ حاصل نہ ہوسکی ہے۔آپ کے والد ماجد حضرت پیرجنگجوت کی پیدائش اوروفات کی روشنی میں کہا جاتا ہے کہ آپ کی پیدائش 1211ء، کاشغر میں ہوئی تھی اور 1296ءمیں آپ نے اس دنیا کو چھوڑ دیا تھا۔کسی ولیہ کاملہ کے دست مبارک پر بیعت کا سلسلہ کبھی نہیں سنا گیا اور نہ کوئی امکان ہے۔آپ کے انتقال کے بعد آپ کے متوسلین، معتقدمین، مجاور درگاہ نے عرس کا سلسلہ شروع کیا۔لہٰذا حضرت مخدومہ بی بی کمالؒ کا سالانہ عرس ہر سال ستمبر مہینے میں منعقد ہوتا ہے جس میں شرکت کے لئے، بہار کے علاوہ، بنگال، اتر پردیش، جھارکھنڈ، مہاراشٹرا اور نیپال سے لوگ پہنچتے ہیں اور منتوں کے چراغ جلا کر فیض یاب ہوتے ہیں۔

درگاہ کمیٹی کے زیر اہتمام دوروزہ صوفی میلے کے پہلے روز چادر پوشی کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ پہلے دن کا سالانہ جلسہ کمیٹی کے سربراہ سید شاہ محمد صدرالدین اور سید صغیرالدین کی سربراہی میں منعقد ہوتا ہے۔انہوں نے بتایا کہ گڑ کی کھیر بنائی جاتی ہے پھر فاتحہ کے بعد مٹی کی ڈھکنی میں رکھ کر عقیدت مندوں کے درمیان تقسیم کی جاتی ہے۔

درگاہ کے سربراہ کے مطابق یہ سلسلہ 500 سالوں سے مسلسل جاری ہے۔ چونکہ یہ درگاہ 500 صدی قدیم ہے۔ یہ ایسی روحانی جگہ ہے جہاں ہر ایک کو سکون ملتا ہے۔درگاہ کے منتظمین کا یہ بھی ماننا ہے کہ درگاہ اخوت اور تصوف کے فروغ کے لئے قائم کی گئی تھی، جو آج بھی دیکھنے میں نظر آرہی ہے۔ یہاں کی زمین صوفی سنتوں کی

عظیم روایت سے بھری پُری ہے۔نئی نسل کو صوفی افکار کے نظریات سے آگاہ کرنے کے لئے حکومت ہر سال اس طرح کے تہواروں کا اہتمام کرتی ہے۔

پہلی بار سال 2011 میں کاکو میں محکمہ سیاحت کی طرف سے بی بی کمال کے سالانہ عرس کے موقع پر صوفی فیسٹیول کا انعقاد عمل میں آیا تھا اور یہ سلسلہ ہر سال جاری وساری ہے۔حضرت بی بی کمالؒ نے پوری دنیا کو محبت، امن، انسانیت اور بھائی چارے کا پیغام دیا۔لوگوں میں تصوف اور اس کی روحانیت کو پھیلانے کی کوشش کی۔ اسی وجہ سے، ملک و بیرون ملک کے کونے کونے سے لوگ حضرت مخدومہ بی بی کمال کے دربار میں ہر سال پابندی سے حاضری دیتے ہیں۔ان کی عدالت عالمی ہم آہنگی اور قومی اتحاد کی علامت ہے۔



حضرت بی بی کمالؒ کی کرامت

حضرت بی بی کمال قدس سرہا کا ڈولہ اپنے کارواں کے ساتھ منیر شریف سے بہار شریف کی طرف رواں دواں تھا۔ آپ کا ڈولہ چار کہار کے ساتھ ایک استاد شاہ محمد فرید، جو گھوڑے پر سوار تھے، ایک خادمہ داعی بیگو، اور ایک خادم فہیم پر مشتمل تھا۔ جب ظہر کی نماز کا وقت ہوا تو حضرت بی بی کمال نے کاکو میں ہی نماز ادا کرنا مناسب سمجھا تاکہ نماز ظہر ادا کر کے آگے کا سفر طے کیا جائے۔ انہوں نے اپنے استاد شاہ محمد فرید جو ان کے ساتھ سفر پر تھے انہیں جھیل کے کنارے ہی رکنے اور اذان دینے کو کہا تاکہ اسی جھیل کے پانی سے وضو کیا جاسکے۔ اور پھر اسی پانی سے ہی وضو کر کے ظہر کی نماز ادا کی گئی۔ یہ وہی جھیل ہے جسے کاکو کے راجا کوکا نے اپنی دونوں بیٹی پری اور ہنس کے نام پر پری ہنس رکھا جو بعد میں ''پنہاس'' کہا جانے لگا۔

جب کاکو کے راجا کوکا کو یہ خبر ملی کہ یہاں پر ایک مسلم بزرگ خیمہ زن ہیں اور وہ تنتر منتر ودیا کی بڑی جانکار ہیں یہ سن کر وہ ذہنی ہیجان میں مبتلا ہو گیا کہ کہیں یہ گیان ہمارے لئے وبال جان نہ بن جائے اور یہ ہماری عوام کو مجھ سے برگشتہ نہ کر دے۔ کیوں نہ ہم وہ موقع آنے سے پہلے ہی انہیں امتحان میں ڈال دیں، اور اس نے فوراً ہی دعوت کی پیش کش کر دی۔

بی بی کمال کو جب راجا کا یہ پیغام ملا تو انہوں نے یہ کہتے ہوئے کچھ دنوں کے لیے دعوت کو ٹال دیا کے بہار شریف سے واپسی پر وہ اس دعوت کو قبول کریں گی۔ کچھ ہی عرصے کے بعد بی بی کمال منیر شریف جانے کے راستے کاکو پہنچی اور جب ان کے دوبارہ کاکو آمد کی خبر راجا کو ملی تو اس نے اس بار دعوت دی اور اُنہوں نے قبول کیا۔

راجا نے انہیں کھانے میں چوہا، بلی اور گدھے کا گوشت الگ الگ پیالے میں بھر کر ان کے سامنے پیش کروایا۔

اسلام میں ان تمام درندہ جانوروں کا گوشت کھانا حرام قرار دیا گیا ہے۔ مخدومہ کے خادموں کا دسترخوان باہر لگایا گیا اور حضرت بی بی کمالؒ کا دسترخوان اُن کے ڈولہ کے اندر لگایا گیا۔ مخدومہ نے مراقبے کی حالت سے اٹھ کر جب کھانے کی طرف دیکھا تو ان میں جلالی کیفیت پیدا ہو گئی۔ اور اسی حالت میں اُنہوں نے اللہ سے آواز لگائی کہ اے اللہ میں گنہگار تھی، باعث سزاوار تھی مگر تیری ان مخلوقوں نے کیا قصور کیا تھا کہ ان کی بوٹی بوٹی کی گئی۔ بس اتنا کہنا تھا کہ اللہ نے اپنی قدرت دکھائی اور چوہا، بلی، گدھا یہ سبھی جانور ایک ایک کر کے پیالہ سے باہر نکلے اور اچھل کود کر وہیں پر گر پڑے جس سے سالن کی کچھ چھینٹیں مخدومہ کے کپڑے پر پڑی۔ انہوں نے اسی جھیل سے پانی منگوا کر سالن کے داغ کو دھویا اور پھر اسی پانی سے دوبارہ وضو فرمایا اور بچے ہوئے پانی کو اسی برتن کے ساتھ اُلٹ دیا۔

کہا جاتا ہے کہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دیکھتے ہی دیکھتے پوری بستی میں افراتفری مچ گئی، ہر طرف آگ کی لپیٹیں دِکھائی دینے لگیں اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ بستی پورے طور پر اُلٹ گئی۔ اور اس بستی کے الٹنے سے اس کا نام بھی کوکا سے اُلٹ کر کاکو ہو گیا۔ واضح رہے کہ آج بھی جب اس بستی کی کھدائی ہوتی ہے تو کئی مکانات اور ساز و سامان زمین دوز نظر آتے ہیں اور یہ مقولہ آج بھی مشہور ہے کہ ’سارا کاکو جل گیا اور بی بی کمال سوئی رہیں‘۔

معلوم رہے کہ استاد شاہ محمد فرید، خادمہ داعی بیگو، اور خادم فہیم، ان تمام لوگوں کی مزارات بھی آپ کے روضہ کے قریب ہی پختہ بنے ہوئے ہیں۔



حضرت مخدوم لنگر زمینؒ منیری قدس سرہٗ

حضرت شیخ سلیمان لنگر زمینؒ، حضرت مخدوم شیخ عبدالعزیز منیری کے فرزند اور حضرت امام فقیہ قدس سرہٗ فاتح منیر کے پوتے ہیں۔ حضرت محمد تاج فقیہ کے تین بیٹے تھے۔ مخدوم اسرائیل، مخدوم اسماعیل، مخدوم عبدالعزیز۔ مخدوم عبدالعزیز کے دو فرزند مخدوم جلال منیری دوسرے حضرت مخدوم سلیمان لنگر زمین حضرت جلال منیری کے صاحب زادے حضرت مخدوم شعیب (شیخ پوری مونگیر) حضرت سلیمان لنگر زمین مخدوم جہاں شرف الدین یحیٰ منیری کے چچا تھے۔ چونکہ حضرت سلیمان لنگر زمین حضرت بی بی ہدیہ عرف بی بی کمال قدس سرہا کے شوہر تھے۔ اس رشتہ سے مخدوم جہاں کے حقیقی خالو ہوئے اور بی بی کمال اپنی خالہ ہوئیں۔

حضرت سلیمان لنگر زمین کا مزار کاکو بستی سے پورب جانب بقا نگر کے علاقے میں ہے۔ یہ تعجب کی بات ہے کہ بی بی کمال اور حضرت سلیمان لنگر زمین دونوں زن اور شوہر کا مزار ایک دوسرے سے تقریباً ۳ کیلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ حضرت سلمان لنگر زمین حضرت بی بی کمال کے شوہر تھے اور حضرت سید شاہ شہاب الدین پیر جگجوت کچی درگاہ جیٹھلی پٹنہ کے داماد تھے۔ آپ کی پیدائش اور وفات کا سال کہیں نہیں ملتا ہے۔ چچازاد بھائی حضرت یحیٰ منیری کی وفات کا سال ۶۶۲ ہجری ہے۔ آپ کی اولاد کثرت سے کاکو، کجاواں، داناپور، منیر شریف، باڑھ، پٹنہ، نوادہ، بہار شریف، شیخ پورا (مونگیر) اور امتھوا (جہاں آباد) وغیرہ میں پھیلی ہوئی ہے۔ آپ کا لقب لنگر زمین کیوں مشہور ہوا۔ اس کی قدیم روایت بستی میں یوں مشہور ہے کہ جس زمین پر آج آپ آسودہ ہیں، پہلے یہ حالت تھی کہ جب کوئی میت وہاں دفن کی جاتی تو زمین اس کو قبول نہ کرتی۔ نعش قبر سے باہر آجاتی۔ جب سے آپ وہاں لنگر انداز ہوئے زمین کی یہ کیفیت جاتی رہی۔ اس نسبت سے آپ کا خطاب لنگر زمین ہو گیا۔



کاکو درگاہ کی جاگیر

جس زمانے میں درگاہ کی تعمیر ہوئی تھی اس کے ساتھ ہی شاہی جاگیر بھی عنایت ہوئی تھی۔ دور بدلنے کے ساتھ حالات بھی بدل گئے۔ اب نہ اس جاگیر کا پتہ ہے اور نہ اس کا نشان باقی ہے۔ درگاہ کے اخراجات کے لئے کوئی مستقل آمدنی نہیں ہے۔ اور نہ کوئی ایسا ذریعہ ہے جس سے درگاہ کی آمدنی نکالی جاسکے۔ ساٹھ سال قبل میلے کی کچھ رقم درگاہ کو ملتی تھی جس سے درگاہ کی مرمت کا کچھ کام چلتا تھا۔ اب تو وہ آمدنی بھی بند ہوگئی۔ بہت پہلے اکثر کچھ حضرات اپنی جیب خاص سے درگاہ کی مرمت کے لئے کچھ رقم دیا کرتے تھے۔ زائرین اور حاجت مندوں کی کثرت ضرور ہے مگر آمدنی کا کوئی ایسا معقول انتظام نہیں ہے جس سے زائرین اور حاجت مندوں کو سہولت دی جائے۔



حضرت مخدوم سید شاہ قاضی شہاب الدین پیر جگجوتؒ

آپ کی ولادت باسعادت ۵۷۰ھ میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ بعد میں آپ حضرت نجم الدین کبریٰ کے حلقہ درس میں شامل ہوئے۔ آپ کے خاندان میں کئی پشتوں سے سلسلہ سلطنت چلا آرہا ہے۔ والد ماجد سلطان محمد تاج کے انتقال کے بعد سلطنت کی ذمہ داری سنبھالی۔ اور جذبۂ عشق الٰہی نے ایسا رنگ دکھایا کہ سلطنت کو ترک کرکے اپنی بیوی اور چار بچوں کو لے کر وطن سے باہر نکلے اور لاہور سے ہوتے ہوئے بہار شریف اپنے سمدھی حضرت آدم صوفی کے کہنے پر پٹنہ کے قریب جیٹھلی میں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ پیر جگجوت کا مزار پرانوار جیٹھلی پٹنہ میں لب گنگا واقع ہے

اور کچی درگاہ کے نام سے مشہور ہے۔

حضرت پیر جگجوت کی چار صاحبزادیاں تھیں (۱) بڑی بیٹی بی بی رضیہ جن کی شادی حضرت مخدوم یحییٰ منیری سے ۶۹۰ھ میں ہوئی۔ آپ کے چار صاحبزادے ہوئے۔ (۱) مخدوم جلیل الدین (۲) مخدوم شرف الدین (۳) مخدوم خلیل الدین (۴) مخدوم حبیب الدین۔ دوسری بیٹی حبیبہ جن کی شادی حضرت مخدوم موسیٰ ہمدانی سے ہوئی جن کے بطن سے حضرت مخدوم احمد چرم پوشؒ پیدا ہوئے۔ یہ فارسی کے صاحب دیوان شاعر تھے۔ (۳) تیسری بی بی ہدیہ عرف بی بی کمال قدس سرہا جن کی شادی مخدوم سلیمان لنگر زمین منیری سے ہوئی، اوران کے بطن سے ایک لڑکا مخدوم شاہ عطاء اللہ اور ایک لڑکی بی بی دولت (۴) چوتھی بیٹی بی بی جمال جن کی شادی مخدوم حمید الدین ابن آدم صوفی سے ہوئی جن کے بطن سے مخدوم تیم اللہ سفید باز پیدا ہوئے۔

حضرت پیر جنگجوت کے گھر میں بیک وقت چودہ قطب موجود تھے۔ آپ کا انتقال ۲۱/ذی قعدہ ۶۶۲ھ کو ہوا۔ آپ کی مزار شریف جیٹھلی میں گنگا کنارے ایک بلند چبوترے پر واقع ہے اور یہ جگہ کچی درگاہ کے نام سے موسوم ہے۔



شاہ عطاء اللہ اور بی بی دولت قدس سرھا

یہ بھی اتفاق رائے سے ثابت ہے کہ مخدومہ بی بی کمال کے ایک صاحبزادے عطاء اللہ اور دختر بی بی دولت تھیں۔ وہ بھی اپنی والدہ کے نام پر بی بی کمال کہلائیں۔ مخدوم شاہ عطاء اللہ اور بی بی کمال ثانیہ کے زیادہ حالات معلوم نہیں ہیں۔ شاہ عطاء اللہ کا مزار کجاواں میں ہے۔ حضرت بی بی دولت اپنی والدہ کے پہلو میں آرام کر رہی ہیں۔ دونوں ماں بیٹی کا مزار ایک ہی چبوترے پر ہے۔ اور اوپر سے ایک ہی تعویذ ہے جو کافی بلند اور وسیع ہے۔

حضرت مخدومہ بی بی کمال کا یہ قول مشہور ہے ''میری دولت میرے پاس''۔

حضرت بی بی دولت (بی بی کمال ثانیہ) کی شادی مخدوم حسام ہانسی منہاروی سے ہوئی تھی۔ حضرت مخدوم عطاء اللہ کے چھ لڑکے تھے، جن کے نام یہ ہیں: (۱) شفیع الدین عطا (۲) شمس الدین عطا (۳) تاج الدین عطا (۴) سراج الدین عطا (۵) صلاح الدین عطا (۶) قطب الدین عطا۔ ایک روایت یہ بھی چلی آ رہی ہے کہ حضرت بی بی کمال قدس سرہا کے شوہر سلیمان لنگر زمین نہیں تھے بلکہ حسام ہانسی منہاروی تھے۔ اور بیٹے کا نام مخدوم غریب حسین ڈھکر پوش تھا۔ یہ روایت قبول کرنے کے لائق نہیں ہے۔



حضرت سید اسد اللہ قدس سرہٗ

شمس روضہ سے متصل ایک اور مزار حضرت سید اسد اللہ قدس سرہٗ کا ہے۔ ان کا حال بھی پوری طرح معلوم نہیں ہے۔ تیواری بیگہ کے لوگ جو اس علاقہ کے باشندے ہیں ان کا کہنا ہے کہ اگر کوئی مصیبت ہم لوگوں پر آتی ہے تو آپ ہماری مدد کرتے ہیں۔ اس لئے ہم لوگ ان کے مزار پر نذر و نیاز کرتے ہیں۔ اس علاقے کے لوگوں کا کہنا ہے انھیں ہم لوگ کھڑاون پہنے رات کو اکثر چہل قدمی کرتے دیکھتے ہیں۔ ہاتھ میں تسبیح رہتی ہے۔ جمعرات کی رات کو تواری بیگھہ سے شمس روضہ، ڈینی باغ، رٹھیا، بقانگر اور مدرسہ تک چراغوں کی روشنی نظر آتی ہے اور کاکو کے بزرگان دین ادھر چہل قدمی کرتے نظر آتے ہیں۔ یہ تیواری بیگھہ کے تیواری برہمنوں کا بیان ہے۔



حضرت شاہ رکن الدین قدس سرہٗ

حضرت شاہ رکن الدین قدس سرہٗ حضرت سلیمان لنگر زمین قدس سرہٗ کے نواسوں میں تھے۔ آپ کا مزار حضرت سلیمان لنگر زمین کے پیتانے میں ہے۔ آپ کے بارے میں بستی میں ایک حکایت مشہور ہے۔ شیخ وجیہ الدین مرحوم اس بستی کے صاحب ثروت لوگوں میں تھے۔ ان کا ایک باغ بھی بستی کے پورب میں تھا، لیکن اب اس باغ کا کوئی نشان بھی باقی نہیں ہے۔ ان کا رہن سہن رئیسانہ تھا۔ ان کے کمرے میں سفید فرش بچھا رہتا تھا۔ شاہ رکن الدین قدیر قدس سرہٗ بے تکلف شاہ وجیہ صاحب کے یہاں آتے اور فرش پر بیٹھ جاتے۔ ان کی کرامت تھی کہ ان کے پیروں سے فرش گندا نہیں ہوتا تھا۔ وہ ہمیشہ ننگے پیر ہی رہتے تھے۔ ان پر جذب کی کیفیت طاری رہتی تھی۔ ایک زنِ مطرب ان کی منظور نظر تھی۔ آپ اُس کے یہاں جا کر روٹی اور مچھلی کھا رہے تھے۔ وجیہ صاحب کے ملازم نے جا کر اُن سے کہہ دیا کہ شاہ صاحب زن مطرب (ڈومنی) کے یہاں روٹی مچھلی کھا رہے ہیں۔ وجیہ صاحب نے اپنے ملازم سے کہا کہ آئندہ شاہ صاحب آئیں تو انہیں داخل مت ہونے دینا۔ ایسا ہی ہوا۔ شاہ صاحب آئے تو ملازم نے ان کو باہر نکال دیا۔ شاہ صاحب کو جلال آ گیا اور انہوں نے اپنی زبان سے یوں کہا "لوٹتے لوٹتے کان بودار بودا بھینا، ایسا پنجہ مار دے بگھوا کہ جنگل رے سر بیا"۔ یہ کہتے ہوئے شاہ صاحب واپس چلے گئے۔ دوسرے روز شیخ صاحب حسب دستور پالکی پر سوار ہو کر اپنے باغ تشریف لے جا رہے تھے کہ یکا یک ایک شیر نمودار ہوا اور اس نے ایسا پنجہ مارا کہ شیخ صاحب کا سر تن سے جدا ہو گیا اور سر لے کر شیر غائب ہو گیا۔ ان کی بے سر کی لاش پالکی پر گھر لائی گئی۔ اس کے بعد اس گھر پر ایسی تباہی آئی کہ گھر بے چراغ ہو گیا۔ آج تک غیر آباد ہے۔ اس مقام پر کوئی مکان نہیں بنتا۔ ایسے لوگ ولی کامل ہوتے ہیں۔



حضرت مخدومہ بی بی کمالؒ کی درگاہ کے متولی

تاریخ کے صفحات پلٹنے سے پتا چلتا ہے کہ بی بی کمال قدس سرہا کے جانشیں ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔ حضرت بی بی کمال ۶۰۰ ہجری میں کاکو تشریف لائیں۔ یہ بات صحیح ہے کہ وہ ایک باکمال بزرگ تھیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی سچی دوست تھیں چونکہ وہ عورت تھیں اس لئے پیری مریدی کا سلسلہ ان کے زمانے میں نہیں رہا۔ وہ غیر محرم کے ہاتھوں کو ہاتھ میں لے کر بیعت نہیں لے سکتی تھیں، چونکہ شریعت نے عورتوں کو اس کی اجازت نہیں دی ہے کہ کوئی خاتون بیعت کا سلسلہ جاری رکھے۔ کوئی عورت مردوں کی امامت بھی نہیں کر سکتی ہے اور نہ کسی مملکت کی سربراہ ہو سکتی ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ کسی نیک بندی کو نبی ضرور بناتا۔ ہم سب کی نظروں میں بہت ساری ولیہ کاملہ ہیں۔ جیسے (۱) حضرت رابعہ بصریؒ (۲) حضرت بی بی کمال قدس سرہا۔ حضرت بی بی کمال کے ایک ہی فرزند تھے عطاء اللہ۔ تاریخ سے پتا چلتا ہے کہ آپ کی شادی کجاواں میں ہوئی اور انہوں نے کجاواں میں سکونت اختیار کر لی۔ وہیں ان کا وصال بھی ہوا۔ اس سے ثابت ہے کہ کاکو درگاہ میں سجادہ نشینی نام کی چیز نہیں ہے۔

یہ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت بی بی کمال کے بعد جو بی بی صاحبہ کے خدام ہوں گے وہی مجاور کا کام انجام دیتے ہوں گے اور درگاہ کی نگہ داشت اور زائرین اور حاجت مندوں کے قیام وغیرہ کی دیکھ بھال کرتے ہوں گے۔ یہ بھی کہیں سے ثابت نہیں ہوتا کہ مخدومہ نے اپنی گدی اپنے داماد حسام ہانسی کو دی ہے۔ تاریخ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مخدومہ کے خدام کاکو کے نہیں بلکہ درگاہ کے متصل ایک چھوٹی سی بستی بی بی پور ہے وہیں کے ہیں۔ بی بی پور نام سے ظاہر ہے کہ یہ بستی انہیں کے نام پر بسی ہے۔ درگاہ سے متصل بی بی پور بستی کے باشندے محمد عباس ولد شاہ محمد حافظ ولد شاہ دیدار علی درگاہ شریف کی دیکھ بھال کیا کرتے تھے۔ کم سنی میں ہی ایک وبائی مرض

میں مبتلا ہو کر یکایک انتقال کر گئے۔ یہ واقعہ ۱۳۲۶ھ یعنی ۱۹۰۷ء کا ہے۔ اس کے بعد
بستی والوں کو فکر ہوئی کہ اب کسے درگاہ کا متولی مقرر کیا جائے۔ ۱۳۲۷ھ یعنی ۱۹۰۹ء کو
زمینداروں کی ایک میٹنگ منعقد ہوگی جس میں مولوی حکیم سعید صاحب کو درگاہ شریف کا
متولی منتخب کیا گیا اور ان کے سر پر اس خدمت کے لئے عمامہ باندھا گیا۔ ابھی موجودہ
متولی سید شاہ جلال کاکوی ہیں جو مولانا سید شاہ اسماعیل صاحب کے فرزند ہیں۔



کڑاہ

حضرت مخدومہ بی بی کمال قدس سرھا کے مزار کے پورب جو راستہ عورتوں
کے آنے کے لئے خاص ہے۔ وہاں پر ایک سیاہ رنگ کا پتھر رکھا ہوا ہے جس کی لمبائی
پانچ فٹ اور چوڑائی تین فٹ ہے یہیں پر آسیب زدہ ذہنی مرض کے مریض مرد اور عورت
بیٹھتے ہیں۔ ان پر کیفیت جنونی پیدا ہوتی ہے ایک چلّہ یا دو چلّہ کے بعد صحت یاب
ہو جاتے ہیں۔ پہلے پتھر سالم تھا عرصہ ہوا کہ ایک دیوانے نے جنون میں آ کر پتھر کو زمین
پر مار کر دو ٹکڑے کر دیا۔ یہ بھی ایک تعجب کی بات کہ اتنا وزنی پتھر کیسے اس جنونی نے توڑ
دیا۔ اس پتھر پر جو عبارت لکھی ہوئی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسی مسجد کے لئے لکھا ہوا
پتھر ہے۔ اب مسجد کا کوئی نشان نہیں ہے عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی تعمیر ۷۹۹ھ
میں محمود شاہ کے عہد میں ہوا تھا۔ محمود شاہ تغلق جو فروز شاہ تغلق کا بیٹا تھا اس کا دورِ حکومت
۷۹۵ھ سے ۸۱۷ ہجری ہے۔ اسی کے عہد میں تیمور لنگ نے دہلی پر حملہ کیا تھا۔
بیمار لوگ اس کڑاہ کا تیل مالش کرتے ہیں۔ جس کے بعد صحت یاب ہوتے ہیں۔



کاکو کے بزرگانِ دین

کاکو ایک قدیم بستی ہے۔ کاکو میں ۷۰۰ سال سے زیادہ کے عرصے سے
مسلمان آباد ہیں۔ نہ معلوم یہاں اب تک کتنے بزرگان دین اور اہل اللہ گزرے
ہوں گے، جنہوں نے دین کی تبلیغ کی اور کاکو کو اپنا مسکن بنایا۔ ان کے مزارات اب بھی
ٹوٹی پھوٹی حالت میں موجود ہیں۔ مخدوم شرف الدین بہاری فرماتے تھے کہ کاکو میں
بہت سنبھل سنبھل کر قدم رکھنا پڑتا ہے۔ مجھے تو چوے پر چل کر کاکو آنا پڑتا ہے تا کہ پیر
کہیں بزرگوں کے سینے پر نہ پڑ جائے۔ ان بزرگوں کے کاکو آنے کی کوئی تاریخ یا
وفات کا سال کسی کو معلوم نہیں ہے۔ جب شاہ غفور الرحمٰن صاحب ۱۹۲۸ء میں ''آثار کاکو''
لکھ رہے تھے تو انہیں بھی ان بزرگوں کی کوئی تاریخ نہ ملی، اور شاہ صاحب بھی ان
بزرگوں کی کوئی تاریخ حاصل نہ کر سکے، نہ ان بزرگوں کا صحیح نام معلوم ہو سکا۔ یہ
بزرگان دین انجان پیر کے نام سے مشہور ہوئے۔ میرے خیال میں جس کی کوئی
حاجت پوری ہوتی ہے وہ ان بزرگوں کے مزاروں کی مرمت اور سفیدی کرا دیتا ہے۔



انجان پیر کا مزار

پس پشت مکان زنانہ منشی عبدالحلیم مرحوم یعنی میری والدہ سلمیٰ شمسی کے
نانا جان اور ماسٹر ظفر مرحوم کے پیش دروازہ جو مزار ہے اسے انجان پیر کا مزار کہا جاتا ہے
چونکہ کسی کو ان دونوں بزرگوں کا نام نہیں معلوم ہے اسی طرح ایک اور انجان پیر کا مزار
احاطہ سے گھرا ہوا شرف الدین کمپاؤنڈر مرحوم، جن کے صاحب زادے شہاب الدین
شابو اور خورشید عرف راجو ہیں کے مکان کے پس پشت ہے۔ ان مزارات پر اب بھی
نذر و نیاز کی رسم جاری ہے۔



حضرت شاہ مبارک قدس سرہٗ

شاہ مبارک قدس سرہٗ کا مزار بستی میں گلزار محلّہ کے امام باڑے سے ملحق ہے۔ یہ بڑی چوک کے نام سے مشہور تھا۔ وہاں پر ایک تمبولی کا مکان تھا جو اب فروخت ہو چکا ہے۔ پہلے کوئی بھی ان کے نام سے واقف نہ تھا۔ بستی کے رئیس شیخ عبدالرحمٰن کے والد شیخ ارشاد حسین مرحوم کی حیات میں جناب حاجی الحرمین پیر طریقت حضرت سجاد علیہ الرحمۃ داناپوری ۱۲۹۸ھ میں کاکو تشریف لائے تو ان ہی کے یہاں قیام فرمایا۔ ان کے پرانے مکان کے سامنے ہی یہ مزار تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ مزار حضرت شاہ مبارک نامی ایک بزرگ کا ہے، جو اس بستی کے اہل خدمت میں سے ہیں۔ یہ مزار بے مرمت تھا۔ شیخ عبدالرحمٰن عرف گھسو بابو نے اپنی جیب خاص سے اسے از سر نو تعمیر کروایا اور اس پر روشنی کا بھی انتظام کیا۔ شاہ مبارک علی قدس سرہٗ سید شاہ شمس الدین کے پرپوتے تھے، جن کا مزار شمس روضہ یعنی سمن روجہ کہلاتا ہے۔ یہ شمسی خاندان کے پہلے بزرگ تھے۔



سید شاہ علی ارشد قدس سرہٗ

اور

حضرت شاہ باگ قدس سرہٗ

آپ کا مزار کاکو بستی کے اندر اظہار مظہری صاحب مرحوم کے زنانہ مکان کی پشت پر اور مولانا سمیع صاحب مرحوم کے مکان سے متصل پختہ بنا ہوا ہے۔ عام لوگ ان بزرگ کا نام نہیں جانتے ہیں نہ ہی مزار پر کتبہ ہے جس سے لوگوں کو معلوم ہو سکے کہ آپ کا نام کیا ہے اور وفات کب ہوئی۔ انجان پیر کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کے سرہانے چراغ دان بھی ہے۔ یہ روایت ہے کہ آپ غوث پاک حضرت عبد القادر جیلانیؒ کی اولاد میں سے ہیں اور آستانہ امجھر شریف سے آپ کو توصل ہے۔ کچھ عرصہ پہلے مزار شریف بے مرمت ہو گیا تھا۔ شاہ فریدؒ (خانقاہ فریدیہ) نے اپنی جیب خاص سے اس کی مرمت کرائی اور فاتحہ خوانی کی رسم ادا کی گئی۔ بہت زمانے سے یہ دستور چلا آرہا ہے کہ لوگ مزار کے پاس آکر یہاں سے مٹی اور اینٹ کا کوئی ٹکڑا لے جا کر مریض کے سرہانے رکھ دیتے ہیں اور مریض کے صحت یاب ہو جانے کے بعد اسی وزن سے مٹھائی منگوا کر بچوں میں تقسیم کر دیتے ہیں اور اس ڈھیلے کو کنویں میں ڈال دیتے ہیں۔

حضرت شاہ باگ قدس سرہٗ کا مزار محلّہ میٹھا کنواں کی سرحد پر حکیم محمد اخلاق حسین عرف بھگو صاحب کے باہر والا برآمدہ کے شمال میں ایک گوشہ میں پختہ گھرا ہوا ہے۔ اب یہ مکان اظہار مظہری صاحب مرحوم کا ہے۔ یہاں بھی لوگ نذر و نیاز کرتے ہیں۔ ابھی بھی عورتیں بوقت مغرب اگربتی اور لوبان جلاتی ہیں اور کبھی کبھی چراغاں بھی

ہوتا ہے۔حضرت شاہ باگ قدس سرہٗ کہاں سے آئے اور کب ان کی وفات ہوئی اس بات کا کسی کو علم نہیں۔مزار اونچے چبوترے کے ساتھ ملا ہوا ہے اور ہمیشہ اس مزار کے ایک کونے پر ایک لمبا جھنڈا لگا رہتا ہے۔محلّہ کے لوگ اس پر سفیدی وغیرہ کراتے رہتے ہیں اور نذر و نیاز و فاتحہ بھی کراتے ہیں۔یہ نہ معلوم ہوسکا کہ لوگ ان کو باگ دادا کیوں کہتے ہیں۔باگ کے معنی شیر کے ہیں۔ان کو شیر کا خطاب کب اور کیسے ملا۔ (شاہ بھگو صاحب، سر فخر الدین پہلے وزیر تعلیم بہار کے حقیقی نسبتی بھائی تھے اور سمدھی بھی۔شاہ بھگو صاحب کی لڑکی کی شادی سر فخر الدین (وزیر تعلیم) کے لڑکے عزیز فخر الدین سے ہوئی تھی۔



حضرت شیخ شہید عزؔ کاکوی قدس سرہٗ

حضرت شیخ شہید عز کاکوی قدس سرہٗ کاکو کے باشندہ تھے۔آپ یہاں کب تشریف لائے اور کہاں سے آئے کچھ پتا نہیں۔اتنا معلوم ہے کہ آپ حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری ۶۶۱ تا ۷۸۲ کے ساتھ عقیدت اور خلوص رکھتے تھے۔تصوف کے مسائل سمجھنے میں جب آپ کو مشکل ہوتی بذریعہ مراسلہ یحییٰ منیری سے رابطہ کرتے۔خط کے ذریعہ جو جوابات مخدوم بہاری سے آئے وہ ایک رسالہ کی شکل میں اجوبہ کاکوی کے نام سے مرتب ہوا، جو طبع شدہ ہے۔

آپ کے متعلق یہ روایت مشہور ہے کہ آپ اور ایک دوسرے بزرگ احمد بہاری کاکو سے دہلی تشریف لے گئے۔دونوں صاحبان حالت وجد میں تھے اور حالت جذب میں ایسے کلمات آپ دونوں کی زبان مبارک سے نکل جاتے جو علمائے ظاہری کے لئے ناقابلِ برداشت ہوتے۔یہ شکایت فیروز شاہ تغلق تک پہنچائی گئی۔ان

دونوں کو گرفتار کر کے نظر بند کر دیا گیا۔کچھ دنوں کے بعد قاضی بلائے گئے۔کچہری (کورٹ) بیٹھی۔فیصلہ ان بزرگوں کے خلاف ہوا۔دونوں بزرگوں کو قتل کرنے کا فیصلہ قاضی نے فیروز شاہ کے دربار میں سنایا۔کاکو کے دونوں بزرگ قتل کر دیے گئے۔ اس کی تفصیل تاریخ فیروز شاہی مؤلف حضرت شعیبؒ، سیرۃ الشرف مؤلف مولوی ضمیر الدین اور کئی کتابوں میں درج ہے۔



حضرت سید شاہ قیام الدین قدس سرہٗ

روایت ہے کہ آپ حضرت سیدنا غوث پاک عبدالقادر جیلانیؒ کی اولاد سے ہیں۔کاکو بستی کے پورب شمس روضہ کی پشت پر ہندو برہمن کی آبادی ہے جو تیواری بیگھہ کے نام سے موسوم ہے۔اس کے قریب آپ کا مزار ہے جو بے مرمت ہے۔اس کی چہار دیواری بھی گر چکی ہے۔یہ مقام بہت پر فضا ہے۔آپ کے سلسلے میں ایک روایت چلی آرہی ہے کہ ایک بزرگ جو کہیں باہر سے واپس آرہے تھے انہوں نے دیکھا کہ آپ کاکو جھیل میں شمس روضہ کے پاس وضو کر رہے ہیں۔مغرب کا وقت قریب تھا انہوں نے ان سے پوچھا کہ آپ مغرب کی نماز کہاں پڑھیں گے؟ انہوں نے کہا تم جاؤ میرا جہاں جی چاہے گا آسمان پر یا زمین پر پڑھ لوں گا۔وہ صاحب گھر چلے آئے تب معلوم ہوا کہ شاہ صاحب تو انتقال فرما چکے ہیں۔آج فاتحہ چہارم تھا۔



حضرت سید ابراہیم زندہ دل کاکوی

حضرت سید ابراہیم زندہ دل کاکوی ۶۵۰ ء میں، بی بی کمال قدس سرہا سے پچاس سال بعد، غزنی سے کاکو آئے تھے۔ بڑے جلالی بزرگ کہے جاتے تھے۔ جس زمانے میں آپ کاکو آئے اس وقت حاجی الحرمین سید شاہ بدرالدین وسید شاہ صدر الدین شاہی مسجد کاکو کے امام وخطیب تھے۔ وہ سید شاہ شمس الدین یعنی شاہ سمن کے بیٹے تھے۔ ان کے جلال کا عجب عالم تھا۔ ان کے ایک فرزند جب سفر کو جاتے تو گھر سے گھوڑے پر سوار نہیں ہوتے اور جب آپ واپس آتے تو گھر سے دور ہی اتر جاتے۔

ایک دن آپ گھر کے پاس پتھر پر لوگوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، پوچھا کون آرہا ہے؟ کسی نے کہا آپ کے فرزند آرہے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ سوار کا سر نظر نہیں آرہا ہے۔ آپ کی زبان سے نکلا اور بیٹے کا سر تن سے جدا ہو گیا۔ گھوڑا بے سر جسم لے کر گھر پہنچا۔ حضرت نے فرمایا جب سوار نہیں تو گھوڑے کا کیا ہوگا فوراً ہی گھوڑا بھی گر کر دم توڑ گیا۔ ایک دن ان کی زوجہ بی بی خدیجہ نے حضرت مخدوم کا چوغہ پہنا اور سر پر دستار باندھ کر مخدوم سے پوچھا میں کیسی لگ رہی ہوں۔ آپ نے فرمایا جلی سی لگ رہی ہو۔ اتنا کہنا تھا کہ بی بی خدیجہ کے بدن میں آگ لگ گئی۔

آپ کو کس بات کی ناراضگی تھی کسی کو علم نہیں۔ ان کا پختہ مزار خانقاہ جلیلیہ کے برآمدے میں ہے۔ وفات کی تاریخ نہیں مل سکی۔ وفات شاید رمضان میں ہوئی تھی۔ حضرت سید ابراہیم زندہ دل کاکوی کا مزار قناتی مسجد کے صحن میں موجود ہے اور اسی پر فضا مقام پر آپ آرام فرما رہے ہیں۔ آپ کے پہلے خلیفہ آپ کے بڑے صاحبزادے سید شاہ عبدالباقی کاکوی ہوئے۔ میر یونس، مجیب الرحمٰن، موجو، ولی الرحمٰن ولو، شہاب الدین شہبو۔ یہ سب آپ ہی کے خاندان کے کہے جاتے ہیں۔



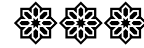
حضرت سید شاہ عبدالجلیلؒ (خانقاہ جلیلیہ)

حضرت سید شاہ عبدالجلیلؒ اشرفی کی پیدائش ۱۸۸۰ء میں کاکو میں ہوئی۔ آپ بڑے جلیل القدر بزرگ تھے۔ آپ کو روحانی فیض حضرت سید ابراہیم زندہ دل سے حاصل ہوا۔ اس کے بعد آپ مرشد کامل کی تلاش میں دہلی، آگرہ اور مرادآباد وغیرہ گھومتے رہے۔ آخر کار آپ بیتھو شریف، گیا پہنچے اور حضرت مخدوم درویش اشرفؒ کی درگاہ، بیتھو شریف کے سجادہ نشیں حضرت شاہ چاند اشرفیؒ سے سلسلہ چشتیہ سے بیعت ہوئے اور بارہ سال تک شاہ چاندؒ کے خدمت میں لگے رہے اور ان کی صحبت کو اپنے لیے باعث برکت سمجھا۔ آپ میں جب بزرگی اور عظمت کے آثار نمایاں ہونے لگے تو حضرت شاہ چاند اشرفی نے اجازت وخلافت سے نواز کر کاکو جانے کا حکم دیا اور شاہ عبدالجلیلؒ نے کاکو لوٹ کر خانقاہ جلیلیہ کی بنیاد ڈالی اور یہاں تبلیغ، رشد و ہدایت کا سلسلہ قائم کیا۔ 1943ء میں کاکو میں آپ کا وصال ہو گیا۔

آپ کا مزار شریف حضرت سید ابراہیم زندہ دل کے پائے تانے میں ہے، جو خانقاہ جلیلیہ سے متصل ہے۔ آج بھی اس پر چادر وغیرہ چڑھائی جاتی ہے۔

آپ کے سلسلے میں ایک قصہ مشہور ہے کہ کاکو کے رہنے والے جناب مدو میاں کے بھائی عیدو میاں دہلی میں ملازمت کرتے تھے۔ محبوب الٰہی نظام الدین اولیا کے عرس میں شرکت کرنے گئے تھے تو انہوں نے دیکھا کہ شاہ جلیل چچا سب کو چائے پلا رہے ہیں۔ وہ ان کے پاس گئے خیریت پوچھی اور گلے سے لگ گئے۔ شاہ جلیلؒ نے کاکو کی خیریت پوچھی۔ عرس کے بعد جب یہ صاحب شاہ جلیلؒ کو تلاش کرتے ہیں تو پھر ملاقات نہیں ہوتی ہے۔ کچھ دنوں کے بعد جب عیدو میاں کاکو آئے تو اپنی والدہ سے کہا کہ میں جلیل چچا کے یہاں ملنے جا رہا ہوں۔ والدہ نے کہا پگلے جلیل بھائی کے

انتقال کوایک سال سےاوپر ہو چکا ہے۔ یہ بھاگے ہوئے خانقاہ جلیلیہ آئے تو دیکھا کہ
شاہ کرامت صاحبؒ گدی پر بیٹھے ہوئے ہیں اور پھر پوری داستان شاہ کرامت
صاحب کو سنائی تو وہ مسکرانے لگے اور کہا کہ ' میاں' کے انتقال کو ڈیڑھ سال ہو چکا
ہے۔عیدو میاں بڑے تعجب سے بولے کہ چھ ماہ قبل عرس میں میری ملاقات چچا سے
دہلی میں نظام الدین اولیا کے عرس میں ہوئی تھی۔انہوں نے مجھے چائے پلائی گلے
ملے اور کاکو والوں کی خیریت دریافت کی۔ یہ تھی ان کی شان بزرگی۔شاہ جلیل صاحب
کو دو بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔سید شاہ محمد عالم، سید شاہ محبوب عالم' سیدہ مدینہ خاتون اور
سیدہ میمونہ خاتون۔دونوں بیٹوں کا علم ہے کہ وہ پاکستان چلے گئے۔



شاہ کرامت علیؒ (خانقاہ جلیلیہ)

شاہ کرامت علیؒ، شاہ جلیلؒ کی خدمت میں تھے۔اوران سے بہت قربت
رکھتے۔میاں میاں کہہ کر شاہ جلیل رحمتہ اللہ سے لپٹے رہتے تھے۔شاہ کرامت صاحب
شاہ چاندؒ بیتھو شریف سے مرید تھے۔شاہ جلیل اور شاہ کرامت دونوں پیر بھائی
تھے۔شاہ جلیل صاحب نے۱۹۴۲ء میں اپنے وصال سے چھ ماہ قبل ہی شاہ کرامت
صاحب کو اپنا خرقہ دے کر دستار بندی کر دی اور انھیں اپنی گدی سونپ دی۔غربت
میں شاہ صاحب نے توکل کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔نہ کسی سے زندگی میں ہاتھ
پھیلا کر مانگا۔بڑے سیدھے سادے سچے انسان تھے۔

ان کی بزرگی کا ایک واقعہ رقم کر رہا ہوں۔انتقال سے کچھ ہی دن پہلے میرا

لڑکا یوسف شمسی چند ماہ کا گود میں تھا۔دودھ منہ میں نہیں لے رہا تھا اور روئے جا رہا
تھا۔میری والدہ نے کہا کہ شاہ صاحب کو بلا لاؤ۔میں مغرب بعد شاہ کرامتؒ صاحب
کے پاس گیا اور کیفیت بتائی،فوراً بولے تم آگے جاؤ میں آتا ہوں۔چند منٹ بعد ہی
شاہ صاحب لالٹین ہاتھ میں لئے کھڑاون پہن کر چٹ چٹ کرتے ہوئے بنگلہ پر
تشریف لے آئے۔کیفیت پوچھی کچھ پڑھ کر یوسف کے منہ پر پھونک ماری اور پانی کا
چھینٹا مارا۔یوسف نے رونا بند کر دیا اور دودھ پینے لگا۔میری والدہ نے پانچ روپے کا
نوٹ نکال کر دیا تو شاہ صاحب نے فرمایا اتنی بڑی رقم کیوں؟ پانچ- دس آنے ہی
بہت ہے۔روپیہ لینے سے انکار کیا،لیکن میری والدہ کے اصرار پر واپس لے لیا۔



شاہ علی حسن (خانقاہ جلیلیہ)

آپ کرامت علی شاہؒ کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے۔شاہ کرامت
صاحب خانقاہ جلیلیہ نے اپنے وصال سے ۶ ماہ قبل اپنے بیٹے کو بلا کر انہیں غسل کرانے
کی ہدایت دی۔ جب وہ غسل سے فارغ ہوئے تو آپ کی دستار بندی کی اور اپنے
ہاتھ پر بیعت لی۔اس طرح جناب شاہ علی حسن کو خانقاہ جلیلیہ کا گدی نشیں مقرر کر دیا
گیا۔10 /اکتوبر 2014ء میں شاہ علی حسن صاحب کے انتقال کے بعدان کے بیٹے
نشاط افروز اشرفی گدی نشیں ہیں۔



شاہ علی حسین

آپ کرامت علی شاہؒ کے منجھلے صاحبزادے تھے۔۱۰رمئی ۲۰۰۸ کو باباغلام حسین سلسلہ وارثیہ سے منسلک ہوگئے۔وارث سلسلے کے لوگ عام طور پر زرد رنگ کا احرام باندھتے ہیں اور برہنہ سر رہتے ہیں۔یہ فقرا اپنی پوری حیات زرد احرام میں ملبوس رہ کر گزارتے ہیں اور احرام میں ہی لپیٹ کر انھیں دفنایا جاتا ہے۔سلسلہ وارثیہ میں تجرید(غیر شادی شدہ رہنا) کو بھی خاص اہمیت حاصل ہے۔باباغلام حسین جس دن وارثی سلسلہ میں شامل ہوئے اس دن کاکو میں ایک مجلس کا اہتمام کیا گیا جس میں سینکڑوں لوگ موجود تھے اور ان لوگوں کی موجودگی میں ناظم اعلیٰ باباصابر شاہ وارثی کی نگرانی میں باباغلام حسین کی احرام پوشی ہوئی۔

دیوا شریف سے وارثی سلسلے کے کئی لوگ اس مجلس میں شامل ہونے آئے تھے۔وارثی مسلک میں خانقاہ نہیں ہوتی ہے صرف دیوا شریف میں حضرت حاجی وارث علی شاہ کا عرس ہوتا ہے۔اور باقی جگہوں پر مجلس سماع کا اہتمام کیا جاتا ہے۔احرام پوش اپنے حجرے میں بیٹھتے ہیں اور وہیں اپنے عقیدت مندوں سے ملتے ہیں۔

باباغلام حسین کا ۲۹رنومبر ۲۰۲۰ء کو کاکو میں انتقال ہوا اور کاکو میں ہی ان کی تدفین عمل میں آئی۔باباغلام حسین کی حیات میں ہی جناب آفتاب عالم نے بھی سلسلہ وارثیہ میں شمولیت اختیار کی تھی۔



کاکو۔داماد بیگہ

یہ بات سچ ہے کہ کاکو کو داماد بیگہہ بھی کہا جاتا ہے۔یہ روایت صدیوں سے چلی آرہی ہے۔یوں سمجھئے کہ جب کاکو میں مسلمانوں کی آبادی نہیں تھی۔ یہ زمانہ تقریباً ۷۰۰ سال قبل کا ہے جب حضرت مخدوم بی بی کمال قدس سرہا کاکو تشریف لائی تھیں، آپ کی ایک بیٹی تھی جس کا نام بی بی دولت تھا اور آپ بی بی کمال ثانیہ کے نام سے جانی جاتی تھیں۔آپ کی شادی مخدوم حسام ہانسی منہاروی سے ہوئی تھی، مگر آپ کاکو ہی میں اپنی والدہ بی بی کمال قدس سرہٗ کے ساتھ رہتی تھیں۔

بی بی کمال کی یہ کہاوت مشہور ہے''میری دولت میرے ساتھ''۔مخدومہ بی بی دولت کا وصال بھی کاکو ہی میں ہوا تھا۔آپ کا مزار آپ کی والدہ کے پاس ہے۔ ماں بیٹی کا مزار ایک ہی چبوترے میں ہے اور دیکھنے میں ایک ہی مزار لگتا ہے۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کاکو کی بیٹیاں اکثر اپنے شوہر کے ساتھ میکے میں ہی رہ جاتی تھیں۔ سید شاہ عبدالرحمٰن جو بستی سیودھا کے رہنے والے تھے ان کی شادی حضرت مخدوم شمس الدین دوانقی کے پوتے کی لڑکی سے ہوئی تھی۔شادی کے بعد آپ نے سیودھا کو خیر باد کہا اور اپنی سسرال کاکو میں سکونت پذیر ہوئے۔شاہ عبدالرحمٰن شاہ غفورالرحمٰن کے مورث اعلیٰ تھے،۸ پشتوں سے کاکو میں مقیم ہیں۔غفورالرحمٰن احمد کاکوی کا یہ شعر بتارہا ہے کہ ان کے مورث اعلیٰ ہمیشہ کے لئے کاکو میں بس گئے۔

جد اعلیٰ تھے کاکو کے داماد
آٹھ پشتوں سے ہیں یہیں آباد

سیدٹولہ مولوی یعقوب صاحب (مرحوم) کی چھ صاحب زادیاں سب کی سب اپنے شوہروں کے ساتھ ہمیشہ کاکو میں مقیم رہیں۔مولوی یعقوب صاحب مرحوم

کے داماد جناب ریاست کریم کی لڑکی اپنے شوہر کے ساتھ ہمیشہ کاکو میں رہتی ہیں۔ مولوی یعقوب صاحب کے داماد معصوم صاحب کی لڑکی اپنے شوہر کے ساتھ کاکو میں رہتی ہیں۔ ملک ٹولہ کے بکر چچا کی لڑکی نمو بوبو اپنے شوہر کے ساتھ ہمیشہ کاکو میں رہیں جن کے لڑکے جاوید انجینئر ہیں۔ بکر چاچا کے دوسرے داماد زبیر بھائی بھی اپنی بیگم کے ساتھ سسرال میں رہے جن کے لڑکے سیف، آشو وغیرہ ہیں۔ ملک ٹولہ وصی چچا کی بہن رضی الحق (بجلی) کی والدہ اپنے شوہر کے ساتھ ہمیشہ کاکو میں مقیم رہیں۔ وصی چچا کی بیٹی اپنے شوہر حسنین دیوانہ کے ساتھ مستقل کاکو میں رہتی ہیں۔ ملک ٹولہ یونس چچا مرحوم کی صاحب زادی اپنے شوہر ستار خاں مرحوم (بسکٹ دکان) ہمیشہ کاکو میں رہیں۔ ملک ٹولہ محمود صاحب مرحوم کے داماد غلام غوث اپنی سسرال میں مقیم ہیں۔ ماسٹر نظام ملک ٹولہ کی دونوں صاحب زادیاں اپنے شوہر سمیع اور ادریس کے ساتھ اپنے گھر پر ہی رہیں۔ سید ٹولہ مولوی ابرار صاحب رئیس کاکو کے داماد انور (دولہے بابو) وہ ہمیشہ سسرال میں ہی رہے۔ امتھوا کے رام ناتھ مہتو اپنے سسرال میں بیوی کے ساتھ بس گئے۔ کامیشر سنگھ کی لڑکی اپنے شوہر منیجر صاحب کے ساتھ کاکو میں رہ گئیں۔ ملک ٹولہ رضی الحق کی دونوں بہنیں اپنے اپنے شوہروں کے ساتھ کاکو میں رہ گئیں۔ الیاس صاحب مرحوم سید ٹولہ کی صاحب زادی زرینہ بیگم اپنے شوہر جناب حکیم غواث کے ساتھ میکہ میں ہیں۔ ہم لوگ جب بھی کہیں جمع ہوتے ہیں تو وہاں زیادہ تعداد دامادوں کی ہوتی ہے۔ اس خاکسار نے ایک مرتبہ دامادوں کا چناؤ کرایا تھا اور سید ٹولہ کے الیاس صاحب مرحوم صدر منتخب ہوئے تھے اور محمود صاحب (مرحوم) کے داماد جناب غلام غوث جنرل سکریٹری چنے گئے۔ چند داماد اس کمیٹی کے ممبر منتخب ہوئے۔ کاکو میں ہندو اور مسلمان کی سینکڑوں مثالیں ہیں کہ کاکو کی بیٹیاں کاکو ہی میں بس جاتی ہیں، اسی لئے یہ مقولہ بھی مشہور ہے:

''میٹھا کنواں کی کائی، کاکو کی جائی، کہیں نہ رہی، لوٹ کے کاکو آئی۔''



حضرت سید شاہ فرید الدین چشتیؒ کاکوی

آپ نے اپنے علم و عمل کے ذریعے اسلام کی نورانی شمع روشن کی اور اس کی نور بکھیرتی کرنوں سے تاریک دلوں کو جگمگایا، بھٹکتے ذہنوں کو مرکزِ رُشد و ہدایت پر جمع کیا، پیاسی نگاہوں کو عشق و محبت کے جام سے سیراب کیا، سُلگتے دلوں کو آدابِ شریعت کی چاندنی سے ٹھنڈک بخشی۔ آپ کی پیدائش 7 رمضان المبارک 11 جولائی 1882 عیسوی میں اپنی نانیہال مفتی گنج (جہان آباد) میں ہوئی۔

آپ کا تعارفی نام محمد فضل الرحمٰن تھا۔ کم سنی میں والد کا سایہ سر سے اٹھ جانے کے بعد آپ کی پرورش و پرداخت آپ کے ماموں نے کیا۔ آپ شروع سے کم سخن اور اعلیٰ مزاج رکھتے تھے۔ خاندان کے بزرگوں سے تعلیم و تربیت لی تھی۔ آپ کو کتاب کے مطالعے کا بھی بڑا شوق رہتا تھا۔ آپ کے کتب خانے میں بزرگان دین کے احوال و آثار پر کئی کتابیں موجود تھیں۔ اس طرح کچھ دنوں کے بعد آپ کا ذاتی کتب خانہ لوگوں کے لئے سیر بخش ہوا۔

آپ شروع سے ہی روحانیت کی جانب مائل رہے۔ دینی محفل میں کثرت سے جایا کرتے تھے۔ آپ نے کاکو میں رشد و ہدایت کا سلسلہ قائم کیا اور زیادہ تر لوگوں کو سلسلہ چشتیہ میں بیعت کیا۔

آپ کے حلقہء مریدان اور متوسلان، جہاں آباد، پٹنہ اور اس کے اطراف میں پھیلے ہوئے ہیں۔ آپ کی طبیعت شروع سے ہی حضرت بی بی کمالؒ کی طرف مائل رہی۔ حضرت بی بی کمال کے آستانہ کمال کے اطراف میں کبھی جوتیاں نہیں پہنی اور ہمیشہ خاکساری کے ساتھ حاضر ہو کر اپنی عقیدت کا ثبوت پیش کرتے تھے۔

حضرت سید شاہ فرید الدین احمد چشتیؒ کا پہلا نکاح آپ کی ماموں زاد بہن مسماۃ بی بی زینب سے ہوا جس سے ایک دختر زوجہ منظور الرحمٰن اختر کاکوی اور ایک لڑکا سید شاہ غلام منعم المعروف ولی الحق ہوئے۔ آپ کی پہلی بیگم کے رحلت کے بعد دوسرا عقد 1924 میں سید عظیم الدین، میرداد، بہار شریف کی لڑکی مسماۃ بی بی شکورن سے انجام پایا جس سے دو صاحبزادے سید شاہ غلام معین الدین چشتی اور سمیع احمد ہوئے۔ سمیع احمد کا بہت چھوٹی عمر میں انتقال ہو گیا تھا۔

حضرت سید شاہ فرید الدین احمد چشتیؒ کا زیادہ تر وقت حجرہ میں گزرتا تھا۔ آپ نے 74 برس کی عمر میں بروز جمعہ 15 دسمبر 1954 کو اپنے حجرے میں زندگی کی آخری سانسیں لیں اور داعی اجل کو لبیک کہا۔ آپ کا مزار شریف، بقانگر، کاکو میں آپ کے جد امجد حضرت عبدالغنی چشتیؒ کے مزار اقدس کے قریب ہے۔

آپ کی رحلت کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت شاہ ولی الحق چشتیؒ جانشین ہوئے۔ شاہ ولیؒ نیک سیرت، ملنسار، خوش اخلاق اور ساتھ ساتھ ولی صفت انسان تھے۔ راقم الحروف کی بیگم روشن شمسی، آپ سے بیعت تھیں۔ چونکہ آپ لاولد رہے اس لئے اپنی زندگی میں اپنے چھوٹے بھائی کو اپنی سجادگی دے دی۔ خانقاہ فریدیہ، کاکو کے موجودہ سجادہ نشین شاہ غلام معین الدین کے بڑے صاحبزادے، جناب سید شاہ علی احمد عرف گڈو بابو ہیں۔

آپ کا عرس ہر سال خانقاہ فریدیہ، محلّہ شاہ ٹولی، کاکو میں جوش و خروش سے منایا جاتا ہے جس میں ریاست کے کونہ کونہ سے آئے زائرین عُرس پاک میں شریک ہو کر دربار فریدیہ پر حاضری دے کر فیضیاب ہوتے ہیں۔



شاہ غفور الرحمٰن احمد کاکوی کے قطعات

بزرگان دین اور احباب کاکو کے نام

(آثار کاکو سے ماخوذ)

(۱)

جناب حضرت احمد براق و حضرت سام
تھے دونوں حضرت مخدوم شمس دیں کے پسر
وہ صدر دین جو حاجی بھی تھے فقیر بھی تھے
انہیں کے بیٹے تھے بدرالدین نیک سیر
گئے جہان سے یوسف حُسین (۱) صد افسوس
کہ ان کے مرنے کا ہے بستی میں ہر اک پہ اثر
ترقی خواہ وطن تھے رئیس ابن رئیس
مثال اپنی یہ رکھتے تھے بستی کے اندر
لکھا ہے ان کے لئے ایک قطعۂ پرغم
اسی کو مرثیہ اس کا سمجھ لیں سب پڑھ کر

(۱) یوسف حسین شمسی پسر مولوی عبدالوہاب شمسی والد فخرالدین شمسی



جناب مولوی عبدالعزیز (۱) حاجی آہ
لوٹ کے حج و زیارت سے آ رہے تھے گھر
کہ بمبئی میں قضا نے پکڑ لیا ان کو
کہا کہ میں تو نہیں جانے دوں گی اب گھر پر

خدا کے حکم سے لینے کو آئی ہوں تم کو
مرا یہ کام ہے مہلت نہ دیتی ہوں دم بھر
اٹھو کمر کو کسو اپنی میرے ساتھ چلو
کرو نہ دیر بلاتا ہے قاضی محشر

(۱) مولوی عبدالعزیز شمسی پسر مولوی عبدالوہاب شمسی، مؤلف کتاب ہذا کے دادا جان

(۲)

ادھر از گوش توجہ سنو تو کچھ میری
بیاں کرتا ہوں اپنے وطن کی میں روداد
پرانی بستی ہے کاکو زمانے میں مشہور
یہیں ہے گھر مرا مدت سے ہوں یہیں آباد
کہوں میں کیا جو شرف اس زمیں کو حاصل ہے
خدا کے فضل سے ہے کچھ عجب فضا وسواد
رسولؐ پاک کا آیا ہے تخت پاک یہاں
مگر یہ عالم مخفی دکھاؤں کیا اسناد
ہے جس کو دیکھنے کی آنکھ دیکھ لے اس کو
یہ قصہ سچا ہے ہرگز نہیں ہے بے بنیاد
یہاں ہے خواجۂ اجمیری کا عصائے شریف
ہے کس زمانے سے یہ تو نہیں کسی کو یاد
یہیں ہے حضرت بی بی کمال کا روضہ
کہ جن کے فیض و توجہ سے کاکو ہے آباد

یہ ولیہ ہیں فیض آپ ہی کا جاری ہے
یہاں جو آتا ہے پاتا ہے اپنے دل کی مراد
انہی کے والد ماجد ہیں حضرت جگ جوت
کہ جن کے گھر میں ہوئے سینکڑوں ولی اوتار
تھا بادشاہ جو فیروز تغلق عادل
اسی نے روضہ اقدس کی ڈالی تھی بنیاد
یہیں ہے حضرت بی بی کمال کا روضہ
اسی سے کاکو کا اک نام ہے کمال آباد
یہیں ہیں حضرت لنگر زمین آسودہ
امام تاج فقیہِ منیر کی اولاد
لقب تو ان کا ہے لنگر زمیں سلیمان نام
تمام صوبے میں پھیلی ہے آپ کی اولاد
یہیں ہیں حضرت بی بی کمال کے شوہر
ہیں یہ بھی حضرت جگجوت کے تو اک داماد
منیر سے چلے کاکو میں رکھا رخت سفر
پسند آگئی یہ سرزمیں کیا آباد
یہیں تو لیٹے ہیں مخدوم شاہ شمس الدین
وطن تھا ان کا دوانق بہ خطہ بغداد
وطن سے آئے تو یہ رہ گئے یہیں تاعمر
انہیں سے کاکو کا حصہ زیادہ ہے آباد

کہاں ہیں حضرت مخدوم شہ حبیب اللہ
جو قبر سے دیے بیٹوں کو درس اور ارشاد

رسولؐ پاک سے گیارہ خطاب ان کو ملے
بجا ہے گر کہیں ان کو ولی مادرزاد

بقانگر ہے یہاں اک مقام پاکیزہ
عجب جگہ ہے منور بہ عون رب عباد

یہی جگہ ہے جہاں آیا ہے مبارک تخت
یہی سبب ہے جو ہے اس جگہ میں ایسا مواد

یہی زمین تو بدلی گئی ہے جنت سے
لکھی ہے تذکرہ میں اس کی دیکھ لو روداد

کہاں ہیں مولوی عبدالوہاب(۱) منصف آہ
یہ چل دیے سنے گا کون اب مری فریاد

رئیس قوم تھے یہ منکسر مزاج بھی تھے
سخی تھے ایسے کہ دشمن کو دیتے تھے مات

ہیں اس زمانے میں یوسفؔ عزیزؔ(۲) جو مشہور
یہ دونوں بھائی حقیقی انہیں کی ہیں اولاد

وہ نوجوان جو لائق عزیز تھا محمود(۳)
اساتذہ کے تھے اشعار اس کو صدہا یاد

مذاق شعر و سخن رکھتا تھا وہ کچھ ایسا
وہ کہتا کچھ نہ تھا لیکن سخن کا تھا نقاد

ہمارے شعروں کی کرتا تھا قدر وہ ایسی
کہ دل سے دیتا تھا بے چین ہو کے داد پہ داد

خطوں میں بھیجتے تھے غزلیں ہم جو اس کے پاس
تو اچھے شعروں پہ کر دیتا تھا وہ صاد پہ صاد

ملازمت کے ذریعے سے تھا وہ دہلی میں
وہیں سے ناگہاں چلتا ہوا عدم آباد

دعا ہے رب سے رفتگاں کے حق میں میری
کہ عافیت کرے بالخیر سب کی رب عباد

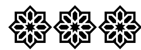
کہاں ہیں حاجی و افضل الدین(۴) آہ
یہ کس زمین میں چھپے ہیں ان پہ کیا پڑی افتاد

کہاں ہیں منشی عبدالرحیم (۵) و شیخ کبیر
فن پھکیتی میں یہ دونوں بھی تو تھے استاد

یہ کل کی بات ہے عبدالحلیم زندہ تھے
وہ آج مر گئے آغوش قبر ہے آباد

(آثار کاکو)

۱۔ مولوی عبدالوہاب شمسی پسر حضرت برکت اللہ قدس سرہٗ
۲۔ یوسف حسین شمسی اور عزیز شمسی ابن مولوی عبدالوہاب شمسی
۳۔ محمود شمسی ابن عبدالعزیز شمسی
۴۔ افضل الدین والد منشی عبدالحلیم
۵۔ منشی عبدالرحیم، سلمیٰ شمسی کے نانا جان



بقانگر اور حضور ﷺ کی تشریف آوری

کاکو میں پورب کی جانب ایک مقام ایسا بھی ہے جو کافی اونچائی پر ہے اور روایت ہے کہ اس جگہ پر ایک بڑا دینی مدرسہ قائم تھا۔ آج بھی وہ جگہ مدرسہ کے نام سے مشہور ہے۔ ایک روایت یہ بھی چلی آ رہی ہے کہ یہاں بودھ کے زمانے میں پورے مگدھ علاقہ میں ان کی خانقاہیں تھیں۔ اس لئے یہ مدرسہ بودھ کے زمانے کی یونیورسٹی رہی ہوگی اور ہندوستان سے باہر ممالک کے لوگ تعلیم حاصل کرنے آتے تھے۔ ساتھ ہی ایک روایت یہ بھی ہے کہ کسی زمانے میں کاکو علم دین کا مرکز تھا۔ ''مدرسہ پر'' کہی جانے والی جگہ ایک اسلامی یونیورسٹی تھی۔ یہاں دین اور فقہ کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اسپین تک کے مسلمان کاکو میں اسلامی درس کے لئے آتے تھے۔

اس سلسلے کی ایک اور حکایت مشہور ہے کہ کسی دینی مسئلے پر علما میں بحث چھڑ گئی اور تکرار کی نوبت آ گئی۔ آخر علما میں یہ بات طے پائی کہ اس مسئلے کو حضور پرنور ﷺ سے رجوع کیا جائے۔ عالم باطن میں آپ جو فرمائیں اسی کو آمنا صدقنا مان لیں۔ اس بات کو طے کرنے کے لئے چشم ظاہری سے تو نہیں مگر چشم باطن سے یہ دیکھا گیا کہ حضور پرنور ﷺ تخت مبارک پر جلوہ فرما تشریف لائے۔ حضرت مولانا عبدالغنی قدس سرہٗ اس وقت اپنے حجرے میں تھے۔ کشف باطن سے ان پر یہ بات روشن ہوئی۔ وہ ننگے پیر تیز قدم سے اس جگہ پر پہنچے اور ان کو معلوم ہوا کہ یہ زمین شیخ وجیہ الدین کی ہے۔ آپ نے وجیہ الدین سے کہا کہ تھوڑی سی زمین ہم کو دے دو تا کہ میری قبر یہاں بن سکے۔ انہوں نے کہا اگر تم کو انکار ہے تو میں تم کو اتنی ہی زمین جنت میں دلوا دوں گا، پھر فرمایا کہ تم جاؤ اور غسل کر کے آؤ۔ آنے کے بعد مولانا نے اپنے زانو پر وجہی کا سر رکھا اور کہا کہ اپنی آنکھیں بند کرلو۔ آنکھیں جو بند کیں تو جنت نظر آئی۔ مولانا نے کہا کہ وجہی جتنی

زمین چاہو پسند کرلو۔

شیخ وجہی نے پھر خوشی سے اپنی زمین مولانا کے نذر کردی، جو دو یا تین بیگھہ ہوگی۔ شیخ وجہی نے مولانا کے سامنے دو شرطیں رکھیں۔ پہلی شرط یہ تھی کہ جب مہوے کے درخت سے پھل گرنے لگیں تو پانچ سیر اس کا پھل مجھے ملا کرے اور بعد میں میرے ورثا کو بھی ملتا رہے۔ دوسری شرط یہ تھی کہ آپ کی پائنتی میں دفن کیا جائے۔ مولانا نے یہ دونوں شرطیں مان لیں اور کہا وجہی تمہاری شرطیں مجھے منظور ہیں۔ جب مولانا کا ۱۱۴۶ ہجری میں انتقال ہوا تو اس جگہ جہاں حضور پرنور ﷺ کا تخت مبارک آیا تھا اسی جگہ پر ان کی قبر بنی، جو آج بھی نمایاں طور پر موجود ہے۔ شیخ وجیہ الدین بھی انتقال کئے تو ان کی قبر بھی مولانا کی پائنتی میں ہے۔ اسی مناسبت سے اس زمین کو بقانگر کہا جاتا ہے۔

بقانگر میں حضرت مخدوم سلیمان لنگر زمین کا بھی مزار ہے اور دیگر بزرگوں کے بھی مزارات ہیں۔ اس بقانگر کی بزرگی و عظمت کے بارے میں حضرت سید شاہ تبارک حسینؒ جو شاعر تو نہ تھے مگر دلی جذبے سے متاثر ہو کر کچھ موزوں اور کچھ ناموزوں اشعار کہے تھے، وہ میں یہاں پر درج کئے دیتا ہوں:

عجیب بویا ہے خاک اپنے وطن کی
کہ گرد ہے مشک تاتار و ختن کی
کمال آباد روضہ پاک دامن
جگر جگجوت مخدوم زمن کی
رسولؐ آخر زماںؐ کا تخت آیا
مبدل ہوئی زمیں کچھ یاں عدن کی



کاکو کی مشہور دو کہاوتیں

نہ معلوم کیوں یہ کہاوت دور دور تک مشہور ہے کہ ’سارا کاکو جل گیا اور بی بی کمالؒ سوئی رہیں‘۔ ہر کہاوت کے پیچھے کچھ داستان ضرور ہوتی ہے۔ اس کہاوت سے دو باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ ایک تو حضرت بی بی کمالؒ کی ولایت وعظمت دور دور تک پھیلی ہوئی ہے۔ دوسری بات یہ کہ ساری بستی کا آتش زدگی سے تباہ ہوجانا۔ پہلے وقتوں میں کاکو میں بار بار آگ لگنا مشہور ہے۔ شاہ عبدالغفور صاحب اپنی کتاب ’’آثار کاکو‘‘ میں لکھتے ہیں کہ کاکو میں اکثر آگ لگنے کے واقعات ہوتے تھے اور میں نے آنکھوں سے بھی دیکھا ہے۔ ایک دو بار تو پوری کی پوری بستی جل کر راکھ ہوگئی۔ سب کچھ جل کر راکھ ہوگیا۔ کاکو کے بہت سے دستاویز جل کر خاک ہوگئے، جس کے سبب کاکو کے بزرگان دین کے بارے میں بہت سی باتوں کا پتا نہ چل سکا۔

حضرت بی بی کمالؒ صاحبہ کے زمانے میں پورے کاکو میں زبردست آتشزدگی ہوئی تھی اور کسی نے درد بھری آواز میں یہ کہا ہوگا کہ ایسی برگزیدہ ولیہ کاملہ کے ہوتے ہوئے یہ مصیبت نازل ہوئی، اور حضرت بی بی کمالؒ سوئی رہیں۔

دوسری کاکو کی ایک اور کہاوت مشہور ہے کہ ’’چار چودہ جہاں کاکو بسے تہاں‘‘۔ کاکو بستی ایک ایسی جگہ پر واقع ہے جہاں سے چار مقامات ۱۴-۱۴ کوس (۵۰-۵۰ کیلومیٹر) پر ہے۔ (۱) پٹنہ (۲) منیر شریف (۳) بہار شریف (۴) گیا۔ تین جگہوں سے تو حضرت بی بی کمال کا خاص لگاؤ رہا ہے۔ (۱) پٹنہ کے قریب جیٹھلی میں آپ کے والد ماجد سید شہاب الدین پیر جگجوتؒ کا مزار ہے۔ (۲) منیر شریف میں آپ کے شوہر حضرت سلیمان لنگر زمینؒ کے چچازاد بھائی حضرت یحییٰ منیریؒ کا مزار مبارک ہے۔ (۳) بہار شریف میں آپ کے ہمشیر زادے حضرت مخدوم شرفا بہاریؒ اور مخدوم احمد چرم پوشؒ کا مزار ہے۔ ممکن ہے گیا سے بھی کوئی نسبت رہی ہوگی۔



پرانے زمانے کا گڑھ

کاکو بستی کے جنوب میں تین گڑھ بہت بلند رہے ہوں گے، مگر اب صرف آثار پائے جاتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ کسی پرانے زمانے کے قلعہ یا عمارت کے کھنڈر ہیں، جو اب نہیں رہے۔ بستی کے بہت سے مکانات انہیں گڑھوں کے اینٹوں سے بنے ہیں۔ کھدائی میں جو اینٹیں نکلتی تھیں وہ آج کی اینٹوں سے مختلف تھیں۔ اینٹ کی لمبائی قریب دو فیٹ اور چوڑائی ایک فیٹ اور موٹائی قریب پانچ یا چھ انچ ہے۔ اینٹ نکالنے کے دوران اکثر بودھ کی مورتی نکلتی تھی۔ مٹی کے برتن، سکے اور کوڑیاں بھی نکلتی تھیں۔ اکثر کھدائی میں ٹوٹی پھوٹی دیواریں بھی ملتی تھیں، جن سے پتا چلتا ہے کہ کبھی یہ مکان رہے ہوں گے۔ دیواریں مٹی اور ریت کے ملانے سے بنی تھیں۔ ایک گڑھ جو بڑا تھا اس پر شاہ ولی اللہ مختار (گیا) جو کاکو کے نئے باشندہ تھے انہوں نے اپنا بنگلہ بنوایا تھا۔ پورا مکان اسی گڑھ سے نکالی ہوئی اینٹوں سے تعمیر ہوا تھا۔ ان کے انتقال کے بعد یہ مکان سید شاہ غفور الرحمٰن احمد کاکوی نے خرید کر اپنی قیام گاہ بنوایا۔ اس مکان کے علاوہ اور بھی مکانات ان گڑھوں پر تعمیر ہوئے۔

منشی عبدالرحیم یعنی میری والدہ سلمیٰ شمسی کے نانا اور شیخ ابوالحسن اور شیخ احمد حسین مرحومین نے بھی اپنے اپنے مکانات بنوائے۔ اس کے بعد سید محمد ابرار صاحب زمیندار، سلمیٰ شمسی کے سگے بہنوئی اور شاہ فخر الدین یعنی شاہ نجم الدین کے والد، کوثر جازی کے دادا) نے بھی اپنے اپنے مکانات اسی گڑھ پر بنوائے۔ اسی گڑھ پر مسہر بھی آباد ہیں۔ انگریز مبصر ’لانگ مین‘ کی ٹیم نے، جو اس بستی کا سروے کرنے آئی تھی، لکھا ہے ’’پورا علاقہ اور یہ گڑھ کسی زمانے میں بودھ مذہب کے راہبوں کی خانقاہیں ہوں گی۔



کاکو کی خانقاہیں

(۱) کاکو بستی کی سب سے پرانی خانقاہ سید شاہ حاجی محمد عبدالرحمٰن عرف حاجی محمد کی ہے۔ وہ عطاء الرحمٰن عطاؔ کاکوی کے جد اعلیٰ تھے۔ یہ خانقاہ پہلے کسی زمانے میں آباد تھی مگر ۱۳۰۴ ہجری کی آتش زدگی میں جل کر راکھ ہوگئی۔ اس سے پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ اگلے وقتوں میں کاکو میں زبردست آگ لگتی تھی جس کی وجہ سے بستی کا تمام اثاثہ جل کر راکھ ہو جایا کرتا تھا۔ آگ لگ جانے کے بعد یہ خانقاہ مرمت کے قابل بھی نہ رہی اور خانقاہ میں کچھ بھی نہ بچا۔ اس خانقاہ میں عرس نہ ہوتا تھا، لیکن اس کے آخری سجادہ نشیں سید تبارک حسین کے انتقال کے بعد ۱۲۹۶ ہجری میں ۷/صفر کو ان کا عرس ہوا اور قوالی بھی ہوئی۔ ان کے آبائی قبرستان ڈینی باغ میں چراغاں ہوا، مزار پر چادر چڑھائی گئی، غریبوں کو کھانا کھلایا گیا، کپڑے بھی تقسیم کئے گئے، میٹھی کھچڑی بھی نیاز ہوئی اور عرس بڑے شاندار طریقے سے منایا گیا۔ اس عرس کا خرچ خان بہادر شاہ کمال نے اپنی جیب سے دیا۔ شاہ غفور صاحب تک یہ سلسلہ چل کر بند ہوگیا۔

(۲) دوسری خانقاہ سید شاہ ابراہیم زندہ دل قدس سرہٗ کی تھی، جو شاہی مسجد سے متصل ہے۔ اس کی پختہ عمارت بنی ہوئی تھی مگر زمانے کی رفتار کی وجہ کر منہدم ہوگئی۔ صرف اینٹوں کا نشان باقی ہے۔

(۳) تیسری خانقاہ شاہ عبدالغنیؒ کی تھی۔ وہ مجلس سماع نہیں کرتے تھے۔ ان کے یہاں قوالی بھی نہیں ہوتی تھی۔ کہا کرتے تھے کہ خانقاہ تو درویشوں کی عبادت گاہ ہے، ہو ہا کی جگہ نہیں ہے۔ ان کا حجرہ اب تک باقی ہے۔

(۴) چوتھی خانقاہ شاہ محمد فریدؒ کی ہے جو ان دنوں خانقاہ فریدیہ کہلاتی ہے۔ شاہ محمد فریدؒ کے بعد ان کے بڑے بیٹے ولی الحق نے گدی نہ لے کر اپنے چھوٹے بھائی معین الدین سلمہ کو دے دی۔ وہ کچھ ہی دنوں بعد عین جوانی میں فوت کر گئے۔ اب ان کے بڑے بیٹے علی احمد گڈو سلمہ گدی نشیں ہیں۔ ان کے یہاں عرس میں قوالی ہوتی ہے۔ نیاز بھی ہوتی ہے اور کھیر تقسیم کی جاتی ہے۔

(۵) پانچویں خانقاہ سید شاہ قیام الدینؒ کی تھی۔ خانقاہ ختم ہوگئی ہے اور خانقاہ کی جگہ رہائشی مکان بن گیا ہے۔ خانقاہ کا اب نام و نشان بھی باقی نہیں ہے۔

(۶) چھٹی خانقاہ، خانقاہ جلیلیہ ہے جو شروع سے آب و تاب سے چل رہی ہے۔ شاہ جلیل صاحب کے وصال کے بعد ان کے لڑکے گدی نشیں نہ ہوئے۔ بچپن میں ان کے پوتے مرغوب سے دوستی تھی مگر مرغوب بھی اپنے بچپن کے زمانے ۱۹۴۷ء میں پاکستان چلے گئے۔ شاید مرغوب کا انتقال ہو چکا ہے۔ شاہ جلیل صاحب کے بعد ان کے خاص خادم اور پیر بھائی کرامت شاہ گدی نشیں ہوئے۔ شاہ کرامت صاحب کے بعد ان کے بیٹے شاہ علی حسن ہوئے۔ اب ان کا بھی انتقال ہوگیا ہے اور اب ان کے بیٹے نشاط افروز گدی نشیں ہیں۔

(۷) ساتویں نئی خانقاہ شاہ ٹولی کے عبدالرحمٰن عرف عبیدی سلمہٗ کی ہے جس کا نام خانقاہ فردوسیہ قلندریہ ہے۔ اپنی سسرال کی نسبت سے قلندریہ کا اضافہ کیا ہے۔ ساتھ ہی مدرسہ بھی ملحق ہے۔



کاکو عیدگاہ

کاکو عیدگاہ بی بی کمال قدس سرہا کے روضہ سے متصل واقع ہے۔ یہ عیدگاہ پختہ ہے۔ یہ بادشاہ تغلق کے حکم سے تعمیر کی گئی تھی۔ یہاں عیدین کی نمازیں ادا کی جاتی ہیں۔بستی کے علاوہ کئی گاؤں مثلاً بی بی پور، خالص پور، فیروزی، سیدہ آباد،حمید نگر، لودی پور،نگواں، دولت پور اور پالی وغیرہ کے لوگ عیدین کی نمازیں پڑھنے آتے تھے۔ لیکن اب سیدہ آباد، فیروزی گاؤں کے لوگ عید کی نمازیں پڑھنے نہیں آتے ہیں۔ اپنے اپنے گاؤں میں ہی عید کی نماز ادا کر لیتے ہیں۔اس عیدگاہ کا فرش پختہ بنا ہوا ہے اور خطیب کے لئے ایک بلند مقام مخصوص ہے، جو منبر کا کام انجام دیتا ہے۔ پہلے عیدگاہ کی لمبائی ۷۵ فٹ تھی۔تقریباً ۵۰۰ نمازیوں کی تعداد ہوا کرتی تھی۔لیکن عیدگاہ کی توسیع ہونے سے اس کی چوڑائی میں اضافہ ہوا ہے۔ شاہ غفور الرحمٰن حمد کاکوی نے تقریباً چالیس سال تک عیدین کی نمازیں پڑھائیں۔ان کے انتقال کے بعد ان کے منجھلے صاحبزادے شاہ منظور الرحمٰن اختر کاکوی نے یہ خدمت انجام دی۔ان کے انتقال کے بعد کئی لوگوں نے نمازیں پڑھائیں۔شاہ سراج صاحب کے لڑکے آلو بھائی نے بھی عیدین کی نمازیں پڑھائی ہیں۔آلو بھائی کے بھانجے نے بھی عیدین کی نمازیں پڑھائی ہیں۔ایک بار مولوی یوسف ملک صاحب کاکوی، حکیم غواث حسین صاحب اور حکیم شفیع صاحب کو بھی عیدین کی نماز پڑھانے کا شرف حاصل ہے۔ قاری مسلم صاحب جو جامع مسجد جہان آباد کے امام رہ چکے ہیں، انھوں نے بھی نماز پڑھائی تھی۔ ۲۰۱۲ء کو سیدٹولہ کاکو کے امام حافظ قاری عظمت اللہ صاحب نے بڑی خوبی کے ساتھ عیدالاضحیٰ کی نماز پڑھائی۔کچھ لوگوں کو شاہ منظور صاحب کی یاد آ گئی اور طے ہو گیا کہ اب آگے بھی قاری عظمت اللہ صاحب ہی نمازِ عیدین پڑھایا کریں گے۔لیکن یہ اللہ کو

منظور نہیں تھا۔ ۸رنومبر ۲۰۱۲ء کو رات ۱۲ بجے اچانک ان کی طبیعت خراب ہو گئی اور اسی رات ان کا انتقال ہو گیا۔فی الحال نماز عیدین کی امامت و خطابت ملک تاج الدین صاحب انجام دے رہے ہیں، جو مخدوم پور کے رہنے والے ہیں۔

ادھر کچھ سالوں سے عیدگاہ کی دیکھ بھال ملک سیف صاحب کرتے آ رہے ہیں۔ دو سال قبل عیدگاہ کی توسیع بھی ہوئی ہے۔ بڑی پنہاس کی طرف جگہ بڑھائی گئی ہے۔اب بھی کام جاری ہے۔نوجوانان کاکو اور بی بی پور، عیدگاہ کو عمدہ بنانے میں دل سے لگے ہوئے ہیں۔تنویر بی بی پور ابن احمدی مرحوم نے ۴۰۰ فٹ کی صفیں (جائے نماز) دہلی سے لائی تھیں جسے عید میں اس کو استعمال میں لایا گیا تھا۔انشاء اللہ کچھ برسوں میں عیدگاہ بہتر شکل میں دیکھنے کو ملے گا۔



بادشاہی مسجد بازار ٹولہ

شاہ غفور الرحمٰن صاحب نے اپنی کتاب ’آثار کاکو‘ میں لکھا ہے کہ مسجد قدیم سید ابراہیم زندہ دل کی نگرانی میں شیر شاہ بادشاہ کے عہد میں شاہی خرچ سے تعمیر ہوئی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کی تعمیر فیروز شاہ تغلق نے کرائی تھی، جو دہلی کا حکمراں تھا۔ سید شاہ مراد اللہ فردوسی منیری نے ڈاکٹر غلام حیدر صاحب مرحوم سے خط کے ذریعہ مسجد قدیم کے بارے میں دریافت کیا تھا۔ یہ خط کتابی صورت میں چھپنا ہے اور کئی مسجدوں کے بارے میں اس میں معلومات درج ہیں، لہٰذا یہ خط تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔

مخدوم الملک حضرت شرف الدین منیری کا زمانہ تھا، فیروز شاہ تغلق اپنے دورۂ بنگال پر جا رہا تھا۔وہ کاکو سے گزرا۔اس نے بی بی کمال کے روضے کی زیارت کی

اور کاکو سے روانہ ہوا تو مخدوم الملک سے اس نے تذکرہ کیا۔ جب تغلق اپنے دورۂ بنگال سے واپس ہوا تو اس نے بی بی کمالؒ کی درگاہ کی تعمیر کرنے کا فرمان جاری کیا۔ درگاہ مکمل ہونے پر اس نے کچھ دور پر آبادی کے اندر ایک مسجد بھی تعمیر کرائی جس کا سنہ ۷۸۰ تا ۷۹۹ ہجری ہے۔ ایک پتھر پر کتبہ ہے جس پر ۷۹۹ ہجری لکھا ہے، لیکن یہ تاریخ مکمل ہونے کے بعد کی ہے۔ تعمیر ہونے کے بعد یہ مسجد منہدم ہوگئی تھی۔ اس کی پرانی بنیاد پر نئی مسجد تعمیر ہوئی چنانچہ موجودہ مسجد میں قدیم طرز تعمیر کا کوئی بھی نشان نہیں ہے۔



بازارٹولہ کی بادشاہی مسجد اور سیدٹولہ کی شاہی مسجد کے سلسلے میں

شاہ مراداللہ فردوسی منیری کا مکتوب غلام حیدر کاکوی کے نام اور غلام حیدر کا جوابی مکتوب شاہ مراداللہ فردوسی منیری کے نام

کاکو ۵ ربیع الثانی ۱۳۹۷ھ:

عزیزم بندہ مکرم زاد اللہ اقبالۂ وعلیک افضل تحیۃ وسلام۔ الحمدللہ

تادم تحریر احوال قابل شکر ہیں اور امید ہے کہ آں عزیز بھی اپنے مشاغل جمیلہ کے ساتھ بعافیت تمام ہوں گے۔

آپ نے اپنے کارڈ مرسلہ میں مساجد قدیم کے متعلق ضروری معلومات حاصل کرنے کی خواہش ظاہر کی ہے۔ مجھے بھی قدرے قلیل اس کار خیر میں جس میں آپ اس وقت مشغول ہیں حصہ لینے میں گونہ مسرت ہو رہی ہے۔ کاکو کی تمام قدیم

عمارتوں میں دو مسجدیں ہیں جو قابل ذکر ہیں۔ اور چونکہ دونوں مساجد کی تعمیر حکمران وقت فیروز شاہ تغلق کے حکم سے صورت پذیر ہوئی ہے، لہٰذا یہ خط تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ مخدوم الملک حضرت شرف الدین منیری کا زمانہ تھا۔ فیروز شاہ اپنے دورۂ بنگال پر رواں تھا۔ اس کا گزر کاکو پر سے ہوا۔ یہاں مخدومہ بی بی کمالؒ کے روضہ اقدس سے مستفیض ہوا اور اس کو محسوس کیا۔ کاکو سے روانہ ہوکر بہار شریف میں مخدوم الملک بہاری سے اس کا تذکرہ کیا۔ انہوں نے واقعات سے آگاہ کیا۔ جب اپنے دورے سے واپس ہوا تو درگاہ بی بی کمالؒ کی تعمیر کے لئے فرمان جاری کیا۔ اور درگاہ مکمل ہوئی۔ اسی سلسلے میں۔ درگاہ سے کچھ دور آبادی کے اندر ایک مسجد بھی تعمیر کرائی جس کا سنہ تعمیر ۷۸۰ تا ۷۹۹ ہجری ہے۔ اس پر جو کتبہ ہے اس پر ۷۹۹ ہجری ہے، مگر یہ تاریخ کام مکمل ہونے کے بعد کی ہے۔ مگر امتداد زمانہ سے یہ مسجد منہدم ہوگئی تھی۔ اس کی اسی بنیاد پر موجودہ مسجد تعمیر ہوئی ہے۔ لہٰذا اس مسجد میں قدامت کے طرز تعمیر کے نشانات نہیں ہیں۔

دوسری مسجد قدیم کے نام سے مشہور ہے۔ یہ اول الذکر مسجد سے بالکل مشرق میں واقع ہے۔ یہ مسجد بھی اس سے کچھ ہی عرصہ بعد تعمیر ہوئی ہے اور یہ بھی فیروز شاہ تغلق کے حکم سے تعمیر ہوئی ہے۔ گو فیروز شاہ تغلق کا اس دور میں انتقال ہوگیا تھا۔ یہ مسجد مخدوم سید ابراہیم زندہ دل کی زیر نگرانی میں تعمیر ہوئی ہے اور اس مسجد میں قدامت کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ باہر سے دیکھنے میں تین گنبد نظر آئیں گے مگر اندر سے ایک ہی گنبد کے نشان ہیں۔ اس مسجد کی تعمیر وہی ۷۹۹ھ میں مکمل ہوئی۔

خیر اندیش

غلام حیدر



شاہی مسجد سیدٹولہ

سیدٹولہ کی مسجد شاہی مسجد کے نام سے موسوم ہے یہ مسجد قدیم کے نام سے بھی جانی جاتی ہے۔ یہ بازارٹولہ کی مسجد سے مشرق میں واقع ہے۔اس کی تعمیر بھی فیروزشاہ تغلق کے حکم سے ہوئی تھی۔ یہ مسجد مخدوم سید شاہ ابراہیم زندہ دل نے اپنی نگرانی میں تعمیر کرائی تھی۔ اس مسجد میں قدامت کے آثار ہیں۔ باہر سے دیکھنے میں تین گنبد نظر آئیں گے،مگر اندر ایک ہی گنبد کا نشان ہے۔اس کی تعمیر بھی ۶۹۹ میں مکمل ہوئی تھی۔اس مسجد میں شروع سے ہی نماز جمعہ اور تراویح کا اہتمام ہوتا ہے۔ ❁❁

مسجد ملک ٹولہ

جمعہ کی نماز اور رمضان میں تراویح کی نماز اس مسجد میں ہوتی ہے۔ کچھ سال قبل ملک ٹولہ کے لوگ سیدٹولہ کی مسجد میں جمعہ اور تراویح پڑھنے جاتے تھے۔ پھر ملک ٹولہ میں مسجد بنانے کی بات ہوئی۔اس وقت وصی ملک اور بکر ملک صاحبان پیش پیش تھے۔اس مسجد کی بنیاد بکر ملک صاحب کے مکان کے سامنے اور ملک ٹولہ بنگلہ سے ملحق رکھی گئی۔ پہلے اس کا حصہ کچا تھا، بعد میں پختہ ہوا۔ دوتین سال قبل اس مسجد کی توسیع کی گئی ہے۔ ملک ٹولہ بنگلہ کا کچھ حصہ اس میں شامل کیا گیا ہے، جس سے مسجد کا رقبہ بڑھ گیا ہے۔اس مسجد کے امام عرصہ سے حافظ اسلم صاحب تھے مگر اب حافظ عارف امامت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ اس مسجد میں جمعہ کی نماز بھی ادا کی جاتی ہے۔ پہلے ملک ٹولہ کے لوگ شاہی مسجد سیدٹولہ میں جمعہ کی نماز اور تراویح پڑھنے جایا کرتے تھے، لیکن اب ملک ٹولہ کی مسجد میں جمعہ کی نماز اور تراویح ہوتی ہے۔

❁❁❁

مسجد منصوری محلّہ

کاکو کی آبادی آہستہ آہستہ بڑھ رہی ہے۔ چھوٹی پنہاس کے پارتک آبادی کا سلسلہ بڑھ گیا ہے۔ شمسی صاحب کا باغ اب رہائشی مکان میں تبدیل ہو گیا ہے۔ ہائی اسکول کاکو اور گرلس مڈل اسکول کے پیچھے ایک محلّہ آباد ہوا ہے جس کا نام منصوری محلّہ ہے۔ یہ کاکو کا سب سے بڑا محلّہ ہو گیا ہے۔اس لئے ضرورت تھی کہ اس محلے میں ایک مسجد ہونی چاہئے۔اس لئے منصوری محلّہ کے پچھم کھیت میں زمین لے کر سال ۲۰۱۸ میں اس مسجد کا قیام عمل میں ایا۔اس مسجد کے بنانے میں اسلم مظاہری صاحب جو کاکو دینی مدرسہ کے معلم تھے وہ پیش پیش تھے۔اللہ کے فضل سے اور محلّہ والوں کی کاوش سے ایک مسجد بن کر تیار ہو گئی ہے۔



قناتی مسجد سیدٹولہ

کاکو میں ۶۵۰ سال قبل ایک قناتی مسجد تعمیر ہوئی تھی جس کا نشان اب تک باقی ہے۔ یہ قناتی مسجد حضرت بی بی کمال قدس سرہا کے وصال کے ۵۰ سال بعد تعمیر ہوئی تھی۔اس دور میں غزنی سے ایک بزرگ حضرت ابراہیم زندہ دل تشریف لائے تھے اور کاکو میں مستقل سکونت پذیر ہوئے تھے۔ دہلی کا حکمراں فیروز شاہ تغلق جب کاکو آیا اور اس نے صحت کنویں کے پانی سے غسل کیا تو اس کو جذام کے مرض سے شفا ملی۔ وہ حضرت بی بی کمال قدس سرہا کے فیض سے شفایاب ہوا تھا تب اس نے فرمان جاری کیا کہ بی بی کمال کی درگاہ پختہ کی جائے۔اور ایک مسجد جو بازارٹولہ کی مسجد کہلاتی

ہے، دوسری شاہی مسجد جو سید ٹولہ میں ہے انہیں تغلق کے فرمان جاری کرنے کے بعد بہار کے گورنر نے تعمیر کرائی تھی جس کی تاریخ ہے۔اور الگ سے ایک قناتی مسجد جو ابراہیم زندہ دل کے حجرے سے متصل ہے بنوائی جس کی دیکھ ریکھ خود ابراہیم زندہ دل نے کی۔ یہ قناتی مسجد موجو بھائی کے مکان سے متصل ہے۔ جہاں سیڑھی سے چل کر سید ابراہیم زندہ دل کا مزار ہے۔ مجیب الرحمٰن عرف موجو مرحوم اور شہاب الدین عرف شہو اسی خاندان سے ہیں۔اسی نسبت سے یہ خاندان اپنے ناموں میں ابراہیمی کا اضافہ کرتا ہے۔



مسافر خانہ

سید ٹولہ شاہی مسجد سے متصل ایک عمارت بچپن سے دیکھتا چلا آ رہا ہوں۔ عرف عام میں اس کو مسافر خانہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔اس عمارت کے بارے میں یہ نہ معلوم ہوسکا کہ یہ عمارت کس سنہ عیسوی میں بنی ہے۔اس کا مقصد کیا تھا اور اس کے بنانے والے کون تھے۔اس مسافر خانے کی کوئی تاریخ نہیں ملتی ہے۔اس مسافر خانے کے پیچھے فخر الدین شمسی صاحب کا قائم کردہ مدرسہ تھا۔اوپر کی منزل میں ایک دو مرتبہ لائبریری کھولی گئی ہے۔۱۹۴۶-۴۷ میں سید ٹولہ کے لڑکے پہرہ دینے کی غرض سے اسی عمارت میں جمع ہوتے تھے اور وہیں سے پہرہ کی ڈیوٹی بانٹی جاتی تھی۔آدھے لڑکے اس عمارت میں آرام کرتے تھے اور آدھے پہرے پر ڈیوٹی دیتے تھے۔کسی خاص موقع پر سید ٹولہ کی بیٹھک وغیرہ بھی اسی عمارت میں ہوتی تھی۔ایک زمانہ میں یہ عمارت مجیب الرحمٰن ابراہیمی عرف موجو بھائی کے قبضہ میں تھی۔ان دنوں اس عمارت میں اردو پبلک لائبریری قائم ہے۔اس کتاب کو لکھنے تک یہ معلوم ہوا کہ اس عمارت میں اب کوئی لائبریری نہیں ہے۔



پری ہنس عرف پنیہاس

کاکو کی چوہدی بڑی پرفضا اور خوش نما ہے۔اتر جانب سڑک ہے جو جہان آباد سے کاکو ہوتے ہوئے بہار شریف چلی جاتی ہے۔بستی کے تین طرف پانی ہے پورب، دکھن اور پچھّم۔ برسات میں بڑی پنیہاس اور چھوٹی پنیہاس بھری رہتی ہے تو ایسا لگتا ہے کہ کاکو کوئی ٹاپو ہے۔ یہ پانی کا خزانہ کسی زمانہ میں بڑے تالاب یا جھیل کی شکل میں ہوگا۔راقم الحروف کا بنگلہ پنیہاس کے بالکل کنارے ہے۔میرے چچا فخر الدین شمسی صاحب کی کالی رنگ کی کشتی ہوتی تھی اور یہ کشتی پنیہاس کے کنارے آم کے درخت سے بندھی رہتی تھی۔ پنیہاس کے پار ہم لوگوں کا آم کا قریب پانچ بیگھہ کا باغ تھا۔کشتی سے ہم لوگ چاندنی رات میں گھومتے تھے۔فخر الدین شمسی صاحب اپنے باغ میں برسات کے مہینہ میں اسی کشتی سے آم کے باغ میں جایا کرتے تھے۔آم کے درختوں کے علاوہ امرود، سپاٹو، لیچی، بیر، لیموں، پپیتے اور سنترے کے درخت تھے۔ اس زمانے میں کاکو کے نوجوان گھڑے کا اٹھ گھڑوا بناتے تھے اور چھوٹی پنہاس سے بڑی پنہاس تک اسی اٹھ گھڑوا پر بیٹھ کر جاتے تھے۔کاکو بستی کے تینوں طرف پانی میں چکر لگاتے تھے۔اب نہ فخر الدین شمسی صاحب رہے نہ ان کی کالی کشتی رہی اور نہ اب اتنا پانی رہتا ہے۔

پانی کے خزانے کا نام پنہاس کیوں پڑا اس کی بھی ایک روایت ہے۔راجہ کوکا کی دو (۲) رانیاں تھیں ایک کا نام پری رانی اور دوسری کا نام ہنس رانی تھا۔پری ہنس سے بگڑ کر یہ نام پنیہاس ہوگیا۔ پانی کا یہ خزانہ برسات میں بھرا رہتا ہے۔ دھان کی فصل میں اگر پانی کی کمی رہ جاتی ہے تو پنہاس کا پانی دھان میں پانی کی کمی کو پورا کر دیتا ہے۔ برسات کے بعد پنہاس میں پانی کی کمی ہو جاتی ہے۔کسی زمانے میں یہ روایت

مشہور تھی کہ پہلے یہ پئیہاس بہت گہرا تھا اور اس کے بیچ میں ایک لاٹ نصب تھا۔ زمانے کے ردوبدل سے پئیہاس بھرتا گیا اور لاٹ زیرِ زمین ہو گیا۔ اس پئیہاس سے سب سے بڑا کام آب پاشی کا ہوتا ہے۔ ایسا دوسرے گاؤں میں نہیں ہے۔ برسات میں مچھلیاں کثرت سے ہوتی ہیں۔ زمینداری کے دور میں مچھلیاں زمینداروں کے گھر بانٹ کردی جاتی تھیں۔ مگر زمینداری کے جانے کے بعد لوگوں کے مشورے سے مچھلی نیلام کردی جاتی تھی۔ بلاک آفس کھلنے کے بعد یہ حکومت کی ملکیت ہوگئی۔ مچھلی کا شکار کرنے پر کچھ روک ٹوک نہ تھی۔ زمین داری کے زمانے میں نیلامی کی رقم خلافت کمیٹی اور رفاہ عام میں خرچ کی جاتی تھی۔ امسال ۲۰۱۲ میں حکومت کی طرف سے دونوں پئیہاس کی کھدائی ہوئی ہے جس سے پئیہاس کا نقشہ ہی بگڑ گیا ہے۔



کاکو کے مشاعرے

۱۲۹۸ھ میں مولوی یوسف حُسین شمسی صاحب کو یہ شوق ہوا کہ کاکو میں مشاعرہ ہونا چاہئے، چنانچہ کچھ باذوق لوگوں کی ایک نشست بلائی گئی جس میں اور لوگوں کے علاوہ محمد قادری رضا مرحوم کو جو بستی کے ایک ذی حیثیت فرد اور فارسی داں تھے اور شعری ذوق بھی رکھتے تھے ان کو راضی کیا گیا کہ بزم مشاعرہ منعقد کی جائے۔ یہ طے ہوا کہ ہر ہفتہ قادری رضا صاحب کے مکان پر مشاعرہ ہوگا۔ قادری صاحب خود بھی کبھی کبھی اپنے اشعار پڑھتے تھے۔ قادری مرحوم یہاں کے نومشق شاعروں کے استاد بھی تھے۔ وہ ان کے اشعار کی اصلاح کیا کرتے تھے۔ کبھی کبھی اپنے اشعار بھی اپنے شاگردوں کو دے دیا کرتے تھے۔ سبحان مرحوم تابش تخلص کرتے تھے۔ اس وقت

کاکو ہی کے شعراء مشاعرہ میں پڑھتے تھے۔ بیرونی شعرا کی شرکت نہیں ہوتی تھی۔ بستی کے شعرا میں حسن امام شمسی (انجینیر)، میر واحد ملک دیدار حسین، ملک شرافت حسین، شاہ غفور الرحمٰن احمد کاکوی، آبد کاکوی، نذر الرحمٰن وغیرہ۔

کچھ عرصہ بعد ۲۶ر دسمبر ۱۹۳۲ء میں جب نوجوانوں میں شعر و شاعری کا شوق پیدا ہوا تو ایک بڑے مشاعرے کا پروگرام بنایا گیا جس میں بستی کے علاوہ اطراف و جوار کے شعرائے کرام بھی مدعو کئے گئے مثلاً قاضی دولت پور، امتھوا شریف، پالی اور فروزی کے شعراء شریک ہوئے۔ پھر اکثر چھوٹے چھوٹے مشاعرے یوسف حسین شمسی صاحب کے بنگلہ پر، کبھی شاہ غفور الرحمٰن صاحب کے بنگلہ پر کبھی مڈل اسکول میں ہونے لگے۔ اس طرح کاکو میں شعر و شاعری کا شوق پیدا ہوا۔ بعد کے دور میں بہت اچھے اچھے شعرا کاکو میں پیدا ہوئے، جنہوں نے بہار میں اور بیرون بہار کاکو کا نام روشن کیا۔

۱۹۵۹ میں نسیم صاحب کی کوٹھی میں کاکو بلاک آفس کھل چکا تھا۔ کاکو بلاک کا مشاعرہ ۱۹۶۰ میں ناتھ صاحب، بی ڈی او نے کاکو کے باذوق لوگوں سے مل کر ایک مشاعرہ کا پروگرام بنایا۔ اتفاق سے پروفیسر شاہ عطاء الرحمٰن عطا کاکوی جن کا کاکو وطن بھی ہے اور ان دنوں سسرال بھی تشریف لائے ہوئے تھے۔ لوگوں کے کہنے پر ناتھ صاحب نے عطا کاکوی سے ملاقات کی اور کہا کہ ہم کاکو میں ایک یادگار مشاعرہ کرنا چاہتے ہیں جس کا سارا خرچ بلاک برداشت کرے گا۔ شاعروں پر جو خرچ ہوگا وہ سب دیا جائے گا۔ آپ شاعر ہیں، پٹنہ سے شاعروں کو بلائیں۔ عطا کاکوی تیار ہو گئے اور ایک بڑے مشاعرے کے انتظام میں لگ گئے۔ آخر کار ۲۸ر اکتوبر ۱۹۶۰ کو بلاک آفس کے کمپاؤنڈ میں ایک بڑا شاندار مشاعرہ ہوا جس کی یاد ابھی تک آتی ہے۔

اس مشاعرے میں شاہ عطاء الرحمٰن عطا کاکوی، ولی کاکوی، اختر کاکوی، ظفر

کاکوی ،شاہ ظفر کاکوی، نظر عالم نظر کاکوی، خاکسار شمسی انجم کاکوی، نعمان ہاشمی ابن شجر کاکوی شریک ہوئے۔ کچھ شعرا عطا کاکوی کی ایما پر پٹنہ سے تشریف لائے تھے جیسے سہیل عظیم آبادی، مسلم عظیم آبادی، عزیز عظیم آبادی (شاہو بیگھہ)، محسن عظیم آبادی، سید شاہ طٰہٰ اشرف امتھوی (امتھوا شریف)، ڈاکٹر اختر اورینوی (نانیہال کاکو) اور علامہ اسرار جامعی وغیر۔



شمسی بلڈنگ میں مشاعرہ

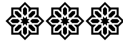
مؤلف کتاب ہذا جب علی گڑھ سے اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد وطن عزیز کاکولوٹا تو محسوس کیا کہ کاکو تعلیم یافتہ لوگوں کی بستی ہے۔اس بستی کی اپنی ایک تاریخ ہے۔ پرانے وقتوں میں کاکو میں بڑے بڑے شعرا اور ادباء پیدا کئے ہیں اس لئے کاکو میں برابر مشاعرے کا اہتمام ہونا چاہیے۔خاکسار نے اس سلسلہ میں کاکو کے کچھ باذوق لوگوں سے ملاقات کی جیسے انظار اشرفی، شفیع حیدر، شاہ علاء الدین، ملک جاوید (انجینئیر)، ظفر رضوی، ظفر امام کاکوی، شاہ ظفر کاکوی ماسٹر ظفر وغیرہ۔اس کے بعد عید کے دوسرے دن 'شمسی بلڈنگ' میں مشاعرہ منعقد ہوا۔ میرے ساتھ بلاک کے ڈاکٹر طارق جمیل بھی پیش پیش تھے۔اس طرح عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے موقع پر ہر سال کاکو میں مشاعرہ منعقد ہونے لگا۔ کاکو کے مختلف مشاعروں میں شریک ہونے والے قابل ذکر شعراء کے نام ہیں، ظفر رضوی کاکوی، ایوب رضا نشتر کاکوی (مرحوم) تنویر عالم تابش کاکوی، شمیم اختر شمیم کاکوی، یوسف شمسی، طارق محی الدین شرمیلا، شاہ ظفر کاکوی (مرحوم)، انجم سہسرامی، خورشید رشید خوشتر کاکوی، سید تابش امام، جاوید عالم کاکوی، ملک جاوید (انجینیر)، احمق گیاوی مرحوم، نظر امام نظر کاکوی مرحوم، قیوم راہی کاکوی،

سید تابش امام، حلیم اختر شاد کاکوی، شمیم بی بی پوری اور یہ خاکسار شمسی انجم کاکوی وغیرہ۔



شب برأت

کاکو میں شعبان کی پندرہویں رات کو شب برات بہت دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔ گھروں میں نیاز کے حلوے پکتے ہے۔اس وقت تک بچے حلوے کو ہاتھ نہیں لگا سکتے جب تک کہ فاتحہ نہ ہو جائے۔ کاکو میں کُچھ گھرانے وہابی مسلک کے بھی ہیں جہاں نیاز و فاتحہ نہیں ہوتا اور نہ ہی حلوہ بنتا ہے لیکن کاکو بستی میں 90 فیصدی لوگ حلوہ بناتے ہیں اور نیاز و فاتحہ کرتے ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کے یہاں حلوہ، قطلی خوب تقسیم کرتے ہیں۔ یہ رواج زمانے سے چلا آرہا ہے۔ بچے خوب پٹاخے اور پھلجھڑیاں چھوڑتے ہیں۔ شریر قسم کے لڑکے جب جلتی ہوئی مرہی کو کسی کے گھر میں پھینکتے ہیں تو اندر سے چلانے اور کوسنے کی آوازیں سن کر یہ سبھی خوب ٹھاکا لگا کر ہنستے ہیں اور مزہ لیتے ہیں۔ یہاں کے بچے خود سے مرہ بناتے ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ 1945 کے آس پاس ماسٹر غلام اشرف صاحب جو مڈل اسکول میں معلم تھے اور محلہّ سید ٹولا میں رہا کرتے تھے، محلے کے بچوں کو مرہ، پٹاخہ بنانے کو سکھاتے تھے۔ 1947 کے بعد یہ اپنی فیملی کے ساتھ پاکستان چلے گئے۔ شب برات میں کچھ سال قبل تک خانقاہوں میں قوالی ہوتی اور مزاروں پر چراغاں ہوتا تھا مگر اب قوالی کا رواج ختم ہو گیا ہے لیکن آج بھی لوگ قبرستان جاتے ہیں، چراغاں کرتے ہیں اور اپنے مرحومین کے ایصالِ ثواب کے لیے فاتحہ پڑھتے ہیں۔



جلسہ میلاد النبیؐ

کاکو میں گیارہویں شریف کے موقع پر گھر گھر میلاد شریف ہوا کرتا ہے۔ ۱۹۶۰ سے اب تک ہر محلّہ میں میلاد النبی کا عام جلسہ میدان یا چوڑی گلی میں ہوتا ہے۔ محلّہ کے نوجوان مقررین کو بلانے اور ان کے قیام وطعام کا انتظام کرتے ہیں۔ جلسہ دس بجے رات سے شروع ہوکر دو تین بجے رات تک چلتا ہے۔ بڑے بڑے عالموں کی شعلہ بیاں تقریریں ہوتی ہیں۔تقریروں کے درمیان کبھی کبھی عوام اللہ اکبر کا نعرہ لگا دیتے ہیں۔جلسہ شروع ہونے سے قبل بچّے نعت پڑھتے ہیں اور داد وصول کرتے ہیں۔ اس سے نوجوانوں میں شعروشاعری کا شوق پروان چڑھتا ہے۔پوری بستی کے عوام ایک جگہ بیٹھ کر تقریروں کا لطف اٹھاتے ہیں۔سینکڑوں لوگ خاموشی سے تقریر سنا کرتے ہیں۔

۱۹۹۷ میں پہلی بار محلّہ میٹھا کنواں کے لڑکوں نے میلاد النبی کا جلسہ منعقد کیا۔ شمسی صاحب کے مکان سے متصل گلی میں جلسہ کا انتظام کیا گیا اور جلسہ بہت شاندار رہا۔ مولانا کے قیام و طعام کا انتظام اسی خاکسار کے ذمہ تھا۔ محلے کے تین چار نوجوانوں نے نعت شریف پڑھی۔لوگوں کے اصرار پر خاکسار نے بھی نعت شریف عوام کی خدمت میں پیش کی۔باہر سے آئے ہوئے مولانا نے بھی نعت شریف سنائی۔عوام جھوم جھوم کر نعت شریف کا لطف اٹھا رہی تھی۔سیرت کا جلسہ تین بجے رات تک چلتا رہا۔پچھلے سال بھی میٹھا کنواں کے نوجوانوں نے بہت شاندار سیرت النبی کے جلسہ کا اہتمام کیا۔باہر سے آئے مہمانوں کا انتظام راقم الحروف کے ذمہ تھا۔



محرم کی مجلس

کاکو ہمیشہ باذوق لوگوں کی بستی رہی ہے۔یہاں شاعر اور ادیب ہر دور میں پیدا ہوتے رہے ہیں۔کاکو میں بہت قبل محرم کی مجلسیں ہوا کرتی تھیں۔۱۹ویں صدی میں یوسف حسین شمسی کے فرزند فخر الدین شمسی جو خود بڑے باذوق سخن شناس تھے اپنے چند دوستوں کے مشورے سے یہ تحریک چلائی کہ جس طرح کاکو کی قریبی بستی علی نگر پالی میں محرم کی مجلسیں ہوتی ہیں اسی طرح کاکو میں بھی مجلسیں منعقد کی جائیں۔اس کے بعد عشرہ محرم میں مرثیہ خوانی کی مجلسیں منعقد ہونے لگیں۔پہلی مرتبہ اس موقع پر مولوی وراثت مرحوم نے یہ رباعی مجلس میں سنائی:

یہاں بھی ہوتی تھی مجلس کبھی زمانہ ہوا
جو افتاد زمانہ سے اک فسانہ ہوا
اثر سے مغربی تعلیم کے ادھر شمسی
سمند ناز کو اک اور تازیانہ ہوا

اس کے علاوہ بھی وراثت مرحوم نے رباعیاں سنائیں۔ان مجلسوں میں میر انیس کے مرثیے سنائے جاتے تھے اور نوحے پڑھے جاتے تھے۔میر محمد یونس مجلس میں سوزخوانی کرتے تھے۔یہ مجلس فخر الدین شمسی کے بنگلہ پر ہوتی اور کبھی ملک ٹولہ بنگلہ پر منعقد ہوتی۔سب شریک ہوتے۔ایک دفعہ ملک ٹولہ کی مسجد میں ڈاکٹر موسیٰ رضا جو اس وقت کم عمر تھے مرثیہ سن کر روتے روتے بیہوش ہو گئے۔یہ مجلس چند سال تک جاری رہی۔شروع میں بستی والوں نے دلچسپی لی مگر پھر یہ سلسلہ بند ہو گیا۔اس کی وجہ معلوم نہ ہو سکی۔

۱۹۸۰ء میں اس مجلس کو دوبارہ شروع کرنے کے لئے جسٹس شمس الحسن عرف

بچو بابو سے ذکر کیا۔ جب انھوں نے پالی میں آٹھ محرم کے دن اپنے بنگلہ پر دوپہر کے کھانے کا اہتمام کیا تھا اس خاکسار نے جسٹس شمس الحسن سے کہا کہ کاکو میں پہلے محرم کی مجلسیں شمسی صاحب کے یہاں ہوا کرتی تھیں۔ ان دنوں سر سلطان چچا کاکو فخر الدین شمسی صاحب کے بنگلہ پر مجلس میں شریک ہوا کرتے تھے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ آئندہ محرم کی کسی تاریخ میں آپ سب لوگ کاکو تشریف لائیں اور محرم کی مجلس کا دوبارہ آغاز کیا جائے۔ شمس الحسن فوراً راضی ہو گئے اور کہنے لگے دادا جان (سر سلطان) شمسی دادا کے یہاں بنگلہ پر منعقد مجلس میں شریک ہوا کرتے تھے۔ اس لئے میں بھی چاہتا ہوں کہ آئندہ محرم کی کسی تاریخ کو ہم لوگ پالی سے کاکو آئیں اور محرم کی مجلس کا کاکو میں دوبارہ آغاز کریں۔ دادا جان (سر سلطان) کے ساتھ کاکو جانا مجھے بھی کچھ کچھ یاد ہے۔ اگلے سال آپ انتظام کریں، ہم لوگ آپ کے بنگلہ پر مجلس میں شریک ہوں گے۔ مگر بدقسمتی سے یہ سلسلہ شروع نہ ہو سکا۔ دوسرے سال جسٹس شمس الحسن عرف بچو بابو کا انتقال ہو گیا۔



محرم کے اکھاڑے

کاکو میں پرانے وقتوں سے محرم کا اکھاڑا بڑے جوش و خروش سے نکالا جاتا ہے۔ پالی کے شیعہ حضرات بھی کاکو کے اکھاڑے میں شرکت فرماتے۔ شہدائے کربلا کی یاد میں سپرا اور تعزیہ یکم محرم سے بننے شروع ہو جاتے۔ سپرا اور تعزیہ کی خوب سجاوٹ ہوتی اور ہر محلّہ یہ چاہتا کہ ہم دوسرے محلوں سے سجاوٹ میں سبقت لے جائیں۔ تعزیوں کا تعلق منّت اور نذر سے بھی ہوتا ہے۔ بہت سے لوگ نذر مانگ کر اپنے لڑکوں کو پیک بناتے۔ پیک کی پہچان یہ ہوتی کہ سفید کرتا سفید پاجاما، ہری پگڑی، گلے

میں نارہ بدھی اور ہاتھ میں کھجور کی پتلی چھڑی لے کر پیک ایک ساتھ کربلا کی طرف یا حسین کرتے ہوئے دوڑ کر جاتے ہیں، پھر یا حسین کے نعرے کے ساتھ واپس آتے ہیں۔ یہ سب دس محرم تک چلتا ہے۔ اس موقع پر شربت فاتحہ ہوتا۔ لوگ ایک دوسرے کو شربت پلاتے ہیں۔

کاکو کے کچھ گھروں میں بڑا اہتمام ہوتا ہے۔ کچھ گھروں میں ملیدہ چوبھا بنتا ہے۔ ۸ر محرم کو روٹ بن کر تقسیم ہوتی ہے۔ کہیں میٹھی کھیر کا فاتحہ ہوتا ہے۔ کاکو میں رواج ہے کہ ۵ر محرم کو لڑکے غول بنا کر سپر کی مٹی لاتے ہیں۔ شمس روضہ (یعنی سمن روضہ) پیہاس کے اس پار شمسی صاحب کے مزار کے پاس سے مٹی لائی جاتی ہے۔ حسین حسین یا علی کہتے ہوئے واپس لوٹتے ہیں۔ ہر محلّہ میں اکھاڑے کا ایک خلیفہ ہوا کرتا ہے۔ خلیفہ لاٹھی تلوار وغیرہ کا استاد ہوتا ہے۔ خلیفہ کی بات اکھاڑے میں سب کو ماننی ہوتی ہے۔ خلیفہ کو سبز پگڑی باندھی جاتی ہے اور ہاتھ میں تلوار دی جاتی ہے جس سے پتا چلتا ہے کہ یہ اکھاڑے کا خلیفہ ہے۔ دیش کی آزادی کے وقت ماسٹر غلام اشرف صاحب سید ٹولہ کے اکھاڑے کے خلیفہ ہوا کرتے تھے۔ ان کے پاکستان جانے کے بعد سید ٹولہ کے رہنے والے اختر ضمیری مرحوم کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خلیفہ مقرر کر دیا گیا تھا۔ ملک ٹولہ کے خلیفہ احمد امام احمد و کے بڑے بھائی استاد سادو مولوی صاحب کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اکھاڑے کا خلیفہ مقرر کر دیا گیا۔ وہ ہمیشہ خلیفہ ہوا کرتے تھے مگر وہ دماغ کے مریض تھے۔ اگر کوئی لڑکا کہتا کہ استاد امسال آپ خلیفہ نہیں رہیں گے بلکہ فلاں شخص ملک ٹولہ کا خلیفہ ہوگا۔ وہ اس لڑکے کو مرنے مارنے پر تیار ہو جاتے۔ کوئی بولتا منکی چپ رہ۔ پھر کیا تھا اس کے پیچھے کھڑاون لے کر مارنے کو دوڑتے اور کھڑاؤں پھینک کر مار بھی دیتے۔

کاکو میں ۸ر محرم سے سپرا اور تعزیہ اور علم کا جلوس نکلتا ہے۔ اکھاڑا آگے آگے چلتا اور پیچھے لوگ مرثیہ پڑھتے جاتے۔ ڈھول کی تھاپ پر اکھاڑا جمتا ہے۔ اکھاڑے

میں لاٹھی ،تلوار، بانا، گدکا اور بانا بھانجا جاتا ہے۔ خنجر زنی کا بھی مقابلہ ہوتا ہے۔ غلام اشرف بھائی، ربانی بھائی (عمر چچا کے لڑکے) کا اکھاڑے میں بڑا نام تھا۔ غازی بھائی لاٹھی کے استاد سمجھے جاتے تھے۔ خنجر زنی میں مصو (عمر چچا کے لڑکے) اور مطلوب شاہ (شاہ جلیلؒ کا پوتا) ماہر تھے۔ اگر سیدٹولہ یا ملک ٹولہ کے اکھاڑے کا جلوس کسی موڑ پر اکٹھا ہو جاتا تو سمجھئے جھگڑے کا اندیشہ ہوتا۔ ملک ٹولہ کے لوگ اڑ جاتے کہ میرا جلوس آگے جائے گا چونکہ وہ ملک ملک نہیں جو اپنی بات پر اڑا نہ ہو۔ دونوں طرف سے لاٹھیاں چلتیں مگر پھر آپس میں مل جاتے۔ آٹھویں نویں محرم کو جلوس دس بجے دن سے دس بجے رات تک رہتا۔ جلوس خانقاہ جلیلیہ پر رکتا۔ وہاں پر لاٹھی کھیلی جاتی۔ پھر شمسی صاحب کے مکان سے پورب کو ہلو والی زمین پر لاٹھی اور تلوار کا کھیل ہوتا۔ کچھ عرصہ بعد جیلانی استاد سیدٹولہ کے اکھاڑے کے خلیفہ منتخب کئے گئے، کیوں کہ پہلے خلیفہ اختر ضمیری (سیدٹولہ) کا انتقال ہو گیا تھا۔ شمسی صاحب کی طرف سے میٹھا کنواں پر کئی گھڑے شربت کے رکھے جاتے۔ یہ سلسلہ مولوی یوسف حسین شمسی صاحب (مرحوم) اور عزیز شمسی مرحوم کے زمانے سے چلا آ رہا تھا۔ حمید نگر (یعنی ہمی نگر) سے سولہ کہاروں والا ایک بہت بڑا اور اونچا تعزیہ کاکو آتا تھا۔ جب کاکو میں بجلی نہی تھی اس وقت بجلی تار کو کاٹا جاتا تھا تا کہ حمید نگر کا تعزیہ آگے بڑھ سکے۔ کہیں کہیں راستے میں درخت کی شاخیں بھی کاٹنی پڑتی تھیں۔ بعد میں حمید نگر کا تعزیہ چھوٹا ہوتا گیا پھر وہاں سے تعزیہ آنا ہی بند ہو گیا، چونکہ یہ تعزیہ یادو نکالا کرتے تھے اور اپنے ہی کندھوں پر کاکو لا کر کربلا میں دفن کرتے۔ سفید کرتہ، دھوتی اور سبز پگڑی پہنے شکور استاد ساتھ میں رہتے تھے۔ اب شکور استاد بھی نہیں رہے اور نہ اب حمید نگر کا تعزیہ ہے۔



بستی کی نشستیں

کاکو بستی کی شامیں بہت مشہور تھیں۔ شام کی یہ نشستیں کاکو کے رئیسوں کے یہاں منعقد ہوا کرتی تھیں چونکہ ان کے یہاں نشست کے لئے جگہیں ہوا کرتی تھیں۔ حویلی سے متصل بنگلہ ہوتا تھا۔ زنان خانہ سے الگ جگہ ہوتی تھی جو سب کے یہاں نہیں ہوتی تھی۔ ان رئیسوں کے پاس نوکر چاکر اور خدام ہوا کرتے تھے۔ روزانہ نشست میں شریک ہونے والے اگر نہیں پہنچتے تو فوراً اپنے خاص ملازم کو بھیجا جاتا۔ جب محفل میں سب لوگ پہنچ جاتے تو ملازم کو بھیج کر سب کے لئے چائے منگائی جاتی۔ اس دور میں حقہ یا فتح پیچ کا بھی رواج تھا۔ ہر رئیس کے یہاں فرش پر حقہ یا فتح پیچ ضرور ہوتا تھا۔ حقہ کی چلم بھرنے کے لئے الگ سے ملازم ہوتا۔ لوگوں کے بیٹھنے کے بعد چلم گرم کر کے فتح پیچ سامنے رکھ دی جاتی۔ لوگ ایک دو کش لے کر فتح پیچ دوسرے کو تھما دیتے۔ اس طرح حقہ کا دور چلتا۔ بعد کے دور میں چائے کے بعد کھینی کا رواج شروع ہوا تو لوگ ایک دوسرے سے کہتے کہ لب معشوق ہے تو لاؤ بھئی۔ اسی طرح چائے کے بعد بعض لوگ سکریٹ پیتے یا کھینی کھاتے۔ اگر صاحب خانہ کھینی کا شوق رکھتے تو ان کے ملازم کھینی بنا کر تیار رکھتے۔ صاحب خانہ کہتے جمن میاں کہاں ہے ہماری لب معشوق۔ جمن میاں کہتے حاضر ہے حضور۔ پھر جن کو کھینی کا شوق ہوتا وہ استعمال کرتے۔ ملازم دو ایک اگالدان لا کر ان کے بیچ رکھ دیتا۔ یہ سب سہولتیں عام گھروں میں نہیں ہوا کرتی تھیں۔

کتاب آثار کاکو سے پتا چلتا ہے کہ سو سال پہلے مولوی یوسف حسین شمسی اور عزیز شمسی برادران کے یہاں بہت پہلے سے نشست ہوتی چلی آ رہی تھی، چونکہ یہ لوگ صاحب حیثیت تھے۔ ان کے یہاں کسی چیز کی کمی نہ تھی۔ میری یاد میں فخر الدین شمسی

صاحب کے گھر کی نشست میں چائے بنانے کے لئے شکری میاں، چلم چڑھانے کے
لئے نصیر میاں اور کسی کو بلانے کے لئے سفیر میاں ہوتے تھے یا محمد جان میاں۔ یہ شمسی
صاحب کے خاص ملازم تھے۔ یوسف شمسی اور عزیز شمسی کے بعد یہ نشست فخر الدین
شمسی کے باہری چبوترے پر گرمی میں ہوتی تھی۔ اپنے بچپن میں میں نے بھی دیکھا
ہے۔ اسی طرح شیخ عبدالرحمٰن صاحب گھسو بابو جو رئیس کاکو تھے ان کے یہاں بھی
نشست ہوتی تھی۔ یہ نہ معلوم ہو سکا کہ ان کے یہاں کن کن لوگ کی شرکت ہوتی
تھی۔ فخر الدین شمسی کی نشست میں آنے والے اظہار مظہری صاحب، ڈاکٹر صلاح
الدین صاحب، سونا صاحب، ماسٹر اسحاق صاحب (ہیڈ ماسٹر مڈل اسکول) ملک ٹولہ
سے بکر صاحب، عمر صاحب، احمد صاحب، وصی صاحب، اس طرح کے لوگ فخر الدین
شمسی صاحب کے یہاں نشست میں آتے تھے۔ کبھی کبھی شمسی صاحب نوجوانوں کو بھی
خاص طور سے محمد جان یا سفیر کو بھیج کر بلواتے تھے۔ مولوی ابرار صاحب (رئیس کاکو)
کے باہری بنگلہ پر شام کی نشست ہوتی تھی۔ ابرار صاحب کے یہاں نشست میں بیٹھنے
والے زیادہ تر چھوٹے زمیندار یا کھیتی باڑی کرنے والے لوگ آتے۔ فخر الدین شمسی
کے یہاں سیاسی لوگ زیادہ بیٹھتے تھے، کبھی جہان آباد کے ایس ڈی او یا جہان آباد کے
افسران یا ایم ایل اے وغیرہ۔ ان کے یہاں پٹنہ سے کوئی نہ کوئی سیاسی شخصیت آیا کرتی
تھی۔ بعد کے دنوں میں ڈاکٹر صلاح الدین بازار ٹولہ کے یہاں شروع ہوئی۔ ملک
ٹولہ کے علیم بھائی، ڈاکٹر یحییٰ صاحب، علی رضا بھائی عالو، سید ٹولہ کے الیاس بھائی
مغرب کے بعد نشست میں روزانہ شریک ہوتے تھے۔ اب ان میں سے کوئی بھی
باحیات نہیں۔

آزادی سے پہلے ۱۹۴۵ کا وہ زمانہ مجھے یاد ہے۔ والد کے انتقال کے بعد
میں دہلی سے کاکو واپس آ گیا تھا۔ شام میں مغرب کے بعد میرے چچا فخر الدین شمسی
صاحب کے یہاں، جو صرف "صاحب" کے لقب سے جانے جاتے تھے محفل جمتی

تھی۔ اس محفل میں صلاح الدین بھائی، اظہار مظہری بھائی، سونا بھائی، حافظ قاسم
صاحب، ماسٹر اسحاق صاحب، شمس الضحیٰ صاحب وغیر روزانہ شام میں آتے تھے۔ چونکہ
ان دنوں دیش کی آزادی قریب تھی۔ دیش میں آندولن چل رہا تھا۔ شمسی صاحب نے
کاکو میں پہلا ریڈیو (مارکونی) منگوایا تھا۔ چھت پر اسپیکر لگایا گیا تھا تا کہ نیوز کی آواز
پھیلے اور تمام لوگوں کے کانوں تک جائے۔ اخبار پڑھ کر تبصرے ہوتے۔ حقے کا دور
چلتا۔ آخر میں محمد جان کو جو شمسی صاحب کا خاص ملازم تھا حکم ہوتا کہ چائے لاؤ۔ محمد جان
کچھ ہی دیر میں حویلی سے چائے کی طشت لے کر حاضر ہوتا اور سب کے ہاتھ میں پیالی
دیتا۔ چائے پینے کے بعد مجلس برخاست ہو جاتی۔ سب لوگ اپنے گھر تشریف لے
جاتے۔ کچھ لوگوں کے ہاتھوں میں لالٹین رہتی اور کچھ کے پاس ٹارچ ہوتا۔ اسی طرح
پھر دوسرے دن کی تیاری شروع ہو جاتی۔ یہ روزانہ کا معمول تھا۔



کاکو کے محلے

کاکو بستی ایک وسیع و عریض رقبے پر پھیلی ہوئی ہے۔ کاکو بستی کا رقبہ حکومت
کے کاغذات پر ۴ ہزار ۴۸ بیگھہ ۴ کٹھہ ۴ دھور ۴ دھرکی ہے۔ خاص بستی کی آبادی پچاس
ہزار نفوس پر مانی جاتی ہے جس میں ہندو اور مسلمان دونوں شامل ہیں۔ کاکو میں ہندو
اور مسلم ووٹرس تقریباً پندرہ ہزار سے اوپر ہیں۔ یہ بستی آٹھ محلوں میں منقسم ہے جن میں
مسلم آبادیاں ہیں۔ (۱) سید ٹولہ (۲) ملک ٹولہ (۳) میٹھا کنواں (۴) گلزار محلّہ
(۵) شاہ ٹولی (۶) بازار ٹولہ (۷) منصوری ٹولہ (۸) دکھن ٹولہ (۹) مسہڑ ٹولی۔ اسی
طرح ہندو محلے بھی ہیں مثلاً (۱) لالہ ٹولی (۲) بھومیہار ٹولی (۳) کوئری ٹولہ (۴) چمار
ٹولی (۵) دھوبی ٹولہ وغیرہ۔ سید ٹولہ اکثر سیدوں کی رہائش گاہ تھی۔ ملک ٹولہ میں ملک'

میٹھا کنواں میں شیخ برادری کے لوگ ہیں اور کچھ انصاری بھی ہیں۔ میٹھا کنواں کے پاس لبِ پئیہاس میں شمسی برادران کا بنگلہ ہے۔ گلزار ٹولی میں ملی جلی آبادی ہے جیسے رنگریز، چوڑی ہارے، دفالی، حلوائی، انصاری، منصوری، ملک، بازار ٹولہ میں ملک برادری کے علاوہ قریشی برادری کی کثرت ہے۔ دکھن ٹولہ میں زیادہ تر انصاری اور شیخ برادری کے لوگ ہیں۔ کچھ ہندو بھی ہیں جیسے کہار اور یادو۔ منصوری محلّہ چند سالوں سے آباد ہوا ہے۔ اس محلّہ میں منصوری برادری کے علاوہ انصاری، شیخ اور کچھ ملک بھی آباد ہیں۔ مسہر ٹولہ میں مسہر آباد ہیں۔

یہ کہاوت ہی نہیں حقیقت ہے کہ رئیس کاکو، شیخ عبدالرحمٰن عرف گھسو بابو کے بنگلہ کے سامنے مولوی ابرار صاحب نے اپنی زمین پر چمار ٹولی بسادی۔ دوسری طرف گھسو بابو نے اپنی زمین پر، رئیس کاکو ابرار صاحب کے بنگلے کے پیچھے مسہڑوں کو بسادیا۔ اس طرح زمینداروں میں آپس میں چشمک چلا کرتی تھی۔ ویسے ہر محلّہ میں کچھ نہ کچھ دوسری برادری کے لوگوں نے اپنے مکانات بنائے ہیں۔ یہی کاکو کے محلّوں کی تاریخ ہے۔



کاکو کی گلیاں

ہندوستان کی آزادی سے پہلے کاکو کی گلیاں بہت مشہور تھیں، جنہیں بی بی کی گلیاں کہا جاتا تھا۔ عورتوں کے لئے پتلی پتلی گلیاں بنی ہوئی تھیں، عورتیں بغیر برقعے کے ایک دوسرے کے یہاں آیا جایا کرتی تھیں۔ ان گلیوں میں مرد لوگوں کو چلنے کی اجازت نہیں تھی۔ کچھ گلیاں ایک دوسرے سے جڑی ہوئی تھیں۔ ۱۹۴۶ء کے فساد کے زمانے میں کچھ گلیوں کو بند کر دیا گیا تھا تا کہ ہنگاموں میں پتلی گلی سے بلوائی گھس نہ

آئیں۔ کچھ گلیاں آج تک کھلی ہوئی ہیں اور بعض گلیاں آج تک بند ہیں۔ کاکو کی گلیاں اینٹوں کی بنی ہوئی ہیں۔ اب ان پر مٹی جمتی جا رہی ہے۔ پہلے صفائی ستھرائی کا انتظام یونین بورڈ کی طرف سے ہوا کرتا تھا۔

اب کاکو بلاک ہونے کے بعد بھی گلیوں کی صفائی نہیں ہوتی ہے۔ چوکیداری نظام رائج تھا۔ ہر گلی کے نکڑ پر کراسن تیل کا لیمپ ہر کھمبے پر لگا ہوتا تھا۔ آج بجلی رہنے کے باوجود گلیاں اندھیری رہتی ہیں۔ اس وقت گلیاں روشن رہتی تھیں۔ اس زمانے میں بغیر ٹارچ کے لوگ راتوں میں چلتے تھے، گر جانے کا کوئی خطرہ نہیں ہوتا تھا کیوں کہ گلیاں ہموار تھیں۔ پانی کی نکاسی کے لئے جگہ جگہ پکی نالیاں بنی ہوئی تھیں۔ یہ سب کام یونین بورڈ کی طرف سے ہوتا تھا۔ یونین بورڈ کے صدر کاکو سے ہی منتخب ہوتے تھے۔ یونین بورڈ کے پہلے صدر فخرالدین شمسی کے والد ماجد مولوی یوسف شمسی ہوئے تھے۔ انہوں نے صدر ہوتے ہی بہت سارے کام انجام دیئے۔ گلیوں کو پکی کروانا، پکی نالیاں بنوانا، محلّہ میں صفائی ستھرائی کا انتظام، رات میں روشنی کا انتظام وغیرہ سب کچھ یونین بورڈ کے صدر محترم نے انجام دیا تھا۔ پوری بستی کا پانی پئیہاس میں جا کر گرنے کا انتظام تھا۔ یہ سب کام میلہ اور آٹھ سجّھا کی آمدنی سے ہوتا تھا۔ رمضان شریف میں سحری کے لئے جگانے والے دفالی ڈھول بجاتے مگر اندھیرے میں ان لوگوں کے گرنے پڑنے کا اندیشہ نہیں ہوتا تھا۔ یہ تھیں کاکو کی گلیاں۔ اب نہ وہ کاکو ہے نہ وہ کاکو کی گلیاں۔



یونین بورڈ

یونین بورڈ ایک سرکاری محکمہ تھا۔ یونین بورڈ بھی بلاک کی ایک قسم تھی اس کو بھی چھوٹے پیمانے پر بلاک کہہ سکتے ہیں۔ کاکو میں یونین بورڈ کا دفتر سب ڈیویژنل

آفس جہان آباد کی طرف سے کھولا گیا تھا۔اس کا مقصد گاؤں کے چھوٹے چھوٹے کام گاؤں میں ہی نپٹا لئے جائیں۔پنچایتی محلّہ بھی اسی کے تحت تھا۔چھوٹے چھوٹے روزمرّہ کے معمولی جھگڑوں کے مقدمات کے فیصلے کرنے کا اختیار صدر یونین بورڈ کو ہوتا تھا۔اس کی ایک کمیٹی ہوتی تھی اور ووٹنگ کے ذریعہ صدر کا انتخاب ہوتا تھا۔صدر منتخب ہونے کے بعد صدر کو یہ اختیار ہوتا تھا کہ وہ کسی کو بھی ممبر چن سکتا تھا۔

یونین بورڈ کے پہلے صدر فخر الدین شمسی کے والد ماجد مولوی یوسف حسین شمسی منتخب کئے گئے اور بستی کے چند لوگ ممبر منتخب ہوئے تھے۔کچھ ممبران کاکو بستی سے باہر کی بستیوں کے بھی شامل کئے گئے تھے۔مولوی یوسف حسین شمسی کے انتقال کے بعد منشی رام سروپ سنگھ اور پھر بابو راگھو سنگھ صدر منتخب ہوئے۔یونین بورڈ کے آخری صدر بابو راج نندن سنگھ عرف راجا سنگھ تھے جو امر پور (پالی) کے رہنے والے تھے۔ یونین بورڈ کے ذریعہ رفاہ عام کا کام ہوتا تھا۔مثلاً گلیوں کو پختہ کرانا،شفاخانہ اور کنویں تعمیر کرانا۔اس طرح کے اور بھی کام صدر انجام دیتا تھا۔۱۹۵۸ میں بلاک بن جانے کے بعد حکومت نے سارے یونین بورڈ کو ختم کر دیا۔جو کام یونین بورڈ انجام دیا کرتا تھا وہ اب بلاک انجام دیتا ہے۔



ڈاک خانہ

کاکو بستی میں ڈاک خانہ ۱۲۸۰ ہجری میں کھلا تھا۔ڈاک خانہ کھل جانے سے بستی کے لوگوں کو بڑی سہولت ہوگئی۔اس سے قبل کاکو کے لوگ جہان آباد جا کر پوسٹ آفس میں خط ڈالا کرتے تھے۔جہان آباد سے ڈاک کا ہرکارہ ۲/ بجے دن میں روزانہ خطوط کا تھیلا لے کر پیدل آتا۔آزادی کے بعد وہ سائیکل پر آتا تھا اور خطوط دے کر

تین بجے جہان آباد واپس ہو جاتا۔پھر جلو بھائی (جلیل نام تھا) بستی اور اطراف میں خطوط اور منی آرڈر تقسیم کیا کرتے تھے۔

میں نے اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھا ہے کہ ہرکارے کے آنے سے قبل کچھ لوگ ایک بجے سے ہی صلاح الدین صاحب کے مکان پر جمع ہو جاتے تھے اور ڈاک خانے کے پاس کھڑے ہو کر ڈاک کا انتظار کرتے رہتے تھے۔جب ڈاک آجاتی تھی تو جلو بھائی خطوط کی سورٹنگ کرتے تھے اور ان کے نام پکار پکار کر خطوط دیا کرتے تھے۔یہی روزانہ کا معمول تھا۔وقت گزرنے کے ساتھ حالات بدلتے چلے گئے۔شروع میں ڈاک خانہ بڑی بازار یعنی سڑک پر کسی بنیے کے مکان میں کھلا تھا۔پھر نور الحسن صاحب کے مکان میں منتقل ہو گیا اور پھر عرصہ دراز تک ملک شمس الحق صاحب کے مکان میں کرایہ پر رہا۔ملک شمس الحق شاید ملک صلاح الدین صاحب کے والد کا نام تھا۔صلاح الدین مرحوم کے مکان سے منتقل ہو کر لالہ کے مکان میں آگیا۔کچھ عرصہ بعد لالہ کے مکان سے منتقل ہو کر حسن امام صاحب کے اوپری حصہ پر آیا۔ستمبر ۲۰۱۲ میں للن سنگھ کی بلڈنگ میں منتقل ہو گیا۔پتا نہ چل سکا کہ ۱۳۲ سال قبل یہاں ڈاک خانہ کس بنیاد پر کھلا تھا۔شروع سے ہی ڈاک گھر کا کرایہ حکومت دیتی رہی ہے۔پوسٹ مین کا کام جلو بھائی کے بعد بابو لال انجام دے رہے تھے۔ان کے ریٹائرڈ ہونے کے بعد ان کا لڑکا پچھمن ان کی جگہ پر کام کرنے لگا۔ڈاکخانہ کے اوپر اسٹیٹ بینک آف انڈیا ہے جو یکم ستمبر ۲۰۱۲ کو کھلا تھا۔اسٹیٹ بینک ۷/نومبر ۲۰۱۲ سے کام کرنے لگا۔



مگدھ کا پہلا اردو پریس اور اخبار

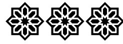
1894 میں اس وقت کاکو جیسے دیہات میں یوسف حسین شمسی صاحب جو بہت ہی جدت پسند کہلاتے تھے، مگدھ کا پہلا اردو پریس قائم کر کے سب کو حیران کر دیا تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ ان شہروں میں اس سے پہلے کوئی اردو پریس نہیں تھا۔ اس پریس کے ذریعہ انہوں نے اردو اخبار 'کحل البصر'، نکالا۔ یہ پریس چند سالوں تک چلا پھر بند ہو گیا۔ شہر گیا، اورنگ آباد اور جہان آباد اطراف کے لوگ طباعت کے لئے کاکو آتے تھے۔ اس پریس نے 1894 میں ہی فارسی کتاب ''مکتوب ابوالعلاء'' شائع کی۔ یہ کتاب حضرت امیر ابوالعلاء قدس سرہ کی فارسی مکتوبات کا مجموعہ ہے۔ اس پریس سے شائع شدہ چند اخبارات اور یہ کتاب عطا کاکوی مرحوم کی ذاتی لائبریری میں موجود تھی جو ضائع ہو گئی۔



بادشاہ فیروز شاہ تغلق کی آمد

بادشاہ فیروز شاہ تغلق ۷۵۹ھ میں بہار شریف جاتے ہوئے کاکو سے گزرا تھا۔ درگاہ کے باہری حصے میں صحت کنواں کے نام سے مشہور ایک کنواں ہے جس کا پانی فیروز شاہ تغلق نے جذام سے چھٹکارا پانے کے لئے استعمال کیا تھا۔ اور اس پانی کے استعمال سے اُسے مکمل شفا حاصل ہوئی تھی۔ جس مقام پر حضرت بی بی کمال قدس سرہا کا آستانہ ہے وہیں پر اس کا پڑاؤ ہوا تھا۔ اُس وقت وہاں پر ایک چھوٹی سی بستی بی بی پور نام کی موجود تھی۔ بی بی پور والوں سے بادشاہ کو یہ خبر ملی کہ یہاں پر مخدوم شرف

الدین منیری کی حقیقی خالہ آسودۂ خاک ہیں۔ بادشاہ نے از راہ عقیدت حکم نامہ صادر کیا کہ بی بی کمال کا روضہ پختہ بنا دیا جائے۔ بہار کے گورنر نے ۷۶۰ہجری مطابق ۱۳۵۹ء ایک عالی شان روضہ بنوا دیا اور اسی کے ساتھ ایک وسیع پختہ عیدگاہ بھی تعمیر کروائی۔ بادشاہ فیروز شاہ تغلق نے بازار ٹولہ کی بادشاہی مسجد اور سید ٹولہ کی شاہی مسجد کی تعمیر کا بھی حکم دیا تھا۔



اقتباس از تاریخ مگدھ

شائع کردہ انجمن ترقی اردو، دہلی ۱۹۴۴ء صفحہ ۹۵-۹۹

تاریخی واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ محمد بن بختیار ۶۰۳ ہجری مطابق ۱۲۰۶ء کے عہد سے پہلے ہی مسلمان بہار میں آنا شروع ہو گئے تھے۔ تاریخ سالار مسعود غازی ۴۲۰ھ سے ظاہر ہوتا ہے کہ محمود غزنوی کے انتقال ۴۲۲ھ مطابق ۱۱۳۰ء سے دو ایک سال پہلے اس کا لشکر اس کے ایک بھانجے سالار مسعود غازی کے تحت ہندوستان آیا اور اس نے مشرقی علاقے پر چڑھائی کی۔ اکثر راجاؤں نے متحد ہو کر اس کا مقابلہ کیا لیکن ان میں بعض وہ تھے جن کے سلطان محمود سے تعلقات تھے۔ سالار مسعود راجاؤں کو شکست دے کر بہرائچ میں شہید ہوا۔ سالار مسعود کا بنارس تک آنا مذکور ہے۔ بلخی نے یہ بھی لکھا ہے کہ مسعود غازی کے سپاہی جنگ کے بعد بہار میں ادھر ادھر پھیل گئے تھے۔ جن مقامات پر سپاہی شہید ہوئے وہاں گنج شہیداں کے نام سے جگہ موجود ہے۔ کڑا مانک پور، غازی پور، سیوان (بہار) کے علاوہ قصبہ منیر میں بھی ایسی جگہ موجود ہے۔ اس واقعہ کی یاد میں سالانہ میلہ ہوتا ہے جو غازی میاں میلہ کے نام سے مشہور ہے۔ ۵۷۶ھ مطابق ۱۱۷۸ء میں حضرت تاج فقیہ اور قطب سالار نے راجہ منیر کو شکست دے کر منیر پر قبضہ کیا تھا۔ حضرت تاج فقیہ اور قطب سالار کے آنے سے پہلے ایک مسلمان مومن عارف نامی منیر میں رہتے تھے۔ اس زمانے میں مومن عارف یا کسی مسلمان کا منیر میں رہنا قرین قیاس ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ مسعود غازی کے ساتھیوں میں سے کسی نے منیر میں آ کر سکونت اختیار کی ہو اور اسی کی نسل سے مومن عارف ہوں۔

ایک واقعہ یہ ہے کہ منیر کے رہنے والے ایک برہمن نے ایک دعوے کے

ثبوت میں ایک تانبے کی تختی عدالت میں پیش کی تھی جس کی رو سے قنوج کے راجہ نے ایک موضع منیر میں اسے عطا کیا تھا۔ اس تختی پر جو سنہ درج ہے اس میں ۱۱۲۶ عیسوی کے مطابق ۵۲۰ ہجری ہوتا ہے۔ ۵۷۶ھ میں حضرت تاج فقیہ کا منیر فتح کرنا تاریخی طور پر ثابت ہوتا ہے۔ حضرت تاج فقیہ مخدوم یحیٰؒ منیری کے دادا تھے اور مخدوم شرف الدین منیری (بہار شریف) فرزند تھے۔ مخدوم شرف الدین کی پیدائش ۶۶۱ھ میں ہوئی تھی۔



بزم کمال اور پبلک لائبریری

کاکو کی عوام میں علمی بیداری شروع سے ہی رہی ہے۔ آج سے ۱۱۲ سال قبل محرم ۱۹۰۱ء میں ایک لائبریری قائم ہوئی جس کا نام بی بی کمال لائبریری رکھا گیا۔ بی بی کمال لائبریری کب اور کن حالات میں ختم ہوئی اس کی کوئی تاریخ نہیں ملتی۔ ۱۹۳۸ء میں بزم کمال کے نام سے ایک انجمن قائم کی گئی۔ اس انجمن کے ذریعہ دوبارہ ایک لائبریری قائم کی گئی جس کے پہلے سکریٹری عطاء الرحمٰن عطا کاکوی منتخب ہوئے۔ اس لائبریری میں اخبارات اور رسائل نیز مختلف علم وفن کی کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ جمع کیا گیا۔ لائبریری وقت مقررہ پر کھولی جاتی تھی۔ نوجوان طبقہ بڑی دلچسپی کے ساتھ اس لائبریری کو فروغ دیتا رہا۔ لائبریری کی اپنی کوئی بلڈنگ نہ تھی۔ یہ لائبریری عطا کاکوی کی رہائش گاہ پر تھی۔ انجمن ترقی اردو کی جو کتابیں پہلے سے موجود تھیں وہ بھی اس لائبریری میں جمع کر دی گئیں۔ اس طرح یہ ایک بڑی لائبریری بن گئی۔ بہت کوشش کے بعد اجمالی فنڈ کی رقم سے لائبریری کی ایک الگ عمارت مڈل اسکول سے متصل بنائی

گئی۔۱۰/اکتوبر۱۹۴۱ءکو یہ لائبریری اپنی نئی بلڈنگ میں منتقل ہوگئی۔ میں نے بھی اس لائبریری کی عمارت کو۱۹۴۵ء میں دیکھا تھا۔شاید اس میں کتابیں نہیں تھیں۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عطا کاکوی کے بعد جو سکریٹری منتخب ہوئے ان کی عدم توجہی کی وجہ سے عمارت مرمت طلب ہوگئی اور کتابیں بھی ادھر ادھر ہوگئیں۔اب اس لائبریری کا وجود باقی نہیں ہے، مگر آج بھی وہ جگہ لائبریری کے نام سے جانی جاتی ہے۔



ادبی دنیا لائبریری

سید ٹولہ شاہی مسجد سے متصل مسافر خانہ کے اوپر ادبی دنیا لائبریری ۱۹۴۵ء میں قائم ہوئی۔ قائم کرنے والوں میں یہ نام قابل ذکر ہیں: مجیب الرحمٰن عرف (موجو) شہاب الدین عرف (شہبو) فضل احمد شمسی عرف (شریف) لطیف شمسی عرف (الما) وغیرہ۔ اس لائبریری میں الما شمسی نے اپنی ذاتی چار کرسیاں، ایک میز، ایک بڑی اور ایک چھوٹی الماری، کچھ پرانی کتابیں اور میگزین دئے تاکہ لائبریری کا کام شروع ہوجائے۔ یہ لائبریری بھی ہندوستان کی آزادی کی نذر ہوگئی۔

۱۹۴۶ء کے ہنگاموں کے بعد ۱۹۴۷ء کے شروع ہی میں سید ٹولہ کے لوگ پاکستان منتقل ہوگئے، اس لئے لائبریری بھی بند ہوگئی۔ کتابیں کیا ہوئیں کچھ پتا نہیں۔ چھوٹی الماری مجھے واپس مل گئی، باقی چیزیں سب لائبریری ہی میں رہ گئیں۔



بزم کہکشاں

ملک ٹولہ کے نوجوانوں نے بزم کہکشاں کے نام سے ایک بزم کی بنیاد ڈالی۔۱۹۷۲ء میں بزم کہکشاں کے تحت ملک ٹولہ بنگلہ پر گرین ہاؤس کمرہ میں ایک لائبریری قائم ہوئی، مگر کچھ ہی دن بعد لائبریری بند ہوگئی، وجہ معلوم نہ ہوسکی۔



ڈاکٹر محی الدین شمسی لائبریری

ڈاکٹر محی الدین شمسی کے انتقال کے بعد ایوب رضا نشتر جو ایک نوجوان شاعر تھے، ادب سے دلچسپی رکھتے تھے اور پیشے کے اعتبار سے ماسٹر تھے، انہوں نے فخر الدین شمسی مرحوم کے مکان، شمسی ہاؤس میں ۹/دسمبر ۱۹۹۰ء میں ڈاکٹر محی الدین شمسی کی یاد میں، ڈاکٹر محی الدین شمسی لائبریری قائم کی۔ کافی کتابیں جمع ہوگئیں۔ دہلی سے بھی شمسی لائبریری کے لئے بہت سی کتابیں لائی گئیں۔ انجمن ترقی اردو نے بھی کچھ کتابیں شمسی لائبریری کے لئے بھیجیں۔ باہر سے بھی کچھ کتابیں شمسی لائبریری کے لئے آئیں۔ مگر ایوب رضا نشتر کے انتقال کے بعد یہ لائبریری بند ہوگئی۔ اس کی کتابیں کہاں گئیں کچھ معلوم نہ ہوسکا۔



اُردو لائبریری

کاکو میں اردو لائبریری کی کمی محسوس کی گئی۔اس سلسلے میں ایک بیٹھک ۱۲رفروری ۱۹۹۶ءکو سیدٹولہ شاہی مسجد سے متصل مسافر خانہ کے اوپر منعقد ہوئی جس میں سیدٹولہ کے لوگ زیادہ تھے۔میٹنگ میں یہ طے پایا کہ کاکو میں ایک اچھی اردو لائبریری کا قیام ضروری ہے۔یہاں کے لوگ ماشاءاللہ تعلیم یافتہ ہیں۔۱۹۰۹ء سے ہر دور میں یہاں لائبریری قائم ہوتی رہی ہے اس لئے آج اس میٹنگ میں لائبریری کی بنیاد رکھی جائے۔سب لوگوں کی رائے سے دوبارہ سیدٹولہ مسجد سے متصل مسافر خانہ کے اوپر اردو لائبریری کاکو کے نام سے قائم ہوئی۔اردو لائبریری کاکو کے پہلے سکریٹری شمس الدین انصاری (مرحوم) منتخب کئے گئے اور وہ اپنی زندگی بھر اردو لائبریری کو بڑی خوبی کے ساتھ چلاتے رہے۔اپنی جیب خاص سے کلکتہ سے کتابیں لاتے اور کلکتہ کے دوسرے لوگوں سے کتابیں جمع کر کے بھی لائبریری میں کتابیں لاتے۔شمس الدین مرحوم کے عہد میں لائبریری میں کتابوں کا اچھا خاصا ذخیرہ جمع تھا بہت سارے میگزین بھی موجود تھے۔اردو، ہندی اور انگریزی کے روزنامے پابندی سے آتے تھے۔کچھ ماہانہ میگزین بھی آتے تھے۔ہر ماہ کتابوں کا اضافہ ہوتا رہا۔ان کے انتقال کے بعد بھی لائبریری چل رہی ہے مگر وہ بات کہاں جو شمس الدین مرحوم کے زمانے میں تھی۔ان کے انتقال کے بعد کوئی دوسرا ایسا سکریٹری نہ ہوسکا جو ان کی طرح دلچسپی لے کر لائبریری کو ترقی دے۔(اللہ ان کو جنت نصیب فرمائے)۔ان کے انتقال کے بعد کون سکریٹری بنے معلوم نہ ہوسکا۔اب وہ اردو لائبریری بند ہو چکی ہے۔یہ لائبریری کب بند ہوئی اس کا مجھے علم نہیں۔



انجمن ترقی اُردو کے تحت لائبریری کا قیام

کاکو بستی میں ہر زمانے میں مختلف طور پر علمی وادبی مذاق ہمیشہ رہا ہے۔پڑھے لکھے گھرانوں کے لوگوں کے پاس اپنی ذاتی کتابوں کا سرمایہ موجود رہا۔اس دور میں عطاء الرحمٰن عطا کاکوی کے پاس پانچ سو کتابوں کا سرمایہ مختلف موضوعات پر تھا، جن میں عربی، فارسی اور اردو کی کتابیں تھیں۔اور اردو اساتذہ کے کلیات و دیوان تھے۔شاہ فریدؒ (خانقاہ فریدیہ) کو بھی کتابوں کا بڑا شوق تھا۔ان کے پاس بھی ادب و شعر کی کتابیں موجود تھیں۔ان کے پاس بزرگان دین کے احوال وآثار پر جو کتابیں بڑی تعداد میں تھیں۔اسی طرح مولوی عبدالحلیم مرحوم بانی مدرسہ عربی کے پاس بھی احادیث فقہ اور دیگر مذہبی کتابوں کا ذخیرہ تھا۔مگر اس وقت بستی میں کوئی لائبریری نہیں تھی، جس سے عوام کو فائدہ حاصل ہو سکے۔

مارچ ۱۹۱۸ء میں ایک سفیر مسمیٰ بہ عبدالعلیم مظہر علی ردولوی اورنگ آباد دکن کی انجمن ترقی اردو کی طرف سے کاکو پہنچے اور انجمن کی ایک شاخ شیخ عبدالرحمٰن اور یوسف حسین شمسی اور دیگر دوستوں کے مشورے سے قائم ہوئی۔اجمالی فنڈ سے رقم ادا کی گئی اور انجمن کی ساری مطبوعات منگوائی گئیں۔اور اس طرح ایک کتب خانہ کا قیام عمل میں آیا۔لائبریری کا قیام مولوی یوسف حسین شمسی کے بنگلہ پر ہوا۔لائبریری کے سکریٹری ملک شرافت حسین بنائے گئے۔لیکن اس لائبریری سے فائدہ حاصل نہ ہو سکا، چونکہ اس کے کھلنے اور بند ہونے کا کوئی خاص وقت نہ تھا۔کبھی کھلی تو کبھی بند۔کوئی ایسا آدمی بھی نہ تھا جو لائبریری کو وقت کی پابندی سے کھولتا اور بند کرتا اور ذمہ داری سے چلاتا۔
کاکو کے پڑھے لکھے نوجوان اس کمی کو محسوس کر رہے تھے کہ ایک ایسی لائبریری ہونی چاہئے جس سے نوجوان فائدہ اٹھاسکیں اور ان میں علمی صلاحیت پیدا ہو سکے۔اسی

ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے ۱۹۲۹ میں شاہ منظور الرحمٰن اختر کاکوی یعنی عطا کاکوی کے بڑے بھائی نے اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے اپنے احباب کے مشورے سے لائبریری کا منصوبہ بنا کر بزم کاکو کی بنیاد ڈالی۔



انجمن ترقی اردو شاخ-۲

خاکسار نے علی گڑھ سے لوٹنے کے بعد یہ محسوس کیا کہ اگلے وقتوں میں انجمن ترقی اردو کی شاخ کاکو میں قائم تھی جواب نہیں ہے۔ خاکسار انجمن ترقی اردو ہند شاخ علی گڑھ کا جنرل سکریٹری رہ چکا تھا، اس لئے شدت سے اس کمی کو محسوس کرتے ہوئے انجمن ترقی اردو کی شاخ قائم کرنے کے لئے ایک نشست محمد شرف الدین عرف محمد ابرار مرحوم رئیس کاکو کے بنگلہ پر ۱۲/مارچ ۱۹۶۳ء کو طارق جمیل اسسٹنٹ سرجن (نعمان چیمبر پٹنہ) کی صدارت میں منعقد کی، جس میں نوجوانان کاکو نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ صدر اظہار مظہری منتخب ہوئے، سکریٹری انظار اشرفی، خازن سلام دکاندار، ملک جاوید (انجینئر) ملک شاہد، شفیع حیدر، شاہ علاء الدین اس کے ممبر تھے۔ کافی دنوں تک انجمن ترقی اردو شاخ کاکو نے اپنے فرائض انجام دیے۔ نوجوانان کاکو کے باہر چلے جانے کی وجہ سے انجمن کی کارکردگی سست پڑ گئی۔ انجمن ترقی اردو نے کاکو میں کئی مشاعرے کئے۔ لوگوں میں شعر و شاعری کا ذوق پیدا کیا۔ اس انجمن نے کئی شاعر پیدا کئے۔



میٹھا کنواں

کاکو میں چار قدیم کنویں ہیں (۱) میٹھا کنواں (۲) سون بہار کنواں (۳) صحت کنواں (۴) مراد کنواں۔ میٹھا کنواں اور سون بہار کنواں دونوں لب پنیہاس ہیں۔ میٹھا کنواں فخر الدین شمسی کے مکان کے سامنے اور الما شمسی کے بنگلہ سے متصل چہار دیواری کے قریب ہے۔ کاکو کے بزرگ شاہ عطاء الرحمٰن کاکوی نے ذکر کرتے ہوئے بتایا تھا کہ میٹھا کنواں ہم اپنے بچپن سے دیکھ رہے ہیں۔ جیسا مجھے معلوم ہے کہ عبد الوہاب شمسی نے ۱۸۶۲ء میں منصف سے جج مقرر ہونے کے بعد جب اپنا بنگلہ پنیہاس کنارے بنوایا تو اسی کے بعد یہ میٹھا کنواں جو کاکو کے سب کنووں سے بڑا ہے اور اس کا پانی سب سے شیریں ہے۔ مولوی عبد الوہاب شمسی کا بنوایا ہوا ہے۔ میٹھا کنواں کی تعمیر میں پکی اینٹیں استعمال ہوئی ہیں۔ کنویں کا دائرہ بہت بڑا ہے۔ اس میں لوہے کی زنجیریں لٹکی ہوئی ہیں۔ حفاظت کی غرض سے اس کا دہانہ آہنی جنگلہ لگا کر بند کیا گیا ہے۔ اس کنویں کی تعمیر اتنی عمدہ ہے کہ لگتا ہے آج کا بنا ہوا ہے۔ برسات میں جب پنیہاس بھر جاتی ہے تو کنویں کی سطح اتنی بلند ہو جاتی ہے کہ جھک کر بالٹی ڈالیں اور پانی نکال لیں۔

میٹھا کنواں کا کمال ۶۷ء کے قحط میں دیکھنے کو ملا۔ جب کاکو بستی کے تمام کنویں سوکھ گئے تھے تب یہ میٹھا کنواں پوری بستی کو پانی دیتا رہا تھا۔ ہر محلّہ سے ہندو مسلمان سب آ کر میٹھا کنواں سے پانی لے جاتے تھے۔ میں نے یہ نظارہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے چونکہ میری چہار دیواری کنویں کے پاس ہی ہے۔ نئی دلہنیں رات کو پانی بھر بھر کر لے جاتی تھیں، جن کے ہاتھوں میں مہندی لگی ہوتی تھی۔ اسی زمانے میں بی بی سی اور یونیسیف کی ٹیم آئی ہوئی تھی۔ میٹھا کنواں دیکھ کر ان کو بھی حیرت تھی۔ انہوں نے کہا اتنا بڑا کنواں ہم نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھا ہے۔ اب یہ میٹھا کنواں اپنی

پرانی حالت میں نہیں ہے۔ ویسے کاکو کے کچھ نوجوانوں نے اس کنویں کی مرمت کی ہے جس سے بہتری آئی ہے۔



سون بہار کنواں

سون بہار کنواں مجیب الرحمٰن ابراہیمی عرف موجو بھائی کے مکان کے سامنے لب دریا واقع تھا۔ زین الدین صاحب، سہیل اور شعیب فخری کے مکان سے متصل تھا۔ یہ بھی ایک بڑا کنواں تھا مگر میٹھا کنواں سے بہت چھوٹا تھا۔ یہ کنواں کب اور کس نے بنایا اس کی کوئی تاریخ نہیں ہے۔ اس کنواں میں بھی پکی اینٹیں استعمال ہوئی ہیں۔ اس کنویں میں لوہے کی زنجیریں لٹکی ہوئی تھیں۔ جب پنیہاس میں پانی بھر جاتا تھا تو سون بہار کنویں کی سطح اونچی ہو جاتی تھی۔ گرمیوں کی چاندنی رات میں سون بہار کنویں پر بہار رہتی تھی۔ سیدٹولہ کے لوگ کنویں کی منڈیر پر بیٹھ کر رات گئے تک گپ شپ کرتے رہتے تھے۔ دن میں غسل کرنے والوں کی بھیڑ رہتی تھی۔ پہلے چونکہ ہر گھر میں کنواں نہیں تھا اس لئے کہار اور کہارن مغرب سے عشاء تک پانی بھر بھر کر گھر گھر پہنچاتے تھے مگر اب اس کنواں کو سیدٹولہ کے لوگوں نے بند کرنا مناسب سمجھا اور اسی جگہ بجلی کا ایک بڑا ٹرانسفارمر نصب کر دیا گیا ہے۔



صحت کنواں (درگاہ شریف)

صحت کنواں کی صحیح تاریخ معلوم نہیں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ کنواں بی بی کمال قدس سرہا کے زمانے کا ہے۔ ایک حکایت ہے کہ فیروز شاہ تغلق جذام کا مریض تھا۔ جب اس نے صحت کنویں کے پانی سے غسل کیا اور اس کو شفا ہوئی تو اس نے فرمان جاری کر کے بی بی کمال قدس سرہا کے مزار کو پختہ کروا دیا۔ کاکو میں دو مسجدیں بھی بنوا دیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کنواں ۷۰۰ سال پرانا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ بعد میں اس کی نئے سرے سے مرمت ہوئی ہوگی۔

شاہ غفور الرحمٰن مرحوم نے اپنی کتاب ''آثار کاکو'' میں اپنے فارسی اشعار میں صحت کنواں کے بارے میں لکھا ہے کہ مولوی محمد نے جو کاکو کے رہنے والے تھے اپنی اہلیہ کی یاد میں دوبارہ صحت کنواں بنوایا تھا تا کہ ثواب جاریہ مل سکے۔ اس کنویں کی تاریخ ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۹۰۴ء ہے۔ دوسری فیروز شاہ تغلق سے متعلق لکھا ہے جسے اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ فیروز شاہ والی روایت سے ولی اللہ صاحب والی روایت باطل ہو جاتی ہے۔ خاکسار نے صحت کنویں کے متعلق جاننے کی بہت کوشش کی لیکن کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ یہ بھی روایت چلی آ رہی ہے کہ جو مریض جس مرض سے نجات پانے کے لئے نیت کر کے صحت کنویں کے پانی سے غسل کرتا تھا وہ صحت یاب ہو جاتا تھا۔ ۱۹۳۶ میں جب یہ خاکسار چالیس دنوں کا تھا تو بہت بیمار ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر مہدی رضوی جو دولت پور کاکو کے رہنے والے تھے اور پالی ہسپتال میں ڈاکٹر کے فرائض انجام دے رہے تھے انہوں نے میری زندگی کے خاتمے کا اعلان کر دیا۔ ان کے ہی مشورے سے مجھے صحت کنویں کے پانی سے غسل دیا گیا۔ مجھے حیات نو ملی اور ماشاء اللہ آج جب عمر کی ۸۳ بہاریں دیکھ چکا ہوں میں آج بھی الحمدللہ صحت مند ہوں اور آپ لوگوں کے لئے ''کاکو کی کہانی'' لکھ رہا ہوں۔



مراد کنواں

مراد کنواں کو دیکھنے سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ کنواں چار پانچ صدی پرانا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حیدرآباد سے مظہری نام کے کوئی شخص آئے تھے، ان کی مراد پوری ہوگئی تھی تو انہوں نے مراد کنواں کی مرمت کرائی اور اسے پختہ کرایا تھا۔ مراد کنواں کاکو سے درگاہ شریف کے قریب لب سڑک پڑتا ہے، جسے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ صدیوں سے اس کی دیکھ ریکھ نہیں ہوئی ہے۔ پرانی روایت چلی آرہی ہے کہ لوگ مراد کنواں میں پتھر پھینک کر اپنی مرادیں مانگتے ہیں۔ پتھر گرنے کی آواز سے سمجھ لیتے ہیں کہ ان کی مرا پوری ہوگی یا نہیں۔ قبرستان کی زمین پر یہ کنواں اب بے مرمت پڑا ہے۔ کاش کوئی ایسا بندہ آئے جس کی مراد پوری ہو اور وہ اس کی مرمت کرادے۔



فخرالدین شمسی صاحب کا باغ اور کالی کشتی

کاکو میں فخرالدین شمسی صاحب کی حیثیت ایک رئیس اور زمیندار کی تھی۔ یہ وجاہت اور ٹھاٹ داری ان کے بنگلے اور باغ سے بھی نمایاں تھی۔ پنپہاس کے پچھم جانب آپ کا ایک خوبصورت بنگلہ تھا۔ شدید گرمی میں بھی جب پنپہاس کی جانب سے ہوا چلتی اور وہ ہوا پانی سے ٹکراتی ہوئی بنگلے میں داخل ہوتی تو گرمی کی شدت کا احساس کم ہوجاتا۔ ویسے بھی گھر کے دروازوں اور کھڑکیوں پر دھوپ کی تمازت کو کم کرنے کے لئے خس کی ٹٹیوں کے پردے لگے رہتے تھے۔ بنگلہ کے بالکل سامنے پنپہاس کے اس پاران کا چار بیگھے کا باغ بھی تھا۔ جس میں تالاب اور کنواں بھی تھا۔ جہاں مچھلی پالی جاتی تھی۔ کوئیں کے پانی سے پھلدار درختوں کی آبیاری کی جاتی تھی۔ باغ میں انواع و اقسام کے پھل اور پھول سے ڈالیاں لدی رہتی تھیں۔ کچھ پھل اس قدر کمیاب تھے کہ وہ عام طور پر بازار میں نظر نہیں اتے ان میں ایک پھل امردو کا خاص طور پر یاد آتا ہے جس میں بیج تھے ہی نہیں۔ مجھے جہاں تک یاد ہے گلاب خاص، سپاٹو، آم، بیر، بیل، شریفہ، ناشپاتی یہ پھل باغ میں تو تھے ہی ان پھلوں کے علاوہ بھی کچھ ایسے پھل تھے جن کے نام سے ہم لوگ واقف نہیں تھے۔ ان پھلوں میں عام طور پر بازار میں ملنے والے پھلوں کے مقابلے میں ان کے ذائقے اور سائز بھی بالکل الگ تھے۔ آپ نے باغ میں سیمل کا درخت بھی لگا رکھا تھا جب ان کے پھل پک جاتے تو سیمل کی روئی ہوا میں اڑا کرتی تھی جس سے اس وقت کا منظر نہایت خوشنما ہوجاتا۔ باغ تک پہنچنے کی دو ہی صورت تھی یا تو پنپہاس کو ننگے بدن عبور کیا جائے یا پھر کشتی کے سہارے وہاں تک پہنچا جائے۔ شمسی صاحب کے پاس ایک سیاہ کشتی تھی پتا نہیں وہ رنگ روغن کے اعتبار سے کالی تھی یا وقت کی دھول نے سیاہ کر دیا تھا۔ شمسی صاحب شام کے وقت اپنے دونوں نواسے اسلم اور

سلمان کے ساتھ اس کشتی پر بیٹھ کر باغ کی سیر کو جاتے اور وہاں باغبان کو ضروری ہدایات دیا کرتے ساتھ ہی واپسی میں اپنی پسند کا پھل بھی لایا کرتے تھے، جو خاص خاص مہمان کی ضیافت کا سامان بنتا۔ یہ کشتی پنپہاس کے کنارے میرے آم کے درخت میں باندھی جاتی تھی۔ آم کے موسم میں 'چنڈال چوکڑی' کے لڑکے کشتی کو کھول کر دریا کو پار کرتے اور باغ میں گھس کر آم کھاتے ادھم مچاتے۔ اس ادھم کی آواز جب شمسی صاحب کے کانوں تک پہنچتی تو شکری میاں کو آواز دیتے کہ باغ میں کیسا شور ہے شکری میاں کہتے کہ حضور پہریداروں کی آواز ہے، کچھ لڑکے باغ میں گھس آئے ہیں۔ پھر محمد جان شکری میاں کو آواز دیتے کہ صاحب کشتی مانگ رہے ہیں یہ آواز سن کر تمام لڑکے بھاگ کھڑے ہوتے تھے۔

اب نہ شمسی صاحب ہیں نہ ان کا باغ اور نہ ہی ان کی کالی کشتی۔ یہ ساری چیزیں انقلاب زمانہ کی نذر ہوگئیں۔ اب ان کے باغ میں کھیتی ہوتی ہے۔ اس باغ کو شاہ علاء الدین صاحب نے خرید لیا ہے اور اس کی زمین کی پلاٹنگ کر کے رہائشی مکان کے لئے فروخت کر رہے ہیں۔



خاکسار تحریک

یہ ان دنوں کی بات ہے جب ہندوستان آزاد نہیں ہوا تھا۔ محمد علی جناح ۱۹۴۰ء کی لاہور کانفرنس میں پاکستان کا مطالبہ کر چکے تھے۔ شملہ میں یکم تا تین جنوری ۱۹۴۵ء شملہ کانفرنس منعقد کی گئی۔ شملہ کانفرنس سندر محل میں ہوئی جو بعد میں شمسی بلڈنگ کے نام سے مشہور ہوا۔ اس کانفرنس میں گاندھی جی، جناح، نہرو، پٹیل اور مولانا آزاد وغیرہ موجود تھے۔ کانفرنس ختم ہوتے ہی والد صاحب جو ان دنوں وائسرائے کے پرائیویٹ سکریٹری کے عہدے پر فائز تھے پر اچانک پیٹ میں درد ہوا، فوراً دہلی لے جائے گئے لیکن صحت یاب نہ ہو سکے اور ۵؍جنوری ۱۹۴۵ء کو ان کا انتقال ہو گیا۔ شملہ کانفرنس میں جناح نے پاکستان کا پرزور مطالبہ کیا اور ان کی تجویز مان لی گئی۔

ان دنوں ہندوستان میں تحریک پاکستان زوروں پر تھی۔ صوبہ بہار کے کافی مسلمان مسلم لیگ کے مطالبے کے ساتھ تھے اور صوبہ کی تقسیم کا مطالبہ کر رہے تھے۔ ان ہی حالات میں فخر الدین شمسی صاحب نے علامہ مشرق کی پیروی میں، بہار خاکسار تحریک کی شاخ کاکو میں قائم کی۔ شمسی صاحب خاکسار تحریک کے صوبہ بہار کے صدر اور آل انڈیا کمیٹی کے ممبر تھے۔ اس لئے شمسی صاحب بہار کے بڑے گاؤں میں تحریک کی شاخیں قائم کر رہے تھے۔ پھدو بھائی مرحوم (فصیح النبی) کی سالاری میں کاکو کے نوجوان اس تنظیم میں شامل ہو گئے۔ شامل ہونے والوں میں ابراہیم لودھی (لکو) سید بھائی (باٹا) غازی (کپتان) ربانی بھائی ابن عمر صاحب، محبوب عالم (موہن) ملک ٹولہ (پاکتان)۔ خاکسار تحریک والے بیلچہ کاندھوں پر رکھ کر چپ راس چپ راس (بائیں دائیں) کہتے ہوئے گلیوں محلوں سے گزرتے۔ بہت کوشش کے باوجود یہ تحریک بہار میں کامیاب نہ ہو سکی۔ شاید اس لئے کہ تحریک کے شروع ہونے کے فوراً بعد ہی ملک کو آزادی مل گئی۔



مسلم نیشنل گارڈ

مسلم نیشنل گارڈ نامی رضا کار تحریک شروع ہوئی۔اس تحریک میں وہی نوجوان تھے جو خاکسار تحریک میں شریک تھے۔سید باٹا، سید ٹولہ، غازی ابن شاہ سراج مرحوم مسلم نیشنل گارڈ کے رضا کار تھے۔ ان کی پہچان سبز پگڑی اور ہاتھوں میں لاٹھی ہوتی تھی۔ پاکستان بننے کے بعد مسلم نیشنل گارڈ کی تحریک ختم کردی گئی اور شمسی صاحب جیل بھیج دیے گئے۔حالانکہ وہ پہلے پکے کانگریسی تھے، مگر خاکسار تحریک کے زمانے میں شمسی صاحب کانگریس سے الگ ہو گئے تھے۔راجندر بابو صدر جمہوریہ نے شمسی صاحب کو خط میں لکھا تھا کہ آپ نے مالی بن کر کانگریس کو اپنے خون سے سینچا تھا اور جب پھل کھانے کا وقت آیا تو باغ چھوڑ کر جا رہے ہیں، لوٹ آیئے۔راجندر بابو کا یہ خط آج بھی میرے پاس محفوظ ہے۔ مجھے یاد ہے اس زمانے میں ۱۹۴۵-۴۶ کی بات ہے، جناح کی تصویر ہاتھ میں پکڑ کر دو تین منٹ غور سے دیکھنے کے بعد آسمان پر نظر ڈالتے تو جناح کی بڑی تصویر فضا میں تیرتی ہوئی نظر آتی۔ یہ ماجرہ سمجھ سے باہر تھا۔



مجلس اخوان الصفا

۱۲۹۷ھ میں بستی میں ایک صاحب مولوی الطاف حسین تھے جو بچپن ہی سے کاکو سے باہر رہے اور مختلف جگہوں پر تعلیم حاصل کی۔تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ حیدرآباد چلے گئے اور نظام حیدرآباد کے یہاں نوکر ہو گئے۔کسی اچھی جگہ پر فائز تھے۔ ایک عرصہ بعد ان کو اپنے وطن کی یاد آئی اور وہ کاکو واپس آ گئے۔کاکو میں ان کی جائیداد

بھی تھی اور مکان بھی۔ کاکو آنے پر انہوں نے اپنی شادی دولت پور گاؤں کے حمید صاحب کی لڑکی سے کی۔شادی کے بعد الطاف حسین اپنی بیگم کے ساتھ دوبارہ حیدرآباد واپس ہو گئے۔ چند سالوں بعد فرصت لے کر مع اہل وعیال کاکو آ گئے اور ایک عرصہ تک اپنے وطن میں رہے۔اس زمانہ میں انہوں نے اپنی دلچسپی کے لئے ایک مجلس ''اخوان الصفا'' قائم کی، جس کے وہ خود صدر بنے اور سکریٹری ملک شرافت حسین کو بنایا۔ چند لوگ اس انجمن کے ممبر بنے۔مجلس کی نشست ان کے ہی مکان پر ہفتہ وار ہوا کرتی تھی۔بستی کے معاملات اور آپس کے جھگڑوں پر غور کیا جاتا اور ان کو حل کرنے کی کوشش کی جاتی۔ کچھ دنوں تک یہ انجمن کام کرتی رہی مگر کچھ اختلافات ہونے کی وجہ سے ختم ہو گئی۔صدر موصوف پھر حیدرآباد اپنے اہل وعیال کے ساتھ کاکو کا مکان اور زمین بیچ کر واپس چلے گئے۔اب کس حال میں ہیں کچھ معلوم نہیں۔



بڑی بازار

کاکو بستی کے شمالی حصہ سے جو سڑک جہان آباد اسٹیشن سے بندھو گنج کی طرف گئی ہے اس کے دونوں طرف دکانیں ہیں۔ پہلے یہاں کم دکانیں تھیں۔ دو ایک ساؤ جی کی دکانیں تھیں اور دو ایک حلوائی تھے۔ایک دو کپڑے کی چھوٹی دکانیں تھیں۔ دو ایک بیڑی سگریٹ کی دکان۔ ایک لطیف میاں کی دکان تھی جس کی بیڑی دیہاتوں میں جاتی تھی۔ مین سڑک کچی تھی۔سڑک پر نہ گاڑی نہ جیپ، نہ ٹمپو نہ رکشہ۔سوائے ٹم ٹم کے کچھ بھی نہ تھا۔کاکو روڈ پر ۱۹۴۸ء سے رکشہ چلنا شروع ہوا۔ٹم ٹم کی سواری تھی جس سے کاکو کے عوام جہان آباد تک سفر کرتے تھے۔ اس کے علاوہ کاکو میں نہ دکانیں تھیں نہ بازار بڑا تھا۔ بڑے بازار میں دو چار گھر اگروال لوگوں کے تھے۔ دیہات

کے حساب سے گیالال اگروال کی دکان بڑی تھی۔ضرورت کی چیزیں اور دیسی دوائیں گیالال کے یہاں مل جاتی تھیں۔اگروال لوگ روڈ پر پہلے سے بسے ہوئے تھے۔کاکو میں روزانہ والی نہ سبزی کی دکان تھی نہ مچھلی مرغ کی دکانیں تھیں۔ہر چھوٹے بڑے کام کے لئے جہان آباد جانا پڑتا، وہ بھی مشکل ہی سے۔آزادی آئی، حالات بدلے، دیش کی ترقی ہوئی۔کاکو نے بھی ترقی کی۔آج کاکو میں کیا چیز نہیں ہے؟

کاکو بڑی پیپھاس سے لے کر پالی موڑ تک دونوں طرف کئی سو دکانیں ہیں۔۱۵ کے قریب صرف دواؤں کی دکانیں ہیں۔دس بیس دکانیں کپڑوں کی ہیں۔تیس دکانوں سے زیادہ حلوائی اور ہوٹل ہیں۔غرض کوئی بھی ضرورت کی چیز ایسی نہیں ہے جو کاکو میں نہ ملتی ہو۔روڈ پر سب ہی چیزوں کی دکانیں ہیں۔کاکو سے جہان آباد تک عمدہ پکی سڑک ہے جو مین روڈ کہلاتی ہے۔کاکو میں بلاک، ڈاک خانہ، پنجاب نیشنل بینک، اسٹیٹ بینک آف انڈیا کی شاخیں ہیں۔سب سے بڑی بات یہ ہے کہ کاکو سے ۱۲ بجے رات کو بھی پٹنہ جانے میں کوئی دقت نہیں ہوتی ہے۔کاکو میں پولیس اسٹیشن ہے۔لڑکوں اور لڑکیوں کا الگ الگ اسکول اور کالج ہے۔کاکو میں پرانی روایت کے حساب سے ہفتہ میں دو دن جمعرات اور اتوار کو سبزی کا بازار لگتا تھا۔کاکو کے اطراف کے لوگ کاکو آ کر دکانیں لگاتے تھے۔



چھوٹی بازار

آزاد ہندوستان سے پہلے کاکو مین روڈ پر اچھی اور بڑی دکانیں نہ تھیں۔نہ روڈ پر سبزی ملتی تھی۔کاکو بستی کے بیچ میں جو گلی لوکل بورڈ سے پورب سے پچھّم آئی ہے اور جو فخر الدین شمسی صاحب اور لطیف شمسی کے بنگلہ کی حد پر ختم ہوئی ہے۔وہ کاکو کی صدر گلی تھی۔اس کے دونوں جانب بازار لگتا تھا۔اس میں ضروریات زندگی کی چیزیں مل جایا

کرتی تھیں۔یہ بازار کبھی بڑا پر رونق تھا مگر بعد میں فساد کے سبب یہاں بازار لگنا بند ہوگیا۔جناب مجور رفیع کے گھر سے ڈاکٹر صلاح الدین مرحوم کے گھر کی طرف ہفتہ میں دو دن جمعرات اور اتوار کو بازار لگتا تھا۔اب یہ بازار مین روڈ پر منتقل ہوگیا۔



کاکو ہاٹ

بستی کے پچھّم جانب موضع سعد اللہ پور میں، کاکو کی اجمالی زمین پر اتوار کو دس بجے دن سے پانچ بجے شام تک ہاٹ لگتا تھا۔بہت سی روزمرہ ضرورت کی چیزیں سبزی، ترکاریاں اور کپڑے بکتے۔بستی کے لوگ اور اطراف سے آئے ہوئے لوگ ضرورت کے سامان کی خریداری کرتے تھے۔یہ دکانیں بھی کاکو کے اطراف کے لوگوں کی ہوتی تھیں۔کاکو سے متصل گاؤں پالی، فیروزی، لودی پور اور دولت پور کے لوگ کاکو میں آ کر ہفتہ میں ایک دن دکان لگاتے تھے۔بعد میں یہ ہاٹ جانوروں کے ہاٹ میں منتقل ہوگیا۔اب کاکو میں اس طرح کے چھوٹے ہاٹ کی ضرورت نہیں رہی۔ماشاءاللہ بستی کی آبادی بھی بڑھ گئی، ضرورتیں بھی بڑھ گئیں اور دکانیں بھی بڑا بازار میں زیادہ ہوگئیں۔



جانوروں کا ہاٹ۔ بروز اتوار

کاکو ہاٹ کا میدان ۱۹۶۰ء سے کاکو ہاٹ کہلاتا ہے، اس ہاٹ میں جانوروں کا میلہ ہفتہ میں ایک دن اتوار کے روز لگتا ہے۔یہ زمین جناب ملک علی امام مرحوم کی

ہے۔ کاکو ہاٹ میں لوگ دوردور سے گائے، بیل، بھینس اور بکری لے کر بیچنے اور خریدنے آتے ہیں۔اور ایک طرف مرغا، مرغی، بطخ بھی بکتی ہے۔ اس ہاٹ میں خریدنے والے کو میلے کی رسید جسے لکھائی کہتے ہیں، دونوں فریق کو آدھا آدھا روپیہ دے کر لینا پڑتا ہے۔مثلاً ہاٹ میں گائے کی لکھائی ۵۰ روپیہ ہے تو دونوں فریق کو پچیس پچیس روپیہ دینا ہوگا تب پکی رسید ملتی ہے تاکہ بعد میں کوئی چوری کا الزام نہ لگا سکے۔ مرغا، مرغی کی لکھائی ۱۰ روپیہ ہوتی ہے۔اس ہاٹ میں دوردور سے خریدنے اور بیچنے والے آتے ہیں۔خاص کر بقرعید کے موقع پر خرید وفروخت بڑھ جاتی ہے اور جانوروں کی قیمت عام دنوں سے زیادہ ہوتی ہے۔قربانی کے جانور کی قیمت دس ہزار سے بیس ہزار تک چلی جاتی ہے اس کے باوجود لوگ خوب خریدتے ہیں۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ادھر کچھ برسوں میں مسلمانوں کی معاشی حالت بہتر ہوگئی ہے۔



میلہ غازی میاں اوران کی شادی

حضرت سید سالار مسعود غازی، سلطان محمود غزنوی کے سگے بھانجے تھے۔ آپ کے حالات کتابوں میں موجود ہیں۔آپ میدان جنگ میں راجا سہر دیو سے لڑتے ہوئے بہرائچ کے مقام پر اس وقت شہید ہوئے جب کہ آپ کی شادی ہونے والی تھی۔آپ کے وابستگان اور مجاہدین ہر سال جیٹھ کے مہینہ میں آپ کی یاد مناتے ہیں اور رسمی طور پر شادی کی رسم ادا کرتے ہیں۔اور یہ میلہ غازی میاں کا بیاہ کے نام سے مشہور ہے۔اس قسم کے میلے ہندوستان کے اکثر علاقوں میں لگتے ہیں۔منیر شریف میں غازی میاں کے میلے کے نام سے جشن منایا جاتا ہے۔کاکو میں بھی زمانہ دراز سے بی بی کمال قدس سرھا کی درگاہ شریف کے پاس یہ میلہ لگتا آیا ہے۔کچھ دکانیں لگتی ہیں جن سے بھیڑ بھاڑ خوب ہوجاتی ہے۔

میلے میں بچوں کے لئے بھی کھیل تماشہ کا سامان رہتا ہے۔ پہلے خاص بات یہ تھی کہ کاکو کی عوام کو یہاں کے جدی باشندہ سید تبارک حسین صاحب کی طرف سے کھانا تقسیم کیا جاتا تھا۔غازی میاں کی شادی کی تاریخ جیٹھ کے آخری اتوار کے دن ہوتی ہے۔اس دن اطراف سے کافی لوگ غازی میاں کی شادی کے جشن میں شریک ہونے آتے ہیں۔ غازی میاں کو دولہا اس طرح بنایا جاتا ہے کہ لمبے موٹے بانس پر کپڑے کا غلاف چڑھایا جاتا ہے۔ بانس کے ایک سرے پر رنگ برنگے کپڑے لپیٹے جاتے ہیں۔اس میں آنکھ ناک، کان اور منہ کے نشانات بنائے جاتے ہیں۔ پھر دولہا کی طرح سہرا باندھا جاتا ہے۔ گویا غازی میاں بیاہ رچانے کے لئے بالکل تیار ہیں۔ ایک شخص ترپلا کے ذریعہ غازی میاں کو اٹھاتا تھا اور دوسرا شخص اینٹوں کے ذریعہ بانس کا توازن برقرار رکھتا ہے۔ پٹاخے اور پھلجھڑی چھوڑی جاتی ہے جس طرح شادی میں چھوڑی جاتی ہے۔غازی میاں کی بارات ڈھول باجے کے ساتھ چل پڑتی۔ پورے

میلے کا گشت لگایا جاتا اور یہ نعرے لگائے جاتے ’غازی میاں دم مدار۔ کھچڑا لے کے ہم تیار‘۔ اس تماشے میں شرفاء شریک نہ ہوتے تھے۔



کاکو میں مویشیوں کا میلہ

پہلے غازی میاں کا میلہ بہت مختصر ہوتا تھا۔ ایک بار کاکو کے کچھ لوگ شیخ عبدالرحمٰن صاحب عرف گھسو بابو کے بنگلہ پر جمع ہوئے۔ اس مجمع میں ایک ملک شرافت حسین بھی تھے۔ انہوں نے ایک تجویز پیش کی کہ میلہ غازی میاں کی توسیع کی جائے اور جانوروں کی خرید وفروخت کا بھی انتظام کیا جائے۔ یہ سن کر شیخ عبدالرحمٰن صاحب نے اپنا خاص ملازم بھیج کر مولوی یوسف شمسی اور عزیز شمسی کو مشورہ کے لئے بلایا اور مجمع سے کہا کہ یوسف شمسی کے آنے پر کوئی فیصلہ ہوگا۔ شمسی برادران کی رائے لینے کے بعد شیخ صاحب نے اعلان کر دیا کہ علاقے میں اپنے آدمیوں کو بھیج کر منادی کرا دی جائے کہ اگلے سال غازی میاں کے میلے میں جانوروں کا میلہ بھی شاندار طریقے سے لگے گا۔ شیخ صاحب اور شمسی برادران نے اس میلے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اشتہار بھی تمام جگہوں پر تقسیم کیا گیا۔ اس طرح یہ میلہ جیٹھ کے میلے کے نام سے مشہور ہوا۔

اس میلے سے ہر سال کافی آمدنی ہونے لگی۔ بستی ہی کے لوگ منتظم رہے۔ میلہ کمیٹی بنی ممبر بنائے گئے۔ اس میلہ کمیٹی کے پہلے صدر مولوی یوسف شمسی منتخب ہوئے۔ بہت خوبی کے ساتھ یہ میلہ پروان چڑھتا گیا۔ اس کی آمدنی سے کاکو درگاہ کی مرمت، اسکول اور مدرسہ کی امداد اور دیگر رفاہ عام کا کام انجام دیا جاتا تھا۔ زمین داری ختم ہونے کے بعد اس کا انتظام حکومت نے اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور یہ میلہ مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گیا۔ اس کی آمدنی حکومت کے خزانے میں جمع ہونے

لگی۔ یہ میلہ سنی وقف بورڈ کی زمین میں لگتا تھا۔ شاید ۱۹۶۶ کا سال تھا، محمد حسین آزاد (پورنیہ) وقف بورڈ کے منسٹر تھے اور علی گڑھ یونیورسٹی میں اس خاکسار کے کلاس فیلو بھی تھے۔ علی امام صاحب راقم الحروف سے وقف بورڈ میں دوڑ لگوا رہے تھے کہ میلہ کسی طرح مسلمانوں کے قبضے میں آجائے۔ علی امام صاحب نے بلا کر راقم الحروف سے کہا وقف بورڈ کے منسٹر تمہارے دوست ہیں اور ان کے پرائیویٹ سکریٹری شفیع مشہدی تمہارے خالہ زاد بھائی ہیں، تم ان لوگوں سے کہہ کر میلہ مسلمانوں کو دوبارہ واپس کرا دو۔ محنت رنگ لائی اور میلہ دوبارہ مسلمانوں کو مل گیا۔ میلہ کی آمدنی کیا ہوتی ہے کہاں جاتی ہے؟ یہ علی امام صاحب ہی جانتے تھے۔



کانجی ہاؤس

یہ تو میں نہیں بتا سکتا کہ کانجی ہاؤس کب قائم ہوا تھا لیکن میں اپنے بچپن سے کانجی ہاؤس دیکھتا آ رہا ہوں۔ کانجی ہاؤس جناب مجور رفیع کے مکان کے بیسمنٹ میں کھولا گیا بعد میں کانجی ہاؤس مسہڑ ٹولی میں چلا گیا تھا۔ کانجی ہاؤس بنانے کا مقصد یہ تھا کہ کسی کے کھیت میں کسی کا جانور چلا گیا اور فصل نقصان ہوئی تو کھیت والا جانور کو پکڑ کر کانجی ہاؤس میں قید کرا دیتا تھا۔ جانور لانے والے کو پانچ روپیہ کانجی ہاؤس کے منیجر کی طرف سے دیا جاتا تھا۔ اور جب جانور کا مالک اپنا جانور لانے جاتا تو اسے کانجی ہاؤس کو دس روپیہ دینا پڑتا تھا۔ یہی کانجی ہاؤس کا اصول تھا۔ اگر کانجی ہاؤس میں کسی کا جانور دو دن سے زیادہ رہ جاتا تو اس سے اور زیادہ رقم وصول کی جاتی تھی۔ کانجی ہاؤس کا سلسلہ شاید ۶۰ یا ۷۰ تک چلتا رہا۔ پھر کانجی ہاؤس بند ہو گیا۔ کانجی ہاؤس کیوں، کیسے اور کس کے حکم سے بند ہوا یہ نہیں معلوم نہ اس کے بند ہونے کی تاریخ معلوم ہے۔



چنڈال چوکڑی

عام طور پر دیہی علاقوں میں کچھ ایسے شریر بچوں کی جماعت ہوتی ہے جن کا مقصد خود کو تعلیم سے فارغ رکھنا اور اپنی تفریح کی خاطر دوسروں کو پریشان کرنا ہوتا ہے۔ کاکو میں کچھ شریر بچوں نے میٹنگ کر کے ایک جماعت بنائی تھی جس کا نام 'چنڈال چوکڑی' رکھا۔ آہستہ آہستہ یہ جماعت کافی منظّم ہوگئی۔ اس میں صرف کاکو کے شریر بچے نہیں رہ گئے تھے اس میں بدنام اور وحشت پسند افراد بھی جڑ گئے جن کا مقصد لوگوں کو پریشان کرنا نہیں رہ گیا تھا ان کا مقصد چیزوں کی بربادی اور گاؤں میں چوری چکاری بھی تھا۔ یہ لوگ گھروں میں گھس کر پھلوں کو توڑ کر کھاتے اور کچے پھلوں کو توڑ کر پھینک دیتے تھے۔

فخرالدین شمسی صاحب کے باغ میں گھس کر بھی پھل توڑ لاتے، اگر کسی نے کہہ دیا کہ کچے پھل کیوں برباد کرتے ہو، پھل پکے ہیں تو ٹھیک ہے۔ اس پر چپ رہتے اور رات کی تاریکی میں اس درخت کو ہی کاٹ کر الگ کر دیتے تھے۔ اگر بنگلہ پر لالٹین جل رہی ہے یا کوئی اور کام کی چیز پڑی دیکھتے تو اسے لے کر بھاگ جاتے۔ گلیوں سے مرغی اور بطخ پکڑ لینا بھی ان کا معمول تھا۔ یہ لوگ لڑائی جھگڑے میں بھی پیش رہتے اور فلاحی کاموں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کرتے تھے۔ اگر گاؤں کا کوئی شخص بیمار ہے اور مالی تنگی کی وجہ سے اُسکا بہتر علاج نہیں ہو پا رہا ہے تو ایسی صورت میں چنڈال چوکڑی کے لڑکے ہر محلے میں گھوم گھوم کر چندہ اکٹھا کرتے اور اس روپئے سے اس بیمار شخص کا علاج کراتے۔

بیساکھ کے مہینے میں گاؤں سے دو چار خصی کا غائب ہو جانا عام بات تھی۔ بیساکھ تاڑی کا زمانہ کہلاتا ہے اور یہ لڑکے تاڑی پینے کے لیئے محلے سے کسی کا خصی

چوری کرتے اور اس کا کھال بیچ کر تیل مسالہ کا انتظام کرتے، اور پکانے کے بعد اس کا گوشت چکھنے کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ اور جب نشہ سر چڑھ کر بولتا تو حالت سرور میں یہ لائن گنگناتے تھے۔

لچّھو تری تاڑی تو خوب ہے لیکن
افسوس میرے ہاتھ میں تلوار نہیں ہے

جب مریں تاڑی کے دن میں تاڑتل گڑویو لال
پانی نہ ملے تو تاڑی سے نہلیو لال

کفن نہ ملے تو ڈمکل کے پتے سے کفنیو لال
پٹون نہ ملے تو ڈمکل سے پٹویو لال



۱۹۴۶ء کا فساد اور کاکو پر حملہ

۱۹ر نومبر ۱۹۴۶ء مسلمانوں کے لیے ایک خونی سال تھا۔ پورے ہندوستان میں ہندو مسلم فسادات پھوٹ پڑے تھے۔ خصوصاً صوبہ بہار اور مشرقی پنجاب سب سے زیادہ متاثر ہوا تھا۔ ہزاروں مسلمان شہید کر دیے گئے تھے۔ کانگریس اور انگریزوں کی ملی بھگت کی وجہ سے انتظامیہ کی کوئی مدد نہ آئی۔ کاکو میں بلوائیوں کا سرغنہ متھرا سنگھ تھا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے متھرا سنگھ کو کوڑھ کے مرض میں مرتے ہوئے دیکھا ہے۔ کاکو میں خبر آ چکی تھی کہ متھرا سنگھ کاکو پر حملہ کی تیاری میں لگا ہوا ہے۔ قرب و جوار کے گوالے اس کے لشکر میں شامل تھے۔ کاکو کے دفاع کے لئے پوری تیاری کی گئی۔ بستی تین طرف سے پئیہاس کے پانی سے گھری تھی۔ کاکو میں چار عدد لائسنس بندوقیں تھیں۔ ایک بندوق شمسی صاحب کے داماد مسلم عظیم آبادی کی تھی جو فخر الدین شمسی صاحب کے یہاں پہلے سے رکھی ہوئی تھی۔ اس طرح پانچ بندوقیں تھیں۔ مورچے مضبوط کئے گئے۔ اس لڑائی میں چودہ پندرہ سال کی عمر کے لڑکے بڑوں کے شانہ بہ شانہ کھڑے تھے۔ لڑکوں کے ہاتھوں میں غلیل، گوپھن، بھالا اور برچھا تھا۔ ایک مورچہ ملک ٹولہ کے لڑکوں نے سنبھال لیا تھا۔

دوسرا مورچہ بازار ٹولہ کے جوانوں نے، حکیم ادریس صاحب اور نسیم صاحب کی کوٹھی پر سنبھال رکھا تھا۔ تیسرا مورچہ سید ٹولہ کے جوان سون بہار کنواں اور کچھ دکھن جانب سنبھالے ہوئے تھے۔ چوتھا مورچہ باندھ پر ڈٹا ہوا تھا جہاں پر فضلو بابو (کاشانہ) کی کوٹھی تھی۔ باندھ پر ملک ٹولہ کے جوانوں کے ساتھ الیاس بھائی ٹی ٹی جو اس وقت ملٹری سے آئے تھے اور محبوب عالم صاحب بھی تھے۔ یہ مورچہ فخر الدین شمسی صاحب کی رہنمائی میں تھا۔ مسلم صاحب کی بندوق ان کے سسر فخر الدین شمسی کے ہاتھ میں

تھی۔ ۱۹ر نومبر ۱۹۴۶ء بقر عید سے چند دن قبل ڈھول باجے کی گونج میں متھرا سنگھ اپنے بلوائیوں کے ساتھ کاکو پہنچا۔ مردوں کے پیچھے ان کی عورتیں سروں پر ٹوکری اٹھائے موجود تھیں۔ شاید عورتیں لوٹ کا مال جمع کرنے کی غرض سے لشکر کے ساتھ آئی تھیں۔ بلوائی نعرہ لگاتے بجرنگ بلی کی جئے۔ ادھر مسلمان کہتے نعرۂ تکبیر اللہ اکبر۔ پہلے دن خواتین اور بچے اپنے اپنے گھروں میں تھے۔ اظہار مظہری صاحب کی کوٹھی سے بلوائی صاف نظر آ رہے تھے۔ متھرا سنگھ ہاتھی پر سوار تھا۔ بلوائیوں کے لشکر میں بندوقیں نہیں تھیں۔ اس کا فائدہ مسلمانوں کو ملا۔

بلوائیوں نے پئیہاس پار کیا اور شمسی صاحب کے باغ سے چلّا چلّا کر نام لے لے کر کہہ رہا تھا، اے فلاں میاں ہم ابھی آتے ہیں اور وہ سارا دودھ دہی جو ہم نے تم لوگوں کو کھلایا ہے سب نکالیں گے۔ اسی طرح زمین داروں کا نام لے کر پکارتے، اے فلاں میاں خوب دودھ، دہی کھایا ہے اور پیسہ بھی کم دیا ہے ہم سب نکالیں گے۔ ادھر مسلمان بھی للکار کر جواب دیتے۔ اپنی جان کے دشمن مت بنو، ہوش میں آؤ، دھوتی سنبھالو، گیلی ہو رہی ہے، جہاں سے آئے ہو وہیں واپس جاؤ۔ بندوق دکھا کر کہا کہ اگر پانی کے اندر اترے تو بھون دیے جاؤ گے۔ بتایا جاتا ہے کہ متھرا سنگھ ۲۰ ہزار آدمیوں کے ساتھ حملہ آور ہوا تھا۔ ادھر نوجوانوں اور بزرگوں کی تعداد ۲۰۰ سے زیادہ نہ تھی۔ رات کے اندھیرے میں بلوائیوں کی ایک بڑی تعداد پئیہاس اور خشکی کے راستے سے بستی میں گھسنا چاہ رہی تھی۔ مسلمان انہیں بندوق کے نشانے پر لیے ہوئے تھے۔ نوعمر لڑکے غلیل اور تلوار کا ہنر دکھانے کو تیار تھے۔ ہندوؤں پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ متھرا سنگھ کا اصل دباؤ زمینی راستے کی طرف تھا۔ اس کو یقین نہیں تھا کہ مسلمان سیسہ پلائی ہوئی دیوار جیسے کھڑے ہوں گے۔

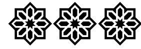
ملک ٹولہ محاذ پر علی امام صاحب، حسن امام صاحب، سید امام صاحب (مرحوم) آہنی دیوار کی طرح کسی بھی حملہ کے دفاع کے لئے کھڑے تھے۔ ادھر باندھ پر فضلو بابو

(کاشانہ) کی کوٹھی کے پاس فخر الدین شمسی ۷۰ سال کی عمر میں بندوق لے کر ملک ٹولہ کے ایک دو جوانوں کے ساتھ مثلاً موہن، حیدر، صفدر امام وغیرہ کے ساتھ ڈٹے ہوئے تھے۔ یہ بڑی حیرت کی بات تھی کہ فخر الدین شمسی جن کا دستخط کرتے وقت ہاتھ کانپتا تھا، دونوں ہاتھوں سے قلم پکڑ کر دستخط کیا کرتے تھے، مگر کہاں سے ان کے ہاتھوں میں طاقت آ گئی تھی کہ وہ لگاتار گولی چلا رہے تھے۔ ہنگامے کے بعد رشید صاحب ایس ڈی او جہان آباد کاکو تشریف لائے تو ان کو بتایا گیا کہ شمسی صاحب نے گولیاں چلائیں ہیں۔ رشید صاحب کو یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ جس شخص کا ہاتھ دستخط کرتے وقت کانپتا ہے وہ بندوق کیسے چلا سکتا ہے؟ یہ کاکو پر بی بی کمال قدس سرہا کا فیض تھا اور اللہ کا کرم۔ سید ٹولہ کے مورچے پر موجو، ولو، شہو، رحیم، سہیل وغیرہ نے بلوائیوں سے مقابلہ کیا۔ بلوائی لاشوں کو چھوڑ کر بھاگے۔ اس ہنگامے میں نذرو صاحب جو شاید مجید صاحب کے داماد تھے، بلوائیوں نے شہید کر دیا۔ ان سے سرکنڈے میں گڑانسے کا پھل گر گیا تھا اور وہ تلاش کر رہے تھے، جو بلوائی چھپا ہوا تھا اس نے ان کی گردن پر گڑانسے سے وار کر دیا تھا۔

دوسرے دن بستی میں یہ فیصلہ ہوا کہ عورتوں کو ایک مکان میں جمع کر دیا جائے۔ اظہار مظہری صاحب کے مکان میں عورتوں کو ایک جگہ جمع کر دیا گیا، اس لئے کہ یہ مکان مرکزی چھت کی حیثیت رکھتا تھا۔ اور یہاں دو مردوں کا پہرا لگا دیا گیا۔ اس وقت کی لڑکیاں بھی لڑنے کو تیار تھیں۔ مکان کی کھلی چھت پر مورچہ بند ہو گئیں۔ کھولتے ہوئے گرم پانی کی دیگیں، سرخ مرچ کا برادہ اور کچھ اینٹیں لڑکیوں کے ہتھیار تھے۔

تیسرے دن متھرا سنگھ نے زبردست حملہ کا پروگرام بنایا۔ وہ ہاتھی پر چڑھ کر آیا تھا۔ اس نے بلوائیوں کا حوصلہ بڑھانے کے لئے مسلمانوں کے خلاف جوشیلی تقریر بھی کی۔ مسلمانوں نے بھی فیصلہ کن جنگ کرنا طے کر لیا تھا کرو یا مرو۔ لوگ حیرت زدہ رہ گئے کہ بلوائی حملہ کیا کرتے محاذ چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ متھرا سنگھ واپسی میں تلہاڑا اور سرشتہ آباد کے علاقے کو تباہ کرتا ہوا نکل گیا۔ تلہاڑا کی

مسجد آج بھی اذان بلالی کے لئے ترس رہی ہے۔ فساد کے بعد جب حالات بہتر ہوئے اور گوالے دودھ دینے آنے لگے تب انہوں نے بتایا کہ آپ لوگوں کے ساتھ سفید لباس میں ملبوس، سفید پگڑی باندھے اور ہاتھ میں تلوار لئے گھوڑوں پر جو لوگ لڑ رہے تھے انہیں دیکھ کر متھرا سنگھ میدان جنگ سے بھاگ کھڑا ہوا۔ شکور چچا بولے وہ فرشتے تھے۔



سلامت میاں کا ٹم ٹم

انجم مان پوری نے کرائے کی ٹم ٹم لکھ کر ادب میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا ہے۔ اسی طرح سلامت میاں ٹم ٹم نے بھی کاکو میں دھوم مچا رکھا تھا۔ سب کی خواہش ہوتی کہ سلامت میاں کا ٹم ٹم پر جہان آباد، گیا اور پٹنہ کی گاڑی پکڑنے جائیں۔ یہ سچ ہے کہ جہان آباد جانے کے لئے اگر سلامت میاں کا ٹم ٹم مل جاتا تو یقین ہو جاتا کہ پٹنہ یا گیا کی ٹرین اب نہیں چھوٹے گی۔ ان دنوں سواری کے لئے ٹیکسی، جیپ یا ٹمپو نہیں تھے۔ اس وقت سواری کے لئے صرف ٹم ٹم ہی تھا۔ بدھو کا ٹم ٹم، گھمنڈی کا ٹم ٹم، حیدر میاں کا ٹم ٹم، بلم کا ٹم ٹم، اسی طرح کچھ اور بھی، لیکن ان سبھوں میں سلامت میاں کے ٹم ٹم کی بات ہی الگ تھی۔ وہ آدھ گھنٹے یا اس سے بھی کم میں جہان آباد پہنچ جاتا تھا۔ سلامت میاں کی گھوڑی تندرست اور سدھائی ہوئی تھی۔

سلامت میاں سواریوں کو آگے پیچھے کر کے الار اور دباؤ کا مسئلہ حل کر دیتے تھے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ پیچھے آنے والا ٹم ٹم سلامت میاں کے ٹم ٹم سے آگے نکل جائے۔ پیچھے سے آنے والے ٹم ٹم کی اطلاع ملتے ہی وہ گھوڑی کو کہتے نکلو نکلو اور اس آواز پر گھوڑی سرپٹ بھاگتی۔ ایک مرتبہ میں سلامت میاں کی ٹم ٹم پر جہان آباد جا رہا

تھا۔ سردیوں کا زمانہ تھا۔ میں کوٹ ہاتھ میں لئے تھا کہ نکلو نکلو کی آواز پر گھوڑی اچھل سی گئی۔ میرا کوٹ سڑک پر گر گیا، سلامت میاں نے ٹم ٹم روک کر میرا کوٹ اٹھالیا۔ میں نے سمجھا پیچھے والا ٹم ٹم آگے نکل جائے گا لیکن سلامت میاں نے جانے کس زبان میں گھوڑی کو حکم دیا کہ وہ سرپٹ بھاگی اور اسٹیشن پہنچ گئی۔ سلامت میاں کے ٹم ٹم کے رکنے پر بھی پیچھے کا ٹم ٹم اس سے آگے نہ بڑھ سکا۔



بستی کا پہلا قتل

کاکو بستی کی تاریخ میں پہلا قتل ننھنی میاں کا قتل تھا۔ ان کا اصل نام عبدالحمید تھا۔ ۱۹۵۰ء کا سال تھا، رمضان شریف کی ۲۷ تاریخ تھی، موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔ ننھنی میاں ایک دکاندار تھے اور ان کی دکان اظہار مظہری صاحب کے مکان سے متصل تھی۔

اب اس مکان میں ظفیر درزی کے بیٹے رہتے ہیں۔ ننھی میاں اپنی نانیہالی یا سسرالی زمین بیچ کر نو سو روپے لائے تھے۔ بستی کے چور اور وحشی لڑکوں کو اس کی خبر مل گئی اور انہیں روپیوں کے لئے ان کا قتل کر دیا۔ ننھنی میاں قاتلوں کا مقابلہ نہ کر سکے۔ مظہری صاحب کا کہنا تھا کہ جب ان کی بیگم اندر سے سحری لے کر باہر کے کمرے میں آئیں تو انہوں نے کچھ آوازیں سنیں۔ آواز سن کر مظہری صاحب باہر نکلے۔ فوراً باہر سے آواز آئی اندر جاؤ دیکھتا کیا ہے۔ یہ سن کر مظہری صاحب نے اندر جا کر دروازہ بند کر لیا ان سب وجوہات کے بنا پر ننھنی میاں کے بیٹے عبدالمجید نے کاکو چھوڑ دیا اور ۱۹۵۰ میں پاکستان چلے گئے۔



آمینہ باجی

کچھ شخصیات اتنی محترم ہوتی ہیں کہ ان کے اوصاف و کردار پر کئی صفحات سیاہ کرنے کے باوجود تشنگی کا احساس برقرار رہتا ہے۔ آپ ان کی ذاتیات کا مطالعہ کریں گے تو یہاں نہ دولت کی ریل پیل نظر آئے گی اور نہ ہی یہ علمی لیاقت میں ید طُولیٰ نظر آئیں گی باوجود اس کے ان کے واقعات، اوصاف و کردار نسل در نسل منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے۔ زمینی اعتبار سے ان کا سماج سے جُڑاؤ، قوم و ملت کے درد کو سمجھنا، اور ان زخموں کا مداوا کرنا، یہ کمال انھیں معاشرے میں ممتاز بناتا ہے۔

امینہ حیدر جو عوام الناس کی زبان میں امینہ باجی تھیں گاؤں کے بزرگ، بچے، خواتین ہر شخص انہیں اسی ایک نام سے مخاطب کرتا تھا۔ سب کی نگاہ میں ان کا درجہ برابر تھا۔ امینہ باجی اپنی جوانی سے لیکر ضعیف العمری تک باجی ہی رہیں۔ آخر امینہ باجی میں ایسا کیا تھا۔ ایئے ہم ذرا آپ کی زندگی کے ان پہلوؤں پر غور کرتے ہیں۔

امینہ باجی کی پیدائش 1935 میں کاکو میں ہوئی۔ یہ ہماری دودھ شریک بہن بھی تھیں۔ میں نے آپ کی والدہ کا دودھ پیا تھا۔ آپ کے گھر سے ہمارے بہت پرانے مراسم تھے۔ میں نے ان کی زندگی کا مطالعہ بہت قریب سے کیا ہے۔ وہ اس قدر بلند خاتون تھیں کہ اس کتاب میں ان کی شخصیت کا مکمل جائزہ لینا مشکل ہے۔ آپ کے والد کا نام نظام حیدر تھا۔ آپ کے والد نظام حیدر صاحب ریلوے میں ملازم تھے۔ امینہ باجی اردو گرلز مڈل اسکول (زنانی اسکول) کاکو میں ٹیچر تھیں۔ آپ کی شادی مارچ 1953 میں جناب اکرام الحق صدیقی صاحب سے بانک، ضلع پٹنہ میں ہوئی تھی۔ آپ بھی ریلوے میں سرکاری ملازم تھے۔ اکرام الحق صدیقی صاحب سے امینہ حیدر کی پانچ اولادیں ہوئیں۔ قیصر اکرام، انور اکرام، سرور اکرام، خورشید اکرام اور

لڑکی فیروزہ ناہید۔ آپ شادی شدہ زندگی کا لطف بہت دنوں تک نہ اٹھا سکیں، جوانی میں ہی 1963 میں شوہر کا انتقال ہو گیا تھا۔

بچوں کی بہتر تعلیم اور نگہداشت کی خاطر ان کے چچا تین بچوں کو کراچی لے کر چلے گئے۔ البتہ خورشید اور ناہید ماں کے پاس رہ گئیں۔ بعد میں یہ دونوں اولادیں بھی پاکستان چلی گئیں۔ آپ کے بچوں کا ہمیشہ زور رہا کہ آپ پاکستان منتقل ہو جائیں لیکن آپ کو وطن عزیز کی محبت ہمیشہ دامنِ گیر رہی۔ کاکو کو آپ نے اپنا مستقل مسکن قرار دیا اور ہمیشہ اپنی والدہ کبریٰ خاتون کے ساتھ یہیں سکونت پذیر رہیں۔ بچوں کی محبت میں اکثر پاکستان آمد و رفت کا سلسلہ جاری رکھا۔ مالی اعتبار سے امینہ باجی آسودہ حال تھیں۔ شوہر کی پنشن، خود کی تنخواہ، کی وجہ سے کبھی مالی مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑا اور پھر آپ کے سارے بچے بھی لائق مند تھے۔

آپ کے مکان کے صحن میں ایک لمبا چوڑا مدرسہ چلتا تھا جہاں چار سال کی عمر سے لے کر دس سال کی عمر تک کے بچے بورے پر بیٹھ کر تعلیم پایا کرتے تھے۔ ان میں زیادہ تر غریب والدین کے بچوں کی تعداد ہوتی تھی۔ انہیں مفت تعلیم ملا کرتی تھی۔ اور یہی کارنامہ امینہ حیدر کو امینہ باجی بناتا ہے۔ ایک مدت تک یہ مدرسہ آب و تاب کے ساتھ چلتا رہا۔ کم سے کم تین نسل نے یہاں سے فراغت حاصل کی ہے۔ جہاں اس مدرسے نے غریب عوام میں تعلیم کے رجحان کو بڑھایا وہیں دین و مذہب سے بھی انہیں منسلک کیا۔ اکثر غیرت مند عورتیں جو در در سے اپنی ضرورت پوری کرنے کی قائل نہیں تھیں وہ اپنے بچوں کو لے کر آتیں۔ امینہ باجی کی دوررس نگاہ ان کے احوال کو پڑھ لیتی تھی۔ آپ ان کی غیرت مندی کو ٹھیس پہنچائے بغیر تحفے تحائف کے بہانے سے ان کے گھروں میں ان کی ضروریات کا سامان بھیج دیا کرتی تھیں۔ ایک اعتبار سے یہ مدرسہ غریب اور مفلوک الحال لوگوں کی کفالت بھی کرتا تھا۔

عمر کے گزرتے ایام کے ساتھ امینہ باجی کی صحت بھی گرتی گئی گھر کے لوگوں

نے انہیں سمجھایا کہ اسکول کی سخت ڈیوٹی کے بعد گھر پر پڑھانا آپ کی صحت کے لئے درست نہیں ہے۔ لیکن یہ ضد پر قائم رہیں۔ خورشید اور ناہید کی پاکستان منتقلی کے بعد اپنی والدہ کی خدمت اور اپنی نوکری کو قائم رکھنا آپ کے لئے ایک چیلنج بن گیا تھا۔ اس وقت میری بچی کہکشاں عرف چھما نے آپ کو کافی تقویت پہنچائی۔ امینہ باجی، کہکشاں کو اپنی بچی کی طرح مانتی تھیں۔ اس کی ہر جائز و ناجائز فرمائش کا خیال رکھتی تھیں۔ کافی دنوں تک یہ مدرسہ قائم رہا بعد میں صحت کی خرابی کے باعث انہوں نے گھر پر پڑھانا بند کر دیا تھا۔ اس مدرسے نے کاکو میں ایک الگ ہی تاریخ مرتب کی ہے۔

امینہ باجی دوران ملازمت 7 جولائی 1997ء کو پٹنہ کے پی ایم سی ایچ میں انتقال کر گئیں اور کاکو کے تیواری بیگھہ قبرستان میں اپنے والد نظام حیدر کے پہلو میں مدفون ہوئیں۔

موت اس کی ہے، کرے جس کا زمانہ افسوس
یوں تو دنیا میں سبھی آئے ہیں مرنے کے لئے



مجذوب علاءالدین

۱۹۴۵ء کا زمانہ تھا۔ کاکو میں علاءالدین نام کے ایک مجذوب تھے۔ اس دور کے لوگ ان کو پاگل کہا کرتے تھے، مگر میرے خیال میں وہ مجذوب تھے۔ مجذوب کو عوام پاگل ہی کہتی ہے۔ مجذوب علاءالدین ننگے بدن اور گھٹنے تک کا تہ بند باندھے رہتے تھے یعنی ادھ ننگے۔ اور ہر وقت ناک بہتی رہتی تھی۔ وہ ناک سے بولتے تھے اور صرف ایک ہی پیسہ مانگا کرتے تھے۔ ناک سے کہا کرتے تھے ایک پیسہ دے دے ماموں کتہ میں ہے۔ ان کے کوئی ماموں کلکتہ میں رہتے تھے۔ ان کو لوگ ایک پیسہ دیا کرتے تھے۔ اس دور میں ایسے لڑکے بھی تھے جو ان سے پیسہ چھین لیا کرتے تھے۔ وہ پئیہاس کے پاس کھڑے رہتے اور مٹھی کا سب پیسہ پئیہاس میں پھینک دیتے۔ وہ یوپی کے رہنے والے تھے۔ ان کے رشتہ داروں کے بارے میں نہیں معلوم۔ ۱۹۵۰-۵۱ کے بعد میں نے علاءالدین کو نہیں دیکھا۔ مجھے یاد ہے کہ میں علی گڑھ جانے کے لئے ٹم ٹم سے جہان آباد جا رہا تھا۔ میں نے دیکھا علاءالدین پئیہاس میں کمر بھر پانی کے اندر کھڑے ہیں۔ ٹم ٹم پر سے چلا کر کہا علاءالدین بھائی کلکتہ چل۔ وہ پانی سے نکل کر میرے طرف دوڑے۔ میں نے اکنی یا دونی نکال کر ان کی طرف پھینکی۔ وہ پیسہ اٹھانے کے لئے زمین میں بیٹھ گئے۔ نہیں معلوم وہ سکہ جو میں ان کو دینا چاہا تھا انہیں ملا یا نہیں۔ وہ مجھے دیکھتے رہے اور ٹم ٹم ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ کسی نے مجھے علی گڑھ سے لوٹنے پر بتایا کہ ان کا انتقال ہو گیا۔



فاطمہ شمسی - نڈر اور بہادر لیڈی

1946 کے بہار فسادات سے کچھ سال پہلے سن 1945 میں سید عمر صاحب، زمیندار سیدہ آباد (کاکو) اور ان کے خادم چمرو میاں کا بہیمانہ قتل کر دیا گیا تھا، جب وہ رات میں اپنے گھر میں سو رہے تھے۔ ان کی بندوق بھی ان کے سرہانے رکھی ہوئی تھی۔ قاتل ان دونوں کو قتل کرنے کے بعد ان کی بندوق کو بھی اپنے ساتھ اٹھا لے گئے تھے۔ شمسی صاحب (فخر الدین محمد شمسی، کاکو) کو اس سانحہ کی جب خبر ملی تو کافی پریشان ہوئے کیونکہ یہ اُن کے خاندان کی بات تھی۔ اس واقعہ کے بعد شمسی صاحب نے محسوس کیا کہ کیوں نہ عورتوں کو بندوق چلانے کی تربیت دی جائے اور اُنہوں نے ایسا ہی کیا۔ شمسی صاحب نے اپنی بڑی بہو فاطمہ شمسی بنت احمد داؤد شمسی، اپنی نواسی عزرا قمر اور ریحانہ فضل کو بندوق چلانے کی تربیت دے ڈالی تا کہ برا وقت آنے پر یہ عورتیں بندوق چلا کر اپنی اور اپنے پڑوسیوں کی جان و مال کی حفاظت کر سکیں۔

یہ شمسی صاحب کی دوراندیشی تھی۔ 1971 میں جب ڈھاکہ مغربی پاکستان بنا اور مکتی واہنی والے مسلمانوں کے گھروں کو اپنا نشانہ بنا رہے تھے اور وہاں کی عورتوں کو اٹھا کر اپنے ساتھ لے جا رہے تھے اس وقت خاکسار کی بہن فاطمہ شمسی کو شمسی صاحب کی دی ہوئی بندوق چلانے کی ٹریننگ کام آ گئی۔ انہوں نے بلوائیوں پر بندوق کی گولیاں داغنا شروع کر دیں اور اپنے گھر کے چاروں طرف سے دوڑ دوڑ کر بلوائیوں پر گولیاں برسائیں۔ اُن لوگوں کو ایسا محسوس ہوا کہ اس گھر کے اندر کافی لوگ جمع ہیں اور سبھی کے پاس بندوقیں ہیں۔ آخر کار بلوائی بھاگ کھڑے ہوئے۔ اور اس طرح فاطمہ شمسی اپنی 5 سالہ اکلوتی بیٹی وائلہ اور پڑوسیوں کی جان، مال، ان کی عزت اور آبرو

بچانے میں کامیاب رہیں۔ واضح رہے کہ کولکاتہ کے اخبار آزاد ہند اور پٹنہ کے اخبار سنگم نے فاطمہ شمسی کی بہادری کی داستان اپنے اخبار میں خصوصیت کے ساتھ شائع کی تھی۔

پاکستان کے اخبار جنگ میں بھی یہ خبر چھپی تھی کہ حکومت پاکستان نے فاطمہ شمسی کو اس بہادری کے لئے ایوارڈ سے نوازا ہے۔

سن 1995ء میں فاطمہ شمسی اپنی فیملی کے ہمراہ فیڈرل بی ایریا، کراچی سے لنکا شائر، انگلینڈ منتقل ہوگئی تھیں۔ ان کے بیٹے آفتاب اقبال شمسی عرف ذہین پہلے سے ہی یارک شائر، انگلینڈ میں مقیم تھے۔ فاطمہ شمسی کا 2001ء میں انگلینڈ میں انتقال ہوا اور یارک شائر میں سپرد خاک ہوئیں۔



محمد حسن عرف بھناڑ میاں

بھناڑ میاں کا اصل نام محمد حسن ملک تھا۔ یہ مولوی کفایت حسین ملک کے لڑکے تھے۔ جوانی میں ہی ان کا ذہنی توازن بگڑ گیا تھا مگر یہ بات لوگوں کو کچھ عرصہ بعد معلوم ہوئی۔ بھناڑ میاں کے کئی لڑکے تھے۔ ان کے ایک لڑکے کا نام سلام تھا ان کی اہلیہ اور بچے سب کاکو ہی میں رہتے تھے۔ بھناڑ میاں کا مکان لب پئیہاس ہے جس میں سلام صاحب کے داماد عارف رضا (انڈھوس) رہتے تھے۔ یہ بھناڑ میاں کا جدی مکان تھا۔ مولوی کفایت حسین عبدالعزیز شمسی کے خاص آدمی تھے۔ ذہنی توازن بگڑ جانے کے بعد بھناڑ میاں بستی میں ادھر ادھر گھوما کرتے۔ لڑکے ان کو چھیڑتے۔ جواب میں وہ گالیاں بکتے تھے۔ ان کا ذہنی توازن کیسے بگڑا؟ ان کا علاج بروقت کیوں نہیں ہوا؟ بھناڑ میاں کا لقب ان کو کیوں اور کیسے ملا ان تمام باتوں کا کوئی جواب دینے والا نہیں ہے۔ میں نے ان کے بڑے لڑکے سلام سے پوچھا تھا (جو عارف کے سسر تھے) لیکن انہوں نے بھی اس کا صحیح جواب نہیں دیا۔

۱۹۴۰ کا واقعہ ہے کہ فخر الدین شمسی صاحب جو کاکو کے ایک معزز شخصیت تھے، مسجد سے نکلتے ہوئے بھناڑ میاں نے ان پر طمانچہ اُٹھایا۔ اس پر پوری بستی کھلبلا گئی۔ شمسی صاحب کے یہاں لوگ جمع ہوئے اور کہا کہ اب کیا کیا جائے؟ اس دور کے کچھ نوجوان بھناڑ میاں کو مارنے ان کے گھر کی طرف دوڑے۔ پیچھے سے شمسی صاحب نے اپنے خاص خادم محمد جان کو جوانوں کو روکنے کے لئے بھیجا اور کہا کہ خبردار! کوئی بھی محمد حسین پر ہاتھ نہیں اٹھائے گا۔ ان کا ذہنی توازن بگڑ چکا ہے۔ اُس وقت میری جگہ پر کوئی اور بھی ہوتا تو یہی کیفیت ہوتی۔ شمسی صاحب نے گھر آئے لوگوں کو سمجھا بجھا کر واپس کر دیا اور کسی کو ان پر ہاتھ اٹھانے نہیں دیا گیا۔

جب میرے والد احمد شمسی کو دہلی میں اس کی خبر ملی تو وہ غصہ میں آ گئے اور کہا کہ اس کی مجال کیسے ہوئی کہ میرے بڑے بھائی پر ہاتھ اٹھالیا۔ والدہ نے بہت سمجھایا مگر کچھ سننے کو تیار نہیں ہوئے اور فوراً سری بابو، وزیر اعلیٰ، بہار کو فون لگا دیا اور کہا وہ حسن کو سخت سے سخت سزا دیں۔ یہ بات سن کر سری بابو بھی غصہ میں آ گئے۔ فخر الدین شمسی صاحب سے بھی سری بابو کے بہت اچھے تعلقات تھے۔ جب شری کرشن سنہا نے، گیا کے ڈی ایس پی، مسٹر اے کے ہنگم کو، کاکو بھیجا تو شمسی صاحب نے کہا کہ ایس پی صاحب یہ میرا معاملہ ہے۔ میں نے انہیں معاف کر دیا ہے آپ بھی ان کو معاف کر دیں اور سری سے کہہ دیں کہ وہ دہلی شمسی کو فون کر کے بتا دیں کہ کاکو والے شمسی نے معاف کر دیا ہے تم بھی معاف کر دو۔ یہ تھی فخر الدین شمسی کی شخصیت۔ بھناڑ میاں کی خاصیت یہ تھی کہ شادیوں میں بن بلائے چلے جاتے تھے اور بغیر انتظار کئے کھانے پر ٹوٹ پڑتے تھے۔ ان کے کھانے سے زیادہ ان کا کپڑا کھانا کھاتا تھا۔ بزرگوں کا حکم تھا کہ بھناڑ میاں کسی کے یہاں کبھی بھی دستر خوان پر بلائے یا بن بلائے بیٹھ جائیں تو ان کو اٹھایا نہ جائے۔ ان کی ایسی حالت ہونے پر بھی کاکو میں لوگ ان کی عزت کرتے تھے۔ بھناڑ میاں کو چار لڑکے اور دو لڑکیاں تھیں۔



سلمیٰ عرف بکّو بی بی

بکو بی بی کا اصل نام سلمیٰ تھا۔ شاید یہ شیعہ مسلک کی تھیں۔ یہ کاکو کب آئیں؟ ان کے شوہر کون تھے؟ یہاں کی جدی تھیں یا نہیں؟ یہ نہ معلوم ہو سکا۔ اتنا معلوم ہے کہ بکو بی بی علی معیز مرحوم کی بڑی بہن تھیں۔ بکو بی بی کو ہم نے آزادی سے قبل ۱۹۴۵ء میں دیکھا تھا۔ اس وقت ان کی عمر ۶۰ سال سے کم نہ تھی۔ ان کا اپنا کوئی گھر نہ تھا ان کے شوہر کیا کرتے تھے؟ کہاں رہتے تھے؟ کب ان کا انتقال ہوا؟ یہ نہ معلوم ہو سکا۔ وہ اپنے بھائی علی معیز کے یہاں رہتی تھیں۔ ۱۹۵۲ء میں علی معیز اپنے متعلقین کو لے کر پاکستان چلے گئے۔ مکان کو بیچا نہیں تھا بلکہ خالی چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ اسی بھائی کے مکان میں وہ اکیلی رہتی تھیں۔ ان کا کوئی رشتہ دار کاکو میں نہیں تھا، جوان کی دیکھ بھال کرتا۔ وہ اکیلے ایک کمرہ میں رہتیں۔ مکان کا باقی حصہ خالی رہتا۔ دن بھر محلّہ میں گھومتی رہتی تھیں۔ بکو بی بی اکثر میری والدہ کے پاس ضرورت سے آتی تھیں والدہ اکثر کہا کرتیں بکو کھانا کھا کر جاؤ گی۔ اگر وہ نہیں سنتیں تو والدہ کہتیں بکو بالکل پاگل ہی ہیں، سنتی ہی نہیں۔ بڑکی جو کھانا پکاتی تھی بولتی بکو سنتی ہی نہیں۔ دلہن کھانا کھا کر جانے کو کہہ رہی ہیں، تب ان کو بات سمجھ میں آتی۔

بکو بی بی اوسط قد کی تھیں۔ جوانی میں ان کا رنگ گورا ہوگا۔ سفید بارڈر والی میلی ساڑی پہنتی تھیں۔ سر میں بال کم تھے۔ بال کے جوڑے میں کپڑے کا ٹکڑا باندھتی تھیں۔ دو تین انچ کی چوٹی تھی۔ بعد میں ان کی کمر جھک گئی تھی، لاٹھی ٹیک کر چلنے لگی تھیں۔ موٹے شیشے کا گول چشمہ لگاتی تھیں، کمانی کی جگہ ڈوری بندھی رہتی تھی۔ منہ میں دانت تھے مگر آنکھ کی روشنی کم ہو گئی تھی۔ بکو بی بی بے مقصد گھومتی رہتی تھیں اور الٹ پلٹ بولتی رہتی تھیں۔ چونکہ وہ بولتی زیادہ تھیں اس لئے ان کا نام بکو بی بی پڑ گیا تھا۔ ان

کا اصلی نام کم لوگ جانتے تھے۔سب بکو بی بی ہی کہا کرتے تھے۔بکو بی بی شاید کھانا نہیں پکاتی تھیں، بستی میں گھوم گھوم کر کھایا کرتی تھیں۔یہی ان کی زندگی تھی۔بکو بی بی کے لئے مشہور تھا کہ وہ جادوٹونا کرتی ہیں۔میری والدہ کہا کرتی تھیں کہ راستے میں بکو بی بی ملیں تو ان کے پاس مت جانا، نہ راستے میں ان سے بات کرنا کیوں کہ وہ جادوٹونا کرتی ہیں۔ان کا چہرہ کچھ وحشت انگیز ضرور تھا۔ان کی آنکھوں میں پراسرار چمک پائی جاتی تھی۔اس دور کے لڑکے جوان کو چھیڑتے تھے یا تنگ کرتے کہتے، دیکھو بکو بی بی جا رہی ہیں۔یہ سن کر وہ رک جاتی تھیں اور اپنے پیچھے لگنے والوں لڑکوں کو ہاتھ کی لاٹھی گھما کر اپنے خیال میں مارتی تھیں۔بکو بی بی کا انتقال شاید ۱۹۵۸ء میں ہوا تھا۔علی گڑھ سے جب میں موسم سرما میں چھٹیوں پر آیا تو بکو بی بی سے ملاقات نہیں ہوئی۔



ڈاکٹر صلاح الدین اور پنیر گھر

ڈاکٹر صلاح الدین مرحوم بازارٹولہ میں ہومیو پیتھ ڈاکٹر تھے۔ان کا مکان بازارٹولہ میں ہے اور ان کے مکان کے پچھّم جانب کی دیوار مڈل اسکول کی دیوار سے سٹی ہوئی ہے۔مکان کے تین طرف کافی جگہ ہے جس میں سبزی کی کھیتی ہوتی ہے۔کاکو میں پتھر کوئلہ کا کاروبار سب سے پہلے صلاح الدین بھائی نے شروع کیا تھا اور ساتھ ہی ۱۹۴۰ء میں پنیر بنانے کا گھریلو کارخانہ کھولا تھا۔ان کی بنائی ہوئی پنیر پورے بہار میں مشہور تھی۔ان کی پنیر زیادہ تر گیا، پٹنہ، بہار شریف، پھلواری شریف اور آرہ وغیرہ میں فروخت ہوتی تھی۔پنیر شہروں میں فروخت کرنے کے لئے محتشم باللہ مرحوم کو رکھا گیا تھا۔ان کی محنت کی وجہ سے کاکو کی پنیر میں چار چاند لگ گئے تھے۔پنیر کا ٹکڑا

ڈھائی سوگرام کا ہوتا تھا اور یہ پاؤ بھر کی چکی کہلاتی تھی۔

۱۹۷۰ کے بعد پنیر کا یہ کارخانہ بند ہوگیا۔کافی عرصہ بعد ان کے لڑکے شبن صاحب نے دوبارہ پنیر بنانے کا اہتمام کیا، لیکن کچھ ہی دنوں کے بعد یہ پھر بند ہوگیا۔آج بھی لوگ کاکو والوں سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا کاکو میں پنیر اب بھی بنتی ہے؟ کاکو کی پنیر نے بے انتہا شہرت حاصل کر لی تھی۔جو لوگ پاکستان چلے گئے ہیں وہ آج بھی کاکو کے پنیر کے بارے میں پوچھتے ہیں۔۲۰۰۵ اور ۲۰۰۷ میں راقم پاکستان گیا تھا تو وہاں کاکو اور پٹنہ کے لوگوں سے ملاقات کی۔اُن لوگوں نے بھی یہی سوال کیا کہ کاکو میں پنیر بنتی ہے؟ میں نے انھیں بتایا کہ فی الحال بند ہے۔میں نے شبن بھائی سے دوبارہ شروع کرنے کی درخواست کی ہے۔



کبوتر خانہ

کاکو میں سب سے پرانا کبوتر خانہ فخر الدین شمسی صاحب کا تھا جس میں سینکڑوں کی تعداد میں کبوتر ہمیشہ موجود رہتے تھے۔شمسی صاحب کا کبوتر خانہ ان کے گھر کے پیچھے تھا۔وہیں پر ان کے خاص ملازم محمد جان کا رہائشی مکان تھا۔یہ کبوتر خانہ دو منزلہ تھا۔دوپہر میں یہ کبوتر شمسی صاحب کے باغ کے تالاب میں پانی پینے آتے تھے۔شمسی صاحب کا انتقال ہوا تو ۱۹۷۲ میں یہ کبوتر خانہ اور تمام کبوتر موجود تھے۔شمسی صاحب کے انتقال کے بعد ان کی حویلی خالی ہوگئی۔کبوتروں کی دیکھ ریکھ نوکروں پر تھی اس لئے ۱۹۹۰ کے بعد یہ کبوتر بھی ختم ہوگئے۔بعد میں کبوتر خانہ کی زمین بھی بک گئی۔اب کبوتر خانے کی جگہ پر کسی وکیل صاحب کا مکان بن گیا ہے۔



ینگ مینس ایسوسی ایشن

خاکسار جب علی گڑھ میں اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد۱۹۶۲ میں کاکو اپنے وطن واپس لوٹا تو نوجوانوں کا شیرازہ بکھرتا ہوا دیکھا۔ میں نے سوچا کہ نوجوانوں کو ایک پلیٹ فارم پر لایا جائے۔ ۲۴/اکتوبر ۱۹۶۲ کو نوجوانوں کا ایک عام جلسہ ابرار صاحب مرحوم کے بنگلہ پر اظہار مظہری صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اس موقع پر اظہار مظہری صاحب، انظار احمد اشرفی صاحب، مولوی محمد ابرار صاحب مرحوم رئیس کاکو، شفیع حیدر صاحب،، شاہ علاءالدین صاحب، ڈاکٹر طارق جمیل (اسٹیٹ سرجن کاکو بلاک) موجود تھے۔ اس انجمن کے پہلے صدر کی ذمہ داری خاکسار کو دی گئی۔ جنرل سکریٹری کا عہدہ انظار احمد اشرفی کو دیا گیا۔ خازن شفیع حیدر بنائے گئے۔ کافی دنوں تک یہ انجمن بڑے باوقار طریقے سے چلتی رہی۔ جب یہ نوجوانان تلاش معاش میں کاکو سے باہر نکلے تو انجمن بھی ختم ہوگئی۔ اس انجمن کا جو مقصد تھا وہ پورا نہ ہوسکا۔



گرام وکاس سمیتی

بستی کی فلاح و بہبود کے لئے خاکسار کو ہندو مسلمانوں کی ملی جلی ایک انجمن بنانے کا خیال پیدا ہوا۔ اس سلسلے میں خاکسار نے فخرالدین شمسی کی صدارت میں بستی کی ایک بڑی میٹنگ بلائی جس میں ہندو مسلمان اگروال وغیرہ سبھوں نے شرکت کی۔ میٹنگ میں اس انجمن کا نام گرام وکاس سمیتی رکھا گیا۔ اتفاق رائے سے اظہار مظہری صاحب صدر منتخب ہوئے۔ اس خاکسار کو جنرل سکریٹری منتخب کیا گیا۔ خازن آنجہانی راجہ سنگھ جو ہندو طبقہ میں نامور آدمی تھے چنے گئے۔ گرام وکاس سمیتی کا یوم

تاسیس ۳۰/ستمبر ۱۹۶۴ ہے۔ اس سمیتی کے گیارہ ممبر تھے، چھ ہندو اور پانچ مسلمان۔ دس سے بارہ سال تک گرام وکاس سمیتی کاکو شاندار طریقے سے اپنا کام کرتی رہی۔ گاؤں کے بہت سے مسائل سمیتی نے بلاک کے ذریعہ حل کرائے۔ کاکو کے بی ڈی او گاؤں کے معاملے میں وکاس سمیتی سے مشورہ لیا کرتے تھے، اس کے لئے گاؤں کے معاملات بہت اچھے طریقے سے طے ہو رہے تھے۔ خاکسار سیاسی رجحان رکھتا تھا چنانچہ ۱۹۷۴ کے جے پرکاش آندولن میں ۲۳ ماہ قید و بند کی صعوبت سے گزرے۔ اسی وجہ سے گرام وکاس سمیتی جے پرکاش آندولن کی نذر ہوگئی۔



شمسی بلائنڈ ریلیف سوسائٹی

گرام وکاس سمیتی کی طرف سے ۱۵/اکتوبر ۱۹۷۱ کو فخرالدین شمسی کے بنگلہ پر ایک بڑا جلسہ ہوا۔ اس میں مسٹر اے جین، ایس ڈی او، سی او، بی ڈی او، ڈی ایس پی مسٹر وکٹ، ڈاکٹر طارق جمیل اسسٹنٹ سرجن کاکو اور چند دیگر افسران کی موجودگی میں 'شمسی بلائنڈ ریلیف سوسائٹی' کی بنیاد ڈالی گئی۔ ایس ڈی او مسٹر اے جین اس کے صدر منتخب ہوئے اور راقم الحروف کو اس کا جنرل سکریٹری بنایا گیا تھا۔

اس سوسائٹی کے تحت پہلا آپریشن کیمپ ۱۸/دسمبر ۱۹۷۱ء کو شمسی بلڈنگ، کاکو میں لگایا گیا۔ اس موقع پر ہندوستانی فوج کے ایر چیف مارشل اے کے مکرجی بھی موجود تھے۔ اس کیمپ کا افتتاح ڈی ایم، گیا اور آنکھوں کا مفت آپریشن ڈاکٹر لئیق احمد، ڈاکٹر شاہد حسن اور ڈاکٹر مشتاق محسن، ڈاکٹر عبدالمعیز شمس کے ہاتھوں ہوا۔ ڈاکٹر لئیق احمد، فخر الدین شمسی کے نواسے ہیں۔ آنکھوں کے مفت آپریشن کا سلسلہ ماشاء اللہ چلتا رہا۔ فرق اتنا ہوا کہ پہلے یہ سوسائٹی بلائنڈ ریلیف سوسائٹی کے نام سے چل رہی تھی لیکن فخر

الدین شمسی اوران کے چھوٹے صاحبزادے ڈاکٹرمحی الدین شمسی کے انتقال کے بعد اس کا نام شمسی بلائنڈ ریلیف سوسائٹی کر دیا گیا۔ سال میں کم سے کم دوسوغریبوں کی آنکھوں کا مفت آپریشن اس کے ذریعہ ہوتا رہا۔۱۹۹۲ء کے بعد آنکھوں کا مفت آپریشن ہونا بند ہوگیا۔اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ کوئی ذاتی رنجش کے بنا پر ڈاکٹر لئیق صاحب نے کاکو آنا چھوڑ دیا اور مفت آپریشن کیمپ بھی بند کردیا۔ جس سے کاکو اور اطراف کے لوگ اس فلاحی کام سے محروم ہوگئے۔معلوم رہے کہ جناب ڈاکٹر لئیق احمد کا 19 مارچ 2022ء کو دہلی کے ایک پرائیوٹ ہسپتال میں انتقال ہوگیا اور تدفین بھی دہلی میں انجام پائی۔



انجمن دینیات

راقم الحروف نے محسوس کیا کہ ہم میں اور ہمارے بچوں میں دینی تعلیم کی کمی ہوتی جارہی ہے اس لئے ینگ مینس ایسوسی ایشن کی طرف سے ایک دینی ادارہ قائم کیا جائے، لہٰذا انجمن دینیات کا قیام عمل میں آیا۔ایک حافظ کی خدمات حاصل کی گئی۔ رات میں نوجوانوں کو جوان پڑھ تھے اردو اور انگریزی کی تعلیم دی جاتی تھی۔ جامعہ اردو علی گڑھ سے میٹرک کا امتحان دلانے کی کوشش کی گئی۔انجمن دینیات کا پہلا صدر بالاتفاق اس خاکسار کو بنایا گیا۔بعد میں خاکسار نے یہ ذمہ داری سیدشاہ علاء الدین صاحب کوسونپ دی۔۱۲سال تک یہ انجمن دینیات چلتی رہی۔ یہ انجمن شاہی مسجد سے متصل مسافرخانہ کی عمارت میں چل رہی تھی۔سیدشاہ علاء الدین صاحب کے پٹنہ چلے جانے کے بعد یہ انجمن ختم ہوگئی چونکہ دوسرے لوگ اس کو نہ چلا سکے۔



بس اسٹینڈ

کاکو میں بس رکنے کی کوئی خاص جگہ نہ تھی نہ ہی کوئی بس اسٹینڈ تھا۔ ڈرائیور جہاں چاہتے بس روک دیتے جس سے عوام کو بہت تکلیف ہوتی تھی۔بس کہیں پر رکتی تو مردعورت سب کو دوڑتے ہوئے بس پکڑنے کے لئے جانا پڑتا۔گرام وکاس سمیتی نے اس خاکسار کو مجاز کیا کہ راجیہ ٹرانسپورٹ کے ڈی ایم سے رابطہ کرکے کاکو میں بس اسٹینڈ قائم کرائیں۔ چنانچہ یہ کوشش کی گئی جو بارآور ہوئی اور بس اسٹینڈ بن جانے پر ساری بسیں بس اسٹینڈ پر ہی رکنے لگیں اور بس کی سواریوں کو سہولت ہوگئی اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ دوسری بسیں بھی اسی بس اسٹینڈ پر رکنے لگیں۔اب اس جگہ پر ٹمپو اسٹینڈ بن گیا ہے۔



اسٹیٹ ڈسپنسری

کاکو میں ڈاکٹر اور اسٹیٹ ڈسپنسری کی بہت کمی محسوس کی جارہی تھی۔ اس سلسلہ میں طے ہوا کہ گرام وکاس سمیتی کے سکریٹری کوشش کر کے کاکو میں ڈاکٹر اور اسٹیٹ ڈسپنسری کے قیام کو ممکن بنائیں۔ چندمہینوں کی دوڑ دھوپ کے بعد حکومت بہار کی طرف سے ۱۴/جون ۱۹۶۵ میں اسٹیٹ ڈسپنسری قائم ہوگئی۔ جب تک اس کی اپنی عمارت نہیں بن گئی یہ شیخ عبدالرحمٰن عرف گھسو بابو رئیس کاکو کے بنگلہ میں کام کرتی رہی۔۱۹۷۳ میں یہ اسٹیٹ ڈسپنسری بلاک کے پاس اپنی بلڈنگ میں منتقل ہوگئی۔ اسٹیٹ ڈسپنسری میں جو ڈاکٹر آئے بالترتیب ان کے نام یہ ہیں: ڈاکٹر منظور، ڈاکٹر طارق جمیل، ڈاکٹر نسیم (ان کا سعودی میں انتقال ہوگیا) ڈاکٹر قمر اسماعیل، ڈاکٹر سمیع

ملک، ڈاکٹر قطب الدین۔ ان سب ڈاکٹروں کا قیام بستی ہی میں رہا، جس کی وجہ سے مسلم گھرانوں کو بہت آسانیاں فراہم ہوئیں۔ سبھی مسلم ڈاکٹر عورتوں کے علاج کے لئے گھر پر آجاتے تھے۔ اب بہت مشکل ہوگئی ہے۔



کاکو تھانہ

کاکو کی ترقی کے ساتھ یہ بھی ضروری تھا کہ کاکو میں آؤٹ پوسٹ کی جگہ ایک بڑا تھانہ ہو جس سے کاکو کے لوگوں کو جہان آباد تھانہ کا چکر نہ لگانا پڑے۔ کاکو میں تھانہ کے بننے سے یہاں کی اہمیت بھی بڑھ جائے گی اور دشواری بھی کم ہوگی۔ لہٰذا اس سلسلے میں گرام وکاس سمیتی کی جانب سے راقم الحروف کو یہ ذمہ داری دی کہ آپ اپنے رسوخ کا استعمال کریں تا کہ کاکو میں ایک بڑا تھانہ قائم ہو جائے۔ کاکو کے لوگوں کو اس بات کا یقین تھا کہ ان کے بھائی فضل احمد صاحب، آئی جی پولیس (بہار) کے عہدے پر فائز ہیں وہ اس سلسلے میں ضرور اپنے بھائی اور کاکو کے شہریوں کی مدد کریں گے۔ واضح رہے کہ جناب فضل احمد کی پیدائش بھی اپنے نانیہالی مکان، شمسی بلڈنگ، کاکو میں ہوئی تھی۔ چنانچہ میں نے فضل بھیا سے پٹنہ جا کر ملاقات کی تھی اور کاکو کے لوگوں کی پریشانیوں کو سامنے رکھا۔ میری ملاقات کے بعد بھیا نے اس کام کو جلد کرنے کی یقین دہانی کرائی۔ فضل بھیا کی کوشش رنگ لائی اور 16 ستمبر 1979ء کو کاکو کو ایک بڑے تھانے کا درجہ ملا اور جناب ناگیندر ترپاٹھی کو افسر انچارج بنا کر بھیجا گیا تھا۔ اُس وقت یہ تھانہ مین روڈ پر جناب شمیم ملک کے مکان میں چل رہا تھا۔ معلوم رہے کہ 1990ء میں یہ تھانہ اپنی سرکاری عمارت میں منتقل ہوگیا تھا جس کی عمارت کاکو بلاک کے قریب ہے۔



پنجاب نیشنل بینک

کاکو میں پہلے کوئی بینک نہیں تھا۔ ۱۹۷۵ء میں کاکو میں نھک ساؤ کے مکان میں پنجاب نیشنل بینک کھلا جس کے پہلے منیجر مسٹر ایس کے وائی (پنجابی) تھے۔ شروع میں وہ خاکسار کے ساتھ جا کر لوگوں کو بینک کی اہمیت سمجھاتے اور بینک میں اکاؤنٹ کھولنے پر آمادہ کرتے تھے۔ شروع میں لوگ آمادہ نہیں ہوئے لیکن آہستہ آہستہ لوگ اس کی طرف متوجہ ہونے لگے۔ پھر اس میں اتنی بھیڑ ہونے لگی کہ ایک بینک کاکو کے لئے ناکافی ہوگیا۔ اب ایک دوسرے بینک کی ضرورت آن پڑی تھی۔



اسٹیٹ بینک آف انڈیا

کاکو میں پنجاب نیشنل بینک کھل چکا تھا لیکن اس سے عوام کی ضرورتیں پوری نہیں ہو رہی تھیں۔ بھیڑ اس قدر رہتی تھی کہ کام کرانا مشکل ہوگیا تھا۔ روپیہ نکالنے اور جمع کرنے میں کافی وقت لگتا تھا۔ جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ اسٹیٹ بینک آف انڈیا کی شاخ کاکو میں کھلنے جا رہی ہے تو سب کو بہت خوشی ہوئی۔ یکم ستمبر ۲۰۱۲ کو جناب للن سنگھ کے مکان میں بینک کا افتتاح ہوا۔ بہت تیزی سے عوام اپنا اکاؤنٹ وہاں کھلوانے لگی۔ اس بینک کے سب سے پہلے اکاؤنٹ ہولڈر للن سنگھ تھے جن کے مکان میں بینک کھلا تھا۔ دوسرے ان کے بیٹے سکیت سنگھ اور تیسرے بیٹے نکیت سنگھ۔ اس کے بعد اس خاکسار کا اکاؤنٹ نمبر تھا۔ اس بینک کے پہلے منیجر شری روی شنکر اور دوسرے امیش چندر تھے۔ دونوں اچھے انسان تھے اور انسان دوست بھی۔



کاکو سنٹرل جیل

نومبر ۲۰۰۵ شہر جہان آباد میں جیسے ہی اندھیرا چھایا ۹ر بجے کے قریب تقریباً ایک ہزار ماؤوادیوں نے رائفل، بم اور بندوق کے ساتھ جہان صدر جیل پر حملہ کر دیا اور داخلی دروازے کو بم سے اڑا دیا۔ تقریباً ۶۰۰ قیدیوں میں سے اپنے تین سو اکتالیس ۳۴۱ ساتھیوں کو چھڑا کر لے بھاگے۔ اور کئی رائفلیں بھی لوٹ کر اپنے ساتھ لے گئے۔ پولیس انتظامیہ نے اس واقعہ کو جہان آباد جیل بریک کا نام دیا ہے۔

اس واردات کو دھیان میں رکھتے ہوئے حکومت نے بڑے پیمانے پر ضلع جہان آباد میں نئے طرز کی ایک جیل کی تعمیر کا فیصلہ کیا۔

اور آخر کار شہر کاکو کے وسط میں یہ جیل ۲۰۱۱ میں بن کر تیار ہو گیا۔ اس کا رقبہ ۱۲۰ ایکڑ ہے۔ اس سے پہلے اس زمین پر حکومت کا ایک فارم ہاؤس ہوا کرتا تھا۔ اس جیل کے بننے سے صرف ایک بات کا خدشہ لاحق ہے کہ کہیں مستقبل میں یہ جگہ بدمعاشوں کی آماج گاہ نہ بن جائے۔



اُردو ہندی ساہتیہ سنگم

خاکسار نے محسوس کیا کہ کاکو میں ادبی سرگرمیاں ختم ہو رہی ہیں۔ ادب کو زندہ رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ کاکو میں ایک ادبی بزم قائم کی جائے تاکہ اس بزم کے ذریعہ ادب کو زندہ رکھا جا سکے۔ ادبی نشست ہوتا کہ عوام میں ادب کا ذوق پیدا ہو۔ ادبی مجلسوں اور مشاعروں کا سلسلہ جاری رہے۔ اس سلسلہ میں ادب نواز لوگوں سے

ملاقاتیں کیں۔ طے پایا کہ ۲۳ اگست ۲۰۰۰ بروز اتوار ایک نشست سریندر موہن کے یہاں منعقد ہو گی۔ ۲۳ اگست ۲۰۰۰ بروز اتوار کی اس نشست میں سریش لکھیا، گپتا جی، رام پرت بابو، سریندر موہن، پربھو دیال اگروال، نریندر سنگھ، محفوظ مظہری، خالد مظہری، اِلما لطیف شمسی، ایوب رضا نشتر، قیوم راہی، شاہد رضوی، شکیل کاکوی، تنویر ملک، خوشتر رشید خوشتر، شمیم بی بی پوری اور حلیم اختر شاد موجود تھے۔ خاکسار نے ادب کی افادیت پر چھوٹی سی تقریر کی اور کہا کہ کبھی کاکو ادب کا گہوارہ سمجھا جاتا تھا۔ ادب کی روشنی کاکو سے چھوٹی اور سارے علاقے میں پھیلی تھی۔ عطا کاکوی، ارشد کاکوی، اختر کاکوی، ولی کاکوی، احمد کاکوی، حسن امام شمسی کاکوی (صاحب دیوان)، شجر کاکوی، نعمان ہاشمی ابن شجر کاکوی، ڈاکٹر اختر اورینوی، پرفیسر حسنین عظیم آبادی، مسلم عظیم آبادی، قاضی عبدالودود جیسے محقق کاکو میں پیدا ہوئے اور ادب کی دنیا میں کافی نام روشن کیا۔

؎ کاکو کی سرزمیں نے کئے ایسے سخنور پیدا
کہ غالب کا بھی اندازِ بیاں رشک کرے ہے

اس بزم کا نام 'اردو ہندی ساہتیہ سنگم' رکھنا طے ہوا۔ اس کے پہلے صدر پربھو دیال اگروال ایڈوکیٹ منتخب ہوئے۔ ایوب رضا نشتر کاکوی جنرل سکریٹری، نائب صدر ملک تنویر کاکوی، سرپرست لطیف شمسی اور محفوظ مظہری منتخب ہوئے۔ رام پرت بابو، گپتا جی، قیوم راہی، خورشید رشید رضا، حلیم اختر شاد ممبران بنائے گئے۔ اور خاص ممبر وکاس اگروال کو بنایا گیا۔ ۳۰ر اگست ۲۰۰۰ کی بیٹھک میں یہ طے پایا کہ اس بزم کے تحت ہر ماہ گھر بدل بدل کر نشست ہوا کرے گی، تاکہ نوجوانوں میں شعر و سخن کا شوق پیدا ہو۔ یہ بھی طے ہوا کہ آل بہار پیمانے پر ایک مشاعرہ کیا جائے تاکہ کاکو کا یہ مشاعرہ یادگار بن جائے۔ اس نشست میں خاکسار کے علاوہ مجیب گیاوی، جاوید عالم (انجینئر) قیوم راہی، خوشتر رشید کاکوی، تنویر ملک تابش کاکوی اور جاوید قمر نے اپنے اپنے اشعار سنائے۔

'اردو ہندی ساہتیہ سنگم' نے دو بڑے مشاعرے کئے۔ ایک بڑا مشاعرہ خاکسار کے میدان شمسی کمپلیکس میں، شاکر جمال، ایس ڈی او جہان آباد کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اس مشاعرے کے مہمان خصوصی سنتوش کمار مل، ڈی ایم جہان آباد تھے۔ ساتھ ہی ایس پی اور ڈی ایس پی جہان آباد نے بھی شرکت کی۔ اس مشاعرے میں مقامی شعرا کے علاوہ بیرونی شعرا بھی موجود تھے، شمیم بی بی پوری، ظفر ضیا جہان آبادی، نکہت ندیم ندیاواں، ظفر رضوی سہسرام، انجم سہسرامی، شوہر گیاوی، اعجاز مان پوری کے علاوہ مقامی شعرا میں راہی کاکوی، خوشتر کاکوی، تنویر تابش کاکوی، جاوید عالم، قمر کاکوی، انجم کاکوی، نشتر کاکوی، شبنم ندیانوی، طارق محی الدین شرمیلا' اور یوسف شمسی وغیرہ نے شرکت کی۔

اردو ہندی ساہتیہ سنگم نے دوسرا بڑا آل بہار مشاعرہ کاکو ہاٹ کے میدان میں منعقد کیا۔ مہمان خصوصی مجاہد آزادی شری اوپیندر ناتھ ورما سابق سنٹرل منسٹر نے دیپ جلا کر مشاعرہ کا آغاز کیا۔ اس مشاعرہ میں مہمان کی حیثیت سے سنتوش کمار مل، ڈی ایم جہان آباد، ایس پی جہان آباد، ڈی ایس پی جہان آباد، ایس ڈی او جہان آباد، سی او اور بی ڈی او کاکو شریک ہوئے۔ بیرونی شاعروں میں ظفر رضوی کاکوی، انجم سہسرامی، شگفتہ سہسرامی، شوہر گیاوی، امجد گیاوی، ہاشم گیاوی، شفیع مشہدی، ثمر ٹکاروی، ظفر ضیا جہان آبادی تھے۔ بیرونی شعراء کو غالب ایوارڈ، میر ایوارڈ، اقبال ایوارڈ، مجاز ایوارڈ اور عطا کاکوی ایوارڈ سے نوازا گیا۔ مشاعرہ کی نظامت شاکر جمال ایس ڈی او جہان آباد نے انجام دی۔ اس مشاعرہ کی ویڈیو فلم بھی بنائی گئی جس کی کاپی 'اردو ہندی ساہتیہ سنگم کے صدر پربھودیال اگروال کے پاس محفوظ ہے۔

۱۱؍جون ۲۰۰۲ 'اردو ڈے' کے موقع پر ضلع کی طرف سے ڈی ایم جہان آباد نے مشاعرہ و کوی سمیلن باری ہال، جہان آباد میں منعقد کروایا۔ اس مشاعرے کے کنوینر پروفیسر عقیل احمد، ارکی تھے۔ ڈی ایم جہان آباد نے اردو ہندی ساہتیہ سنگم، کی پوری ٹیم کو

مشاعرہ میں دعوت دی۔ اس کی اطلاع انہوں نے فون کے ذریعہ سے خاکسار کو دی کہ آپ اپنے شاعروں کی پوری ٹیم کے ساتھ تشریف لائیں۔ مشاعرے میں شرکت کرنے والوں میں سریندر موہن، گپتا جی، ایوب رضا نشتر، جاوید قمر، انجم کاکوی، ڈاکٹر حلیم اختر شاد، قیوم راہی، خوشتر رشید، تنویر تابش اور پی ڈی اگروال شامل تھے۔ مشاعرے کے بعد کاکو کے شاعروں کی ٹیم کو ۳۰۰۰ روپیہ نذرانہ فی کس دیے گئے۔ ڈی ایم جہان آباد کاکو کے شاعروں کی ٹیم کو ہر سال ۱۱؍جون کو ہندی دیوس پر بلاتے ہیں۔ اردو ہندی ساہتیہ سنگم کے جنرل سکریٹری ایوب رضا نشتر کے انتقال کے بعد یہ سلسلہ ختم ہوگیا۔

۲۰۰۲ء میں 'اردو ہندی ساہتیہ سنگم' کی طرف سے ایک بڑا مشاعرہ مظہری کمپلیکس میں منعقد ہوا جس کی صدارت شاکر جمال ایس ڈی او جہان آباد نے کی۔ چیف گیسٹ کی حیثیت سے سنتوش کمار مل صاحب، ڈی ایم جہان آباد، پی لال، ایس پی جہان آباد، ڈی ڈی سی، جہان آباد موجود تھے۔ اس مشاعرے میں گیا، پٹنہ، جہان آباد اور سہسرام وغیرہ کے شعرا موجود تھے۔ جناب محفوظ مظہری نے شاعروں اور افسروں کو رات کا ڈنر دیا۔ یہ بھی ایک یادگار مشاعرہ تھا۔

۱۴؍ستمبر ۲۰۱۲ کو ہندی دیوس کے موقع پر 'اردو ہندی ساہتیہ سنگم' کے شعراء نے شرکت کی تھی۔ اس موقع پر، بالا مورگن ڈی ایم جہان آباد، مسٹر اجے کمار سریواستو، ڈسٹرکٹ جج جہان آباد اور مسز ہرپت کور، ایس پی جہان آباد نے مشترکہ طور سے ایک کوی سمّیلن کا انعقاد کیا تھا۔ راقم الحروف کے علاوہ کچھ شاعروں کو جناب غلام اصدق صاحب کے معرفت دعوت نامہ بھیجا گیا۔ جناب غلام اصدق 'نمایندہ راشٹریہ سہارا خود' کاکو تشریف لائے اور میری دو غزلیں اپنے ساتھ لے گئے تاکہ 'ہندی دیوس' کے سووینئر میں شامل کر سکیں۔ اس موقع پر مشاعرہ و کوی سمیلن بڑی شان کے ساتھ باری ہال میں منایا گیا۔ مشاعرہ ایک بجے رات تک چلتا رہا۔ مشاعرہ شروع ہونے سے پہلے ڈائس پر مجھے تالیوں کی گڑگڑاہٹ کے بیچ بلایا گیا۔ تالیوں کی آواز کے ساتھ ڈی

ایم صاحب نے پھولوں کا ہار میرے گلے میں ڈالا، ڈسٹرکٹ جج جہان آباد نے گرم شال کاندھوں پر رکھا اور ایس پی مسز ہرپت کور نے پھولوں کا گلدستہ اور سووینیر مجھے پیش کیا۔ مجھے دو مرتبہ ڈائس پر بلا کر میری غزلیں سنی گئیں۔ میرے ساتھ تنویر احمد تابش اور شمیم اختر شمیم بھی تھے۔ یہ لوگ میرے ساتھ 'اردو ہندی ساہتیہ سنگم'، کاکو کی نمائندگی کر رہے تھے۔



کاکو میڈیکل اسٹور

کاکو بستی میں ۱۹۷۲ء سے قبل کوئی میڈیکل اسٹور نہیں تھا۔ دوا کے لئے عوام کو جہان آباد جانا پڑتا تھا۔ ہیڈ ماسٹر شمس الضحیٰ صاحب کے ریٹائرڈ ہونے کے بعد ان کے منجھلے صاحب زادے ارشد مرحوم نے ۱۹۷۲ء میں کاکو میڈیکل اسٹور کے نام سے دوا کی دوکان کھولی۔ دوکان کھلنے سے بستی اور اطراف کی عوام کو بڑی سہولت ہوگئی۔ اور ساری دوائیں آسانی سے دستیاب ہو جاتی تھیں۔ اس وقت ڈاکٹر نسیم مرحوم اور ڈاکٹر قمر اسماعیل اسٹیٹ ڈسپنسری میں اسسٹنٹ سرجن تھے۔ ڈاکٹر نسیم مرحوم نے اس دوکان کو آگے بڑھانے میں کافی مدد کی۔ چند سالوں بعد ارشد مرحوم پر منجائٹس کا حملہ ہوا اور دہلی میں دماغ کے آپریشن سے پہلے ہی ان کا انتقال ہوگیا۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے چھوٹے بھائی احمد نے میڈیکل اسٹور کو سنبھالا۔ 31 جنوری 2017ء میں ہارٹ کے مرض میں مبتلا ہونے کی وجہ سے احمد کا بھی انتقال ہوگیا ہے اور دکان بند ہوگئی۔ معلوم رہے کہ احمد کے بڑے بھائی جناب اسدؔ کا بھی 2021ء میں دہلی میں انتقال ہوگیا۔



عید ملن

کاکو میں عید ملن کی رسم بہت پرانی نہیں ہے۔ خاکسار نے جب کاکو میں آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ بہار اور ہندوستان کے بڑے بڑے رہنما کاکو میں میرے بنگلہ پر تشریف لایا کرتے تھے۔ فخر الدین شمسی صاحب ایک سیاسی رہنما اور مجاہد آزادی بھی تھے۔ راجندر پرشاد سابق صدر جمہوریہ ہند، مولانا مظہر الحق، سری بابو وزیر اعلیٰ بہار، انوگرہ بابو، دیپ بابو وغیرہ اور ۱۹۴۶ کے فساد کے دور میں گاندھی جی، خان عبدالغفار خاں (سرحدی گاندھی)، سردار عبدالرب نشتر (پاکستان) شمسی صاحب سے ملنے کو آتے تھے۔ جہان آباد کے افسران بھی شمسی صاحب سے ملنے کو آتے۔

۱۹۷۰ میں عید ملن کا پروگرام بنا کر عید کے دوسرے دن جہان آباد کے مسٹر کے سی جین، ایس ڈی او، مسٹر آر کے وکٹ، ڈی ایس پی، ڈپٹی کلکٹر، کاکو کے، بی ڈی او اور تھانہ انچارج کو دعوت دی گئی۔ کاکو بستی کے کچھ ذی حیثیت لوگوں کو بھی بلایا گیا جیسے ریاست کریم صاحب، ایم. ایل. اے.، حسن امام ملک، راجہ سنگھ، دنیش سنگھ، انظار اشرفی، ڈاکٹر نسیم (اسٹیٹ سرجن) وغیرہ۔ ایس ڈی او، جہان آباد نے اپنی تقریر میں کاکو کے مسلمانوں کو عید کی مبارک باد دیتے ہوئے کہا کہ عید محبت و خلوص اور بھائی چارے کا تہوار ہے۔ ہم سب کو مل کر یہ تہوار منانا چاہئے۔ ہندو بھائیوں کو چاہئے کہ مسلمان بھائیوں کے گھر عید کی مبارک باد کے ساتھ نیک تمنائیں دیں۔ پروگرام ختم ہونے کے بعد سب لوگوں نے سوئی کی فیرنی نوش کی۔

۱۹۸۸ میں ایک بار پھر اکبر امام (کانگریس) نے ملک ٹولہ بنگلہ پر عید ملن کا اہتمام کیا۔ جہان آباد کے ڈی ایم، ایس پی اور بستی کے قابل قدر لوگوں نے شرکت کی۔

۱۹۹۳ میں فرید چودھری نے سیدٹولہ اپنے مکان سے متصل میدان میں عید ملن منعقد کیا۔اس پروگرام میں ایس پی جہان آباد اور بستی کے اھم لوگوں نے شرکت کی تھی۔



الیکشن - بلاک مکھیا

۱۹۵۷ میں بہار سرکار نے یونین بورڈ ختم کر کے بلاک بنانے کا اعلان کر دیا۔کاکو بلاک میں ۱۶ پنچایت ہوگی۔کاکو اور بی بی پور ملا کر ایک پنچایت بنائی گئی۔ ہر پنچایت میں ایک مکھیا اور ایک سرپنچ ہوگا۔اور مکھیا کے ساتھ ۱۲ممبران اور سرپنچ کے ساتھ بھی ۱۲ممبران ہوں گے۔

۱۹۵۸ میں شیخ عبدالرحمٰن مرحوم عرف گھسو بابو کی کوٹھی میں ،کاکو بلاک آفس کھلا، چونکہ بلاک کی اپنی کوئی بلڈنگ نہیں تھی۔ بلاک انچارج بلاک ڈیولپمنٹ افسر کہلاتا تھا۔ بلاک افسر پورے بلاک کا انچارج ہوتا۔کاکو کے پہلے بی ڈی او ناتھ جی تھے۔ ۱۹۶۰ میں انہوں نے ایک شاندار مشاعرہ منعقد کیا۔ یہ مشاعرہ کاکو بلاک کے کمپاؤنڈ میں ہوا۔۵۲ سال گزر جانے کے بعد بھی وہ مشاعرہ آج تک لوگوں کو یاد ہے۔

۱۹۵۸ میں کاکو پنچایت کا پہلا الیکشن ہوا۔ریاست کریم صاحب پہلے مسلم امیدوار تھے جو کاکو پنچایت سے الیکشن میں کھڑے ہوئے تھے۔ان کے مقابلے میں مکھیا کے امیدوار دیوکمار یادو تھے۔ریاست کریم کو ان کے مقابلے میں شکست کا سامنا کرنا پڑا۔کاکو کے مسلمان ہر الیکشن میں کھڑے ہوتے مگر ہندو امیدوار کے مقابلے میں ہار جاتے تھے۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۵۴ سال کے دوران کوئی بھی مسلمان پنچایت کا مکھیا نہ

ہو سکا۔اب کاکو پنچایت تین پنچایتوں میں تقسیم ہو چکی ہے۔کاکو پوربی، کاکو پچھمی، خالص پور۔پوربی پنچایت صرف یادوں کی ہے۔خالص پور کے ساتھ بی بی پور ہے۔ پچھمی پنچایت میں صرف کاکو ہے۔ مین سڑک کے اس پار ہندوؤں کی آبادی ہے اور سڑک کے اس پار مسلمانوں کی آبادی ہے۔ ہندوؤں کی آبادی ۵۱ فیصد اور مسلمانوں کی آبادی ۴۹ فیصد ہے۔ادھر کچھ سال سے مکھیا کی سیٹ عورتوں کے لئے مخصوص کی گئی ہے۔آزادی کے بعد پہلی بار راشد ملک تمنو کی بیگم نے کامیابی حاصل کی اور مکھیا منتخب ہوئیں۔اب کاکو کا شمار نگر پالیکا میں ہوگیا ہے۔اس کا الیکشن اسی سال ۲۰۲۲ء میں ہے۔



کاکو کا پہلا مدرسہ

۱۳۰۹ھ یعنی ایک سوپچیس سال قبل کاکو بستی میں تعلیم کا کوئی معقول انتظام نہیں تھا۔نہ کوئی مدرسہ تھا نہ کوئی چھوٹا موٹا اسکول،جس میں بچے اسلامی یا عصری تعلیم حاصل کر سکیں۔مولوی عبدالوہاب شمسی (سب جج) کے دونوں صاحب زادے یوسف حُسین شمسی اور عبدالعزیز شمسی نے ایک منصوبہ بنایا کہ بستی میں تعلیمی نظام کا آغاز کیا جائے تا کہ بستی کے امیر غریب بچے تعلیم حاصل کر سکیں۔چنانچہ منشی عبدالرحیم (سلمٰی شمسی کے نانا جان)، ملک زیارت حسین، شیخ نورالحسن، ریاض الحق، ملک شرافت حسین نے ایک عام جلسہ عزیز شمسی کے بنگلہ پر منعقد کیا اور اس میں مدرسے کی اہمیت بیان کی۔سب کی رائے ہوئی کہ مدرسہ قائم کرنے کے لئے امداد دینے والوں کی فہرست بنائی جائے اور ہر ماہ لوگوں سے چندہ لیا جائے اور اس کے لئے ایک کمیٹی بنائی جائے۔ منشی عبدالرحیم صاحب اس کے سکریٹری بنائے گئے اور شاہ غفورالرحمٰن، خازن بنائے گئے۔ چندہ وصول کرنے کے لئے ممبران چنے گئے۔ مجلس عاملہ کے رکن منتخب ہوئے۔

عزیز شمسی کے بنگلہ پر مدرسہ قائم ہوگیا اور یوسف شمسی کی نگرانی میں ۱۳۰۹ ہجری میں مدرسہ میں تعلیم کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ چندہ کے علاوہ چرم قربانی اور ہر گھر سے مٹھیا (ایک مٹھی چاول) بھی وصول کرنے کا انتظام کیا گیا۔ اس طرح مدرسہ بڑی خوبی کے ساتھ چلتا رہا۔ اردو فارسی اور کلام مجید کے ساتھ انگریزی تعلیم کا بھی انتظام کیا گیا، چونکہ زمانہ انگریزی کا تھا۔ مگر یہ مدرسہ بدقسمتی سے بہت دنوں تک نہیں چل سکا، اس لئے کہ آپسی اختلافات پیدا ہوگئے۔ مدرسہ اسلامی تعلیم اور انگریزی تعلیم کے لئے دو حصوں میں بٹ گیا۔ منشی عبدالرحیم اور منشی عبدالکریم دونوں بھائی مدرسہ کو اپنے مکان میں لے گئے۔

یوسف حسین شمسی اور عزیز شمسی دونوں بھائی چونکہ انگریزی تعلیم حاصل کر چکے تھے اس لئے ۱۸۹۱ میں انگریزی تعلیم کے لئے اسکول اپنے بنگلہ میں لے گئے۔ اسکول کا سالانہ جلسہ ایسے موقع پر رکھا گیا کہ بستی کے رئیس شیخ عبدالرحمٰن عرف گھسو بابو کے صاحب زادے، جناب داؤد جو لندن سے بار ایٹ لا کر کے گھر واپس آ رہے تھے ان کی شرکت ہو سکے۔ اس موقع پر جن خاص مہمان کی شرکت تھی ان میں سے کچھ کے نام یہ ہیں۔ سید شاہ مبارک حسین مبارک کاکوی، نواب سرفراز حسین، پٹنہ سیٹی، سید شرف الدین بار ایٹ لا، ننھے نواب رئیس گیا، فضل حق آزاد، شاہو بیگھہ، کاکو، نور اللہ صاحب بار ایٹ لا۔ یہ جلسہ بڑے شاندار طریقے سے منعقد ہوا۔ اس جلسہ کی صدارت یوسف حسین شمسی صاحب نے کی۔ علامہ فضل حق آزاد عظیم آبادی نے اس موقع پر ایک نظم سنائی۔ کچھ دنوں تک یہ اسکول عزیز شمسی کے بنگلہ پر چلتا رہا۔ مدرسہ جو دینی تعلیم کے لئے تھا وہ عبدالرحیم صاحب کے مکان میں ہی چلا۔ ان کے انتقال کے بعد یہ مدرسہ ان کے بھائی عبدالحلیم مرحوم نے اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور ان کی زندگی تک یہ مدرسہ چلتا رہا۔ بہت سے طلبہ فارغ التحصیل ہوئے۔ منشی عبدالحلیم کے انتقال کے بعد ۱۳۱۵ھ میں یہ مدرسہ بند ہوگیا۔ چھ سال تک یہ مدرسہ بہت اچھے

طریقے سے چلتا رہا۔ اس مدرسہ کا ذکر جناب حمد کاکوی مرحوم نے اپنی کتاب ''آثار کاکو'' میں بھی کیا ہے۔



مدرسہ فردوسیہ قلندریہ

مدرسہ فردوسیہ قلندریہ عبدالرحمٰن عبیدی نے ۲۰۱۰ عیسوی میں کھولا۔ اس میں قرآن مجید کے علاوہ لڑکے اور لڑکیوں کو عصری تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ اس مدرسہ کے پہلے استاد عبیدی کے علاوہ حافظ سرور صاحب اور حافظ عارف صاحب تھے۔ اس مدرسہ میں طلبہ کے قیام و طعام کا انتظام ہے۔ ابھی کاکو کے باہر سے تین طالب علم یہاں آئے ہیں۔ اس مدرسے میں قریب ۵۰ لڑکے لڑکیاں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔



مدرسہ اسلامیہ عربیہ

کاکو میں عربی مدرسہ کی بڑی کمی محسوس کی جا رہی تھی۔ کاکو میں حفاظ کی بھی بہت کمی تھی۔ رمضان شریف میں تراویح پڑھانے کے لئے باہر سے حافظ بلانے پڑتے تھے۔ آزادی سے پہلے ۴۵-۱۹۴۴ء میں فخر الدین شمسی صاحب نے اس کمی کو محسوس کرتے ہوئے دربھنگہ سے حافظ قاسم صاحب کو بلایا اور ان کی شادی ملک ٹولہ میں کروا دی گئی۔ اس طرح ان کے کاکو میں رہنے کا بندوبست ہوگیا۔ کاکو کے چھوٹے موٹے مدرسوں میں حافظ قاسم صاحب بچوں کو تعلیم دیا کرتے تھے۔ ان کے انتقال کے بعد کاکو میں ایک بھی حافظ باقی نہیں رہے۔ خاکسار نے چاہا کہ اپنے لڑکے کو حافظ بنائے

لیکن کاکو میں رہتے ہوئے ایسا کرنا ممکن نہ تھا۔اس کمی کو یہاں کے باشندوں نے محسوس کیا۔

۱۹۸۳ء میں بازارٹولہ مسجد سے متصل مدرسہ اسلامیہ عربیہ کی بنیاد ڈالی گئی۔ ماشاءاللہ مدرسہ کی اپنی عمارت ہے اوراس میں دوسو بچے قرآن کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ ہرسال دستار بندی ہوتی ہے۔مولانا اسلم مظاہری صاحب کئی برسوں تک اس کے مہتمم اعلیٰ رہے ہیں۔ابھی امداد صاحب اور مولانا رحمت اللہ بخاری بچوں کوتعلیم دے رہے ہیں۔مولانا عظمت اللہ کوبھی جوشاہی مسجد کاکو کے امام تھے،ان کی تقرری بھی مدرسہ میں بحیثیت مدرس کر لی گئی تھی مگر تقرری کے دس دنوں بعد ہی ۸رنومبر ۲۰۱۲ء ۱۲ربجے رات کو اچانک عظمت اللہ صاحب کا انتقال ہوگیا۔اس وقت اس مدرسہ کے صدر مسلم اختر صاحب بندوق والے، سکریٹری محفوظ مظہری، خازن جناب شبن ابن صلاح الدین مرحوم، نائب صدر بنٹی ملک اور چند ممبران ہیں۔ باہر کے دس یا بارہ لڑکے ہاسٹل میں رہتے ہیں اوران کو مدرسہ کی طرف سے کھانے کا انتظام ہے۔ مدرسہ کا خرچ چندہ، چرم قربانی،عطیہ اور امداد سے پورا ہوتا ہے۔



مدرسہ/گورنمنٹ اردو پرائمری اسکول

شاہی مسجد سیدٹولہ سے متصل ایک عمارت ہے جس کے اوپری حصے پر ایک لائبریری تھی اوراس کے نچلے حصے میں 2 کمرے والا گورنمنٹ اردو پرائمری اسکول قائم تھا جسے کاکو کے لوگ مدرسہ کہہ کر پکارتے تھے۔ یہ مدرسہ سرکار سے منظور شدہ تھا۔ اس مدرسہ کی اپنی کوئی عمارت نہیں تھی۔ کچھ پُرانے لوگوں سے تحقیق کرنے پر یہ معلوم

ہوا کہ یہ مدرسہ سن 1930ء میں فخرالدین شمسی نے قائم کیا تھا اور یہ بلڈنگ ان کی ذاتی تھی جوانہوں نے مدرسہ اور مسافر خانہ کے لیے وقف کر دی تھی۔اس اسکول میں شروع سے اب تک 5 کلاس تک کی پڑھائی ہوتی چلی آرہی ہے۔شروع میں اس مدرسے میں 2 مولوی تھے۔ایک مقامی علی حسن مولوی صاحب تھے اور دوسرے مولوی جو لمبے قد کے تھے اور کاکو سے باہر کے تھے۔کچھ لوگوں سے ان کا نام دریافت کیا پر ان کا صحیح نام پتہ نہیں چل سکا۔محترمہ شمیمہ اُستانی (بیگم رحمان صاحب کمپاؤنڈر) نے بھی اس مدرسے میں بچوں کو پڑھایا ہے اور غالباً اپنا ریٹائرمنٹ بھی اسی مدرسے سے لیا تھا۔

اس کتاب کو لکھے جانے تک دولوگوں کا علم ہے کہ وہ اس اسکول میں اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ایک محترمہ خالدہ اشرف جوملک رضی الحق صاحب کی بہن ہیں اور دوسرے استاد طارق ابن باٹا سلطان ہیں۔کچھ سال قبل وزیر تعلیم نے اس مدرسہ کو پرانی جگہ سے ہٹا کر اس کی نئی عمارت میں منتقل کر دیا ہے۔اس اسکول کے داخلی حصہ پر موٹے حروف میں اردو اور ہندی دونوں زبانوں میں ''گورنمنٹ اردو پرائمری اسکول'' درج ہے۔



کاکو مڈل اسکول

۱۸۵۷ء کے بعد ملک پر کالے بادل چھا گئے۔ایسا پرآشوب دور آیا کہ خاص کر مسلمانوں کے ہاتھوں سے سیاست، ریاست، تعلیم، تہذیب، تمدن، عزت اور وقار سب کچھ نکل گیا۔مسلمان بدحال اور پریشان ہو گئے۔ان کی سوجھ بوجھ ختم ہو گئی ان کے پاس تعلیم کا ایسا وسیلہ نہیں رہا جس سے وہ اپنی کھوئی ہوئی عزت اور وقار واپس لاتے۔ بلکہ زندگی سے نڈھال اور مایوس ہو چکے تھے۔ایسے میں ایک بوڑھے انسان

سر سید احمد خاں نے جن کی کمر جھکی ہوئی تھی عزم کیا کہ مسلمانوں کا کھویا ہوا وقار واپس
لایا جائے اور یہ کام تعلیم کے بغیر ممکن نہیں ہوسکتا۔ جس قوم سے تعلیم کا سلسلہ ختم ہو جاتا
ہے وہ قوم مٹ جاتی ہے۔ ان کی داستان بھی نہیں ہوتی داستانوں میں۔ قرآن کی پہلی
آیت ’’ **اقرا باسم ربک الذی خلق** ‘‘ بتا رہی ہے۔ اللہ فرما رہا ہے پڑھو یعنی تعلیم
حاصل کرو۔ دوسری جگہ خداوند کریم اپنے رسول سے فرما رہا ہے ’’اے نبی آپ لوگوں
سے کہہ دیجئے کیا علم والے اور بے علم دونوں برابر ہوسکتے ہیں۔ اس فکر کے ساتھ سر سید
احمد انگلینڈ گئے۔ وہاں تعلیم کا مطالعہ کر کے ہندوستان واپس آئے اور ۲۴ ر مئی ۱۸۸۵
میں ایک کالج کی بنیاد ڈالی جو آج علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے نام سے موجود ہے، جس
کی روشنی سے دنیا منور ہو رہی ہے۔

سر سید کی اس بات سے متاثر ہو کر کاکو کے یوسف حسین شمسی اور عزیز شمسی
دونوں بھائیوں نے سر سید سے ملاقات کی اور ان سے ملنے کے بعد کاکو میں اپنے ہی
بنگلہ پر ۱۸۸۸ء میں اسکول کی بنیاد رکھی۔ کچھ ہی دنوں بعد ۱۸۸۹ میں کاکو مڈل
اسکول کی بنیاد اسی جگہ پر رکھی گئی جہاں آج مڈل اسکول موجود ہے۔ یہ اسکول علی گڑھ
کے طرز پر ہاسٹل کے ساتھ کھلا۔ اس مڈل اسکول کے ہاسٹل کو خاکسار نے ۱۹۴۵ میں
خود دیکھا ہے کیوں کہ کچھ دن خاکسار اس اسکول کا طالب علم بھی رہا ہے۔ یہ مڈل
اسکول اس وقت قائم ہوا جب جہان آباد کے اطراف میں کوئی اسکول نہ تھا۔ جہان آباد
اور آس پاس کے تمام گاؤں سے لڑکے کاکو میں تعلیم حاصل کرنے آتے تھے۔ دو
چار نام اس طرح ہیں۔ سیتا رام کیسری (آل انڈیا کانگریس پریسیڈنٹ) شام
نرائن بابو مجاہد آزادی جو کافی عرصہ تک جہان آباد میونسپلٹی کے چیرمین رہے۔ ڈاکٹر رام
نرائن بابو (مشہور ڈاکٹر) پروفیسر اختر قادری ایچ او ڈی لنگٹ سنگھ کالج مظفر پور اور
وہاب اشرفی۔ اسی طرح بہت سے لوگ جہان آباد اور اطراف کی بستی سے تعلیم حاصل

کرنے کاکو آتے تھے چونکہ کاکو تعلیم کا گہوارہ سمجھا جاتا تھا۔ کاکو مڈل اسکول کے پہلے
سکریٹری خان بہادر سید محبوب عالم رئیس پنچورہ ہوئے، دوسرے سکریٹری یوسف حُسین
شمسی ہوئے۔



اردو گرلس مڈل اسکول (زنانی اسکول)

کاکو مڈل اسکول کے بعد لوگوں کو فکر ہوئی کہ تعلیم نسواں یعنی لڑکیوں کی تعلیم کا
انتظام کیا جائے۔ اس فکر کو لے کر فخر الدین شمسی صاحب نے گاؤں میں پردہ کا لحاظ
رکھتے ہوئے ۲۶ ر مارچ ۱۹۳۷ بروز جمعہ سر علی امام بار ایٹ لا کی بیگم لیڈی انیس امام
(ایم ایل سی) کے ہاتھوں گرلس اسکول کی بنیاد ڈالی۔ اور اسی کے ساتھ کاکو میں
لڑکیوں کی تعلیم کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ راقم الحروف کو یہ بتاتے ہوئے فخر محسوس ہو رہا
ہے کہ میرے خاندان کی کچھ لڑکیوں نے علم کے میدان میں اپنا نام روشن کیا ہے، جیسے
ڈاکٹر عذرا قمر جو بیرون ملک میں فلسفہ کی پروفیسر ہیں۔ ڈاکٹر نوشابہ حسنین اردو کی
پروفیسر تھیں۔ ڈاکٹر عفت آرا شمسی خواجہ غریب نواز کالج میں شعبۂ اُردو کے عہدہ پر فائز
رہیں۔ اسی طرح پاکستان میں نبیلہ، عمرانہ، نعمانہ، حسانہ نے ادب کے میدان میں نام
پیدا کیا ہے۔ حسانہ اور نعمانہ کئی کتابوں کی مصنفہ بھی ہیں۔ لیڈی انیس امام نے اپنی
جانب سے اسکول کے فنڈ میں سو روپیہ عطا کئے تھے۔



کاکو ہائی اسکول

کاکو کی بڑھتی ہوئی تعلیمی رفتار کے پیش نظر محسوس کیا گیا کہ کاکو میں ایک ہائی اسکول بھی ہونا چاہئے تا کہ یہاں اوراطراف کے جوطلبہ مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے باہر جاتے ہیں وہ آسانی سے اپنے گھر میں ہی مزید تعلیم حاصل کرسکیں۔اسی جذبہ کے تحت مڈل اسکول کے قریب ایک ہائی اسکول قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا جس کی عمارت میلے کی آمدنی سے بنوائی جائے گی۔کاکو کے لوگوں نے مل کر کوشش کی لہٰذا ۱۰/ جنوری ۱۹۳۸ء کونسیم صاحب جو شیخ عبدالرحمٰن عرف گھسو بابو کے داماد تھے،اسکول کی عمارت کے لئے اپنی زمین دے دی اور اسکول بن گیا۔اس کی تعمیر میں ملک ٹولہ کے محمد عمر صاحب پیش پیش تھے۔

۱۹۳۷ میں عبوری حکومت بنی۔کاکو کے سرفخر الدین بہار کے پہلے وزیرِ تعلیم بنائے گئے۔ان کا ایک رعیت مول چند مسہڑ فخر الدین ہاؤس، پٹنہ سامان لے کر گیا ہوا تھا۔سرفخر الدین نے مسہڑ سے پوچھا کہ کاکو میں برسات کیسی ہورہی ہے؟ مسہڑ نے سب کے سامنے برجستہ جواب دیا۔حضور! قدرے قلیل مینہ برسا ہے۔وہاں پر موجود لوگوں کے لئے اس کا یہ جواب لائق تحسین تھا۔موجود لوگ حیرت میں پڑ گئے کہ کاکو کا ایک مسہڑ اتنی اچھی زبان بول رہا ہے تو کاکو کے شرفاء کی زبان کیسی ہوگی؟

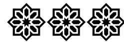


گرلس ہائی اسکول

(کنیا اوچ ودیالیہ)

۱۹۸۰ میں راقم الحروف کے دماغ میں یہ بات آئی کہ ہائی اسکول سے لڑکوں کی تعلیم کا مسئلہ تو حل ہو گیا لیکن لڑکیوں کا مسئلہ کیسے حل ہوگا؟ اس سائنسی اور معلوماتی دور میں یہ ایک اہم سوال تھا چنانچہ اس سوال کا جواب تلاش کرنے کا اس فقیر نے عہد کیا کہ انشاءاللہ لڑکیوں کے لئے ایک ہائی اسکول قائم کروں گا۔اس سلسلے میں اپنے بنگلہ پر ہندو اور مسلمانوں کی ایک میٹنگ بلائی۔پہلی نشست میں جن لوگوں کو مدعو کیا گیا تھا ان میں دیوی سرن اگروال، دنیش سنگھ، مصرا جی، ریاست کریم صاحب، اکبر امام صاحب، محفوظ مظہری صاحب وغیرہ تھے۔نشست میں طے پایا کہ لڑکیوں کے ہائی اسکول کی بنیا ڈالی جائے۔دوسری نشست میں قریب دوسو سے زیادہ لوگ تھے۔

۱۶/اپریل ۱۹۸۰ کو تمام لوگوں کے تعاون سے کنیا اوچ ودیالیہ اسکول کی بنیاد ڈالی گئی۔۱۹۸۱ میں ''کنیا اوچ ودیالیہ'' کو حکومت بہار نے پروجیکٹ اسکول کے نام پر تسلیم کرلیا۔اب تمام چیزوں کی ذمہ داری حکومت پر عائد ہوگئی۔ماسٹروں کی تنخواہ سے لے کر اسکول کی تمام ضرورتوں کا ذمہ حکومت بہار پر ہوگیا۔''کنیا اوچ ودیالیہ'' سے ہر سال ۲۰۰ سے زیادہ لڑکیاں میٹرک پاس کررہی ہیں۔۲۰۰۰ عیسوی سے ان کی تعداد اور بڑھ گئی ہے۔ان ۳۲ سالوں میں شاید ہی کوئی گھر ایسا بدنصیب ہوگا جس گھر کی لڑکیوں میں اس اسکول کے ذریعہ تعلیم کی روشنی نہیں پہنچی ہو۔۱۹۹۶ میں یہ اسکول اپنی نئی بلڈنگ میں منتقل ہوگیا۔



کاکو کا پہلا کالج

کاکو ہائی اسکول بن جانے کے بعد عام لوگوں نے اور خاص کر نسیم صاحب اور فخر الدین شمسی صاحب نے محسوس کیا کہ کاکو میں ایک کالج بھی ہونا چاہئے ۔لڑکوں کو میٹرک پاس کرنے کے بعد کاکو سے باہر جانا ہوتا ہے۔ اس غرض سے شیخ عبدالرحمٰن صاحب کے بنگلہ پر ایک میٹنگ بلائی گئی۔سب کی ایک ہی رائے تھی کہ کاکو میں ایک کالج کا قیام عمل میں آنا چاہئے۔اس مہم میں نسیم صاحب، فخر الدین شمسی صاحب اور ملک محمد عمر صاحب پیش پیش تھے۔اس وقت گیا میں بھی کوئی کالج نہیں تھا۔چنانچہ ۲۱/ مئی ۱۹۴۲کو نسیم صاحب کے بنگلہ پر کالج کی بنیاد رکھی گئی۔۱۹۴۲کا سال بھارت چھوڑو آندولن کا تھا۔کچھ دنوں تک یہ کالج چلا لیکن بدنصیبی سے یہ کالج بھی ۱۹۴۲آندولن کی نذر ہو گیا۔اس کالج کے پہلے سکریٹری فخر الدین شمسی صاحب بنائے گئے تھے۔



تارا کالج

محترمہ تارا گپتا جب ایم ایل اے کا الیکشن جیت کر کاکو آئیں تو خاکسار نے ان سے کہا کہ میری خواہش ہے کہ کاکو میں ایک کالج کھل جائے تاکہ یہاں کے لڑکوں کو کالج کی تعلیم کے لئے کاکو سے باہر نہ جانا پڑے۔تارا گپتا کو میری تجویز پسند آئی اور وہ اس کوشش میں لگ گئیں کہ جلد یہاں ایک کالج کا قیام ہو چنانچہ کالج کے لئے تارا گپتا نے بلاک کے پاس زمین خرید لی۔جلدی جلدی چند کمرے تیار کئے گئے تاکہ تعلیم کا سلسلہ شروع ہو۔

۱۵/اگست ۱۹۸۵میں خاکسار الما لطیف شمسی کے ہاتھوں ربن کاٹ کر اس کالج کا افتتاح عمل میں آیا۔افتتاحی تقریر میں تعلیم کی اہمیت اور افادیت پر روشنی ڈالی۔ تارا کالج میں داخلہ کے لئے سب سے پہلے خاکسار نے اپنی بیٹی درخشاں شمسی (مرحومہ) کے سرٹیفکیٹ اور دیگر ضروری کاغذات جمع کئے۔ساتھ ہی دس ہزار کا چیک کمرے کی تعمیر کے لئے کالج انتظامیہ کو سونپا۔کالج کی تعمیر میں جناب شکیل احمد کاکوی کا کافی اہم رول رہا ہے۔



مگدھ انگلش اکیڈمی

تنویر احمد تابش نے مؤلف کتاب ہذا سے ملاقات کر کے اپنی خواہش کا اظہار کیا کہ وہ کاکو میں ایک انگلش میڈیم اسکول قائم کرنا چاہتے ہیں۔خاکسار نے ان کے خیال کی تائید کی اور کہا کہ یقیناً کاکو میں ایک انگلش میڈیم اسکول قائم ہو۔کچھ ہی دنوں کے بعد ۲۶ جنوری ۱۹۸۵ میں فضل امام صاحب (مالک کاشانہ کوٹھی، پٹنہ) کے بنگلہ پر مگدھ انگلش اکیڈمی کے نام سے اس اسکول کا قیام عمل میں آیا۔کاکو میں انگلش میڈیم کا یہ پہلا اسکول تھا۔کافی لڑکوں نے اس میں داخلہ لیا۔کئی سالوں تک یہ اسکول اچھی طرح چلتا رہا مگر ۱۹۹۵میں بند ہو گیا۔اس کی وجہ معلوم نہ ہو سکی۔



ایکتا اسکول

۲۶ جنوری ۱۹۹۰ میں جناب اظہر ملک نے ایکتا اسکول کی بنیاد رکھی تھی۔ ایکتا اسکول لڑکوں کی ضرورت تھی، چونکہ کاکو میں مگدھ انگلش اکیڈمی کے علاوہ دوسرا کوئی انگلش میڈیم اسکول موجود نہیں تھا۔ ایکتا اسکول کے کھلنے کے ایک دو سال کے بعد ہی مگدھ انگلش اکیڈمی بند ہو گیا اور مگدھ اکیڈمی کے بہت سارے لڑکے، لڑکیوں نے ایکتا اسکول میں داخلہ لے لیا۔ سال ۹۹-۱۹۹۸ میں جناب اظہر ملک نے اس اسکول کو جناب ماسٹر ظفر مرحوم کے صاحب زادے جناب سید مشتاق احمد کے حوالہ کر دیا اور واپس اپنے گاؤں جامک لوٹ گئے۔ جناب مشتاق احمد اس اسکول کو ڈائریکٹر کی حیثیت سے چلانے لگے۔ ایکتا اسکول، علی امام صاحب کے مکان میں (پُرانا تھانہ) بڑے شاندار طریقے سے چلتا رہا مگر ۳۱ مارچ ۲۰۰۴ء کو کسی نامعلوم صورتِ حال کی وجہ سے بند ہو گیا۔ میری بچی رخشاں شمسی نے بھی اس اسکول سے تعلیم حاصل کی تھی۔



کائنات انٹرنیشنل اسکول

مگدھ انگلش اکیڈمی اور ایکتا اسکول کے بند ہو جانے کے بعد مؤلف کتاب ہذا اور جناب شکیل احمد کاکوی کے بیچ ایک ملاقات میں 'سائنس اور کائنات سوسائٹی آف انڈیا' کے زیرِ اہتمام قصبہ کاکو میں ایک معیاری اسکول قائم کرنے کی تجویز رکھی گئی۔ چنانچہ نوجوانان کاکو کی ایک میٹنگ منعم عرف جاٹو صاحب کے یہاں بلائی گئی

تا کہ اس کو عملی جامہ پہنایا جا سکے۔ میٹنگ میں جناب شکیل احمد کاکوی، جناب انظار اشرفی، جناب دل شاد انصاری مرحوم، جناب ایوب رضا نشتر مرحوم، جناب یوسف شمسی اور جناب اسد ملک کے علاوہ چند نوجوان بھی موجود تھے۔ اسی وقت ایک کمیٹی کی تشکیل عمل میں آئی اور اس کمیٹی کی صدارت بھی خاکسار کو ہی دی گئی۔ جنرل سکریٹری جناب شکیل احمد کاکوی منتخب ہوئے۔ جوائنٹ سکریٹری جناب دلشاد احمد انصاری مرحوم اور وائس پریسیڈنٹ جناب ایوب رضا نشتر مرحوم بنائے گئے۔ اسکول قائم کرنے کی کوشش کی گئی لیکن کسی وجہ سے اسکول قائم نہ ہو سکا۔ دوسرے سال شکیل کاکوی نے دہلی سے واپسی پر خاکسار کے علاوہ کچھ نوجوانوں کو بلایا جس میں جناب ملک رضی صاحب، جناب سمیع صاحب، جناب اشو ملک صاحب شامل ہوئے اور میٹنگ میں یہ طے پایا کہ ایک اسکول 'شمسی بلڈنگ'، کاکو میں کھولا جائے تا کہ طلبا و طالبات کو مزید پریشانیوں سے چھٹکارا مل سکے۔ اور آخر کار ۸ فروری ۱۹۹۹ء کو کائنات انٹرنیشنل اسکول کے نام سے 'شمسی بلڈنگ' کمپلکس میں ایک اسکول کا قیام عمل میں آیا۔ ڈائریکٹر شکیل احمد کاکوی بنائے گئے۔ ۱؍ جون ۲۰۰۵ء کو کائنات انٹرنیشنل اسکول، کاکو سنٹرل جیل کے قریب اپنی ذاتی بلڈنگ میں منتقل ہو گیا تھا۔ یہ اسکول کو سی-بی-ایس-ای سے منظور شُدہ ہے۔



کستوربا گاندھی اسکول

کستوربا گاندھی اسکول، کاکو حکومت بہار نے این جی او کے حوالے سے کھولا ہے۔ اس اسکول میں ایک سو لڑکیاں زیرِ تعلیم ہیں۔ ان لڑکیوں کا کھانا ناشتہ، ڈریس وغیرہ سب حکومت مہیا کرتی ہے۔ پہلے شاید ساٹھ لڑکیاں تھیں، اب حکومت نے ان کی تعداد سو کر دی ہے۔ اس اسکول کے ڈائرکٹر چندر شیکھر ہیں۔ پہلے یہ اسکول کنیا اوچ ودیالیہ کے احاطے میں تھا۔ اب مڈل اسکول کے متصل اسکول کے ہیڈ ماسٹر کے کوارٹر کو

توڑ کر کستور با گاندھی اسکول ،کاکو کی عمارت تعمیر کی گئی ہے۔اس کوارٹر میں پہلے ہیڈ ماسٹر اسحاق صاحب اور ہیڈ ماسٹر علاء الدین صاحب رہا کرتے تھے، مگر اب اس کوارٹر کا نام ونشان نہیں ہے اور یہ کستور با گاندھی اسکول میں تبدیل ہو گیا ہے۔



میّور پبلک اسکول

بابو چندر ساؤ کے نواسے ششی راہل نے ۱۵ جنوری ۲۰۰۶ء میں میور پبلک اسکول کے نام سے ایک انگلش میڈیم اسکول کھولا۔ یہ اسکول ٹمپو اسٹینڈ کے سامنے گلی میں ہے۔ یہ ایک اچھا انگلش میڈیم اسکول ہے۔اس کی اپنی دومنزلہ عمارت ہے۔ٹیچر بھی لائق ہیں کچھ پٹنہ سے آئے ہیں۔کل ملا کر ۳۵ ٹیچرس ہیں۔اس میں پہلی جماعت سے کمپیوٹر کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔خاکسار کا نواسہ صہیب شمسی جو ۵ ماہ کی عمر سے کاکو میں ہے اس کی تعلیم کا آغاز میّورا سکول سے ہی ہوا ہے۔ یہ سی بی ایس ای پیٹرن کا اسکول ہے۔اس میں ۷۰۰ سے زیادہ طلبہ وطالبات زیر تعلیم ہیں۔



سائنس پبلک اسکول

۱۵؍جنوری ۲۰۰۰ عیسوی کو سری رام پرساد نے سائنس پبلک اسکول کی بنیاد ڈالی۔ یہ اسکول ان کی اپنی دومنزلہ عمارت میں ہے جو سورج مندر کے قریب لب سڑک ہے۔ یہ اسکول بھی انگلش میڈیم پیٹرن پر ہے۔سری رام خود بھی پالی میں حساب کے استاد ہیں۔ پہلے اس اسکول میں ان کی بڑی لڑکی جولی پرنسپل تھیں۔اس اسکول میں

کمپیوٹر کی تعلیم پہلی جماعت سے ہوتی ہے۔اس میں طلبہ وطالبات کی اچھی تعداد ہے۔ ابھی اس وقت اس کی پرنسپل ان کی دوسری بیٹی ریکھا سنہا ہیں۔



۱۹۶۷ء کا قحط (خشک سالی)

کاکو رقبہ اور آبادی کے لحاظ سے ایک بڑا پرگنہ ہے۔از روئے پیمائش بندوبست سرکاری، اس کا رقبہ چار ہزار آٹھ سو بیگھہ، پانچ کٹھہ سات دھور آٹھ دھرکی ہے۔

کاکو اور کاکو کے اطراف میں ۱۹۶۵ء سے بہت کم بارش ہو رہی تھی اور ۱۹۶۷ء میں پوری طرح قحط پڑ گیا۔اس کا اثر جہان آباد ضلع میں کچھ زیادہ ہی تھا۔کاکو میں تمام کھیتوں کی زمین پھٹ پھٹ گئی تھی اور تمام کنویں سوکھ گئے تھے۔صرف میٹھا کنواں جو خاکسار کے بنگلہ سے متصل لب پئیہاس ہے عوام کی ضرورت پوری کر رہا تھا۔ پوری بستی کے لوگ اسی سے پانی بھرتے ۔اس کنویں سے ہندو مسلمان سب فیضیاب ہو رہے تھے۔ دوسرا کنواں جو ہائی اسکول کے احاطے میں تھا، بازار ٹولہ اور قصاب ٹولہ کی ضرورتیں پوری کر رہا تھا۔چاول کی قیمت ۱۰۰ روپے من ہو گئی تھی جو اس سے قبل ۴۰ روپے من بکتا تھا۔

کرپوری ٹھاکر بہار کے وزیرِ اعلیٰ تھے۔انہوں نے اعلان کر دیا کہ بھوک سے میں کسی کو مرنے نہیں دوں گا اور سچ ہے کہ ایسا ہی ہوا۔بھوک سے شاید ہی کوئی مرا ہو۔حکومت ہند نے بھی کاکو کے عوام کی دل کھول کر مدد کی۔غریبوں کو سو روپے کا لون دیا گیا، جسے بعد میں معاف کر دیا گیا۔ایک سو پچاس روپیہ لینے والوں کو شاید لوٹانا

پڑا۔حکومت بہار نے غریبوں کو مفت غلہ دیا۔گیہوں کے ساتھ مکئی بھی دیا۔بہار کے دیہاتوں میں رہنے والے تینوں وقت چاول کھانے کے عادی تھے۔ان کو قحط میں روٹی کھانی پڑی۔حکومت نے مفت پکا ہوا کھانا بھی بٹوایا۔'ریڈ کراس' اور 'یونی سیف' کی طرف سے دودھ، درہ، پنیر، جیلی دیہاتوں میں خوب بانٹی جارہی تھی۔ان چیزوں نے لوگوں کے کھانے کی چیزوں کی کمی کو پورا کر دیا تھا۔

بی بی سی (لندن) کے رپورٹر اور کیمرہ مین کاکو آئے تھے اور جگہ جگہ پھٹے ہوئے کھیتوں کی تصویریں لے رہے تھے۔میٹھا کنواں کی بھی تصویر لی جو بعد میں سوکھ گیا تھا۔یوں سمجھئے قحط نہیں قیامت کا سماں تھا۔ضرورت کے لئے فوج بھی طلب کر لی گئی تھی۔ایر مارشل اے کے مکھر جی بھی آئے۔اس دور میں بلاک کے ڈاکٹر طارق جمیل، نظر و مہاجن اور یہ خاکسار پیش پیش رہے۔فوج عوام کی خدمت میں لگی ہوئی تھی۔جو روڈ بڑی پنہاس یا آرا مشین سے اسکول کی طرف جاتی ہے وہ اسی سال فوجی گاڑیوں کے آنے جانے کے لئے بنائی گئی تھی کیونکہ فوجی، مڈل اسکول میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ڈاکٹر جمیل طارق، نظر و مہاجن اور یہ خاکسار ایر مارشل اے کے مکھر جی کے ساتھ محو گفتگو رہتے اور قحط سے عوام کو نجات دلانے کے طریقوں پر غور و خوض کرتے۔کاکو ہاٹ کے میدان میں پکی ہوئی کھچڑی بڑی بڑی دیگوں میں بنوا کر شام چھ بجے سے بانٹی جاتی تھی۔تقسیم کا کام خود فوجی لوگ بڑی بڑی کف گیر سے دو دو کف گیر کھچڑی دیتے تھے۔کاکو کے اطراف کے گاؤں سے آئے ہوئے سینکڑوں لوگ ہاٹ کے میدان میں بیٹھ کر کھچڑی کھاتے۔ان میں چھوٹے چھوٹے معصوم بچے بھی ہوا کرتے تھے۔ایک عجیب سماں تھا جس کو نہ زبان سے بیان کیا جاسکتا ہے نہ آسانی سے قلم بند کیا جاسکتا ہے۔اللہ ایسی آفت سے محفوظ رکھے۔

مکھر جی صاحب کو معلوم ہوا کہ فخر الدین شمسی صاحب کاکو میں ہیں اور وہ گاندھی جی اور راجندر بابو کے ہم عصروں میں ہیں تو وہ خود شمسی صاحب سے ملنے ان کے

بنگلے پر چلے آئے۔اے کے مکھر جی نے شمسی صاحب کے لئے جو جملہ کہا تھا وہ خاکسار کو آج تک یاد ہے: "شمسی صاحب سے بات کرنے کے بعد ایسا محسوس ہوا کہ میں ۹۰ سال کے بوڑھے سے نہیں بلکہ ایک ۳۰ سالہ فوجی جوان سے باتیں کر رہا ہوں۔"

اے کے مکھر جی، کی خواہش ہوئی کہ وہ بی بی کمال قدس سرہا کی مزار کا درشن کریں۔پروگرام کے مطابق اے کے مکھر جی، میجر برجیش، کیپٹن ایس کے رائے چند، فوجی افسران، طارق جمیل اور یہ خاکسار بی بی صاحبہ کے مزار پر گئے۔مکھر جی نے کہا کہ مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ بی بی صاحبہ زمین کے اندر نہیں زمین کے اوپر ہیں۔اے کے مکھر جی اکثر میرے بنگلہ پر طارق جمیل، میجر برجیش اور کیپٹن رائے کے ساتھ آتے تھے۔میری والدہ مرحومہ ان کو چٹ پٹی پھلکی، چٹنی کے ساتھ اور دوسری چیزیں کھلاتی تھیں۔مسٹر مکھر جی کو کھٹی میٹھی چیزیں بہت پسند تھی۔کاکو سے جانے کے بعد فوراً ہی ایر مارشل، اے کے مکھر جی، چیف ایر مارشل بن گئے۔انہوں نے خاکسار اور طارق جمیل کو خط لکھا کہ کاکو سے جاتے ہی میں چیف ایر مارشل بن گیا۔یہ بی بی جی کا کمالؒ ہے۔ میں نے ان سے پرارتھنا کیا تھا۔



۱۹۷۴ء کا جے پی آندولن

جے پی آندولن سے قبل سوشلسٹ رہنما رام منوہر لوہیا نے کانگریس ہٹاؤ کا بگل بجا دیا تھا، مگر لوہیا کی زندگی وفا نہ کرسکی۔۱۹۶۷ کے الیکشن میں سوشلسٹوں نے کانگریس کو ہرانے کا منصوبہ شروع کر دیا تھا۔سوشلسٹ پارٹی کی جدوجہد جاری تھی۔

کچھ دوسری پارٹیاں سوشلسٹ پارٹی کے ساتھ ہوگئی تھیں۔

۱۹۶۷ کے الیکشن میں ڈاکٹر رام منوہر لوہیا، مدھو لیمے مدھو ڈنڈوتے، جارج فرنانڈس اور خاکسار جئے پرکاش نرائن کے آشرم میں ان سے ملنے گیا اور ان سے کہا کہ آپ سیاست میں دوبارہ شامل ہو جائیں۔ ہم سب آپ کے پرانے ساتھی ہیں اور ملک کو آپ کی ضرورت ہے، مگر اس وقت جے پرکاش جی نے ہم لوگوں کی بات نہ مانی۔ کانگریس ہٹاؤ آندولن شروع ہوگیا جب آندولن شباب پر تھا تو جے پرکاش نرائن ہماری بات مان کر ہمارے ساتھ ہو گئے ،لوک نائک بن کر ہماری رہنمائی کی اور کانگریس کو ہٹانے میں ہماری مدد کی۔ اس آندولن میں شامل اس خاکسار کو آندولن تیز ہونے سے پہلے ہی اندرا گاندھی نے ۱۴؍ستمبر۱۹۷۴ کو ۳ ماہ ۱۰ دن کے لئے جیل بھیج دیا۔ آندولن کے زمانے میں لالو پرساد پہلی بار کاکو آئے۔ اس دور میں کرپوری ٹھاکر، رامانند تیواری، رام بلاس سنگھ، اوپیندر ناتھ ورما، غلام سرور، سریندر موہن بھی کاکو تشریف لائے اور شمسی بلڈنگ کاکو میں تین دن خفیہ میٹنگ ہوتی رہی۔ کاکو سے اس آندولن کو کافی طاقت ملی۔

آندولن کے شروع میں خاکسار کو اندرا جی وزیرِاعظم ہند نے گرفتار کر کے جہان آباد جیل بھیج دیا۔ جے پرکاش بابو جہان آباد جیل میں مجھ سے ملنا چاہتے تھے، مگر ان کو مجھ سے ملنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ کرپوری ٹھاکر، رامانند تیواری، اوپندر ناتھ ورما، رام بلاس سنگھ، بھولا سنگھ، لاڈلی موہن نگم، غلام سرور اور سریندر موہن کو مجھ سے ملنے کی اجازت جیل میں مل گئی۔



روغنی اینٹ

کاکو درگاہ شریف کے اندرونی دروازہ سے ملحق جو جنوبی دیوار ہے اس میں چار فیٹ کی بلندی پر ایک خوش نما چھوٹی سی اینٹ لگی ہوئی ہے۔ یہ نہایت صاف و شفاف رنگارنگی سے منقش ہے۔ اس کے متعلق روایت ہے کہ یہ روغنی اینٹ مکہ شریف سے لائی گئی ہے۔ لیکن یہ بات تصدیق شدہ نہیں ہے۔ زائرین اور عقیدت منداس پر انگلیوں کو رگڑ کر کے آنکھوں پر پھیرتے ہیں، اس عقیدے کے تحت کہ اس سے آنکھوں کی روشنی بڑھتی ہے۔ یہ عقیدت ہی سہی لیکن اللہ نے ہر چیز میں کچھ نہ کچھ خاصیت رکھی ہے جس میں عقل کو دخل نہیں۔



بکھرے ہوئے پتھر

یہ روایت چلی آرہی ہے کہ یہ وزنی پتھر دینی مدرسہ کی کھدائی کے وقت نکلے تھے، جو خانقاہ جلیلیہ سے متصل اور ابراہیم زندہ دل قدس سرہٗ کے مزار کے قریب بکھرے ہوئے ہیں۔ ان کی تعداد ۸ کے قریب ہے۔ ان پتھروں کی لمبائی ۳ فٹ سے ۶ فٹ اور چوڑائی ۲ فٹ سے ۳ فٹ ہے۔ یہ پتھر زمین میں دھنسے ہوئے ہیں۔ جس مدرسہ کی کھدائی سے یہ پتھر نکلے ہیں اس دینی مدرسہ کے مہتمم اعلیٰ سلیمان لنگر زمین قدس سرہٗ تھے۔ آج بھی ۷۰۰ سال بعد یہ پتھر ویسے ہی پڑے ہیں۔ کاکو کے میر ولایت علی اپنے دوستوں کے ساتھ ان پتھروں پر اپنی شامیں گزارا کرتے تھے۔ ان کے بعد ان کے پوتے میر یونس صاحب بھی اپنے دوستوں کے ساتھ ان پر خوش گپی کیا کرتے تھے۔

کاکو کے عوام نے دیکھا ہے کہ ان پتھروں پر مجیب الرحمٰن موجو، شہاب الرحمٰن شہود سیدٹولہ کے لڑکوں کے ساتھ رات گئے تک بیٹھ کر باتیں کیا کرتے تھے۔ یہ سچ ہے کہ اتنا وزنی پتھر سات سو سال پہلے انسان نے کس طرح سے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا۔

دوسری حکایت یہ ہے کہ ابراہیم زندہ دل قدس سرہٗ کی خانقاہ میں انسانوں کے علاوہ چند جنات بھی ان کے مرید تھے۔ یہ پتھر جنات کے ذریعہ کاکو کے 'بقانگر' سے لائے گئے تھے جو کھدائی میں نکلے تھے۔ ابراہیم زندہ دل کی خانقاہ کے گیٹ باب ابراہیم پر چڑھنے کے لئے سیڑھی کی جگہ انہیں پتھروں کا زینہ بنایا گیا تھا۔ خانقاہ منہدم ہونے کے بعد یہ پتھر یونہی بکھرے پڑے ہیں۔



مظہری کمپاؤنڈ

مظہری کمپاؤنڈ کی کچھ یادیں رقم کر رہا ہوں۔ یہاں کی نشست کا منظر بہت پرلطف ہے۔ جناب اظہار مظہری صاحب کے انتقال کے بعد بھی یہ جگہ ماضی کا حصہ نہیں بنی۔ آپ کے فرزندگان نے یہاں کی محفل کو پوری آب وتاب کے ساتھ قائم رکھا۔ محفوظ مظہری اپنی ملازمت کے باعث مستقل پٹنہ میں سکونت پذیر ہو چکے تھے لیکن آپ نے کاکو کو کبھی خیرآباد نہیں کہا۔ اپنے وطن کی خوشبو، احباب کی محفل رندانہ ہمیشہ کھینچ لاتی۔ پھر وہ محفل کا وقار بحال ہو جاتا۔ راقم الحروف اکثر اس محفل میں شریک رہا۔ چائے کی چسکیاں، حالات حاضرہ پر تبصرہ، کاکو کے فلاحی کاموں میں دلچسپی یہ وہاں کے معمولات میں شامل تھے۔

عید و بقرعید یا کسی اور طرح کے تقریبات میں تمام اہل خانہ کی آمد سے وہاں کا منظر کچھ اور ہی نظارہ پیش کرتا۔ نہاری کی پارٹی، گوشت کی بڑی، عالمانہ اور عامیانہ گفتگو کا مزہ خوب تھا۔ محفوظ مظہری کی پٹنہ واپسی پر یہ محفل سونی ہو جاتی یا پھر یہ محفل اس خاکسار کے یہاں منتقل ہو جاتی۔ محفوظ مظہری کے بڑے بھائی خالد مظہری جب اپنی ملازمت سے ریٹائرڈ ہوئے تو کاکو کو مستقل اپنا مسکن بنالیا۔ وہ کافی خوش مزاج، زندہ دل انسان تھے۔ خلوت پسندی اور تنہائی سے انہیں کافی گھبراہٹ ہوتی تھی۔ روزانہ کی ملاقات کا پروانہ جمیل صاحب، مسلم اختر صاحب، ریاض صاحب اور خاکسار کے نام روانہ ہوتا تھا۔ اس محفل کو مزید رونق بخشنے کے لئے ان حضرات کی شرکت بھی ضروری سمجھی جاتی تھی۔ انظار اشرفی، نورو، جاوید ملک، حسن ملک، غوث ملک، شکیل کاکوی، آفتاب بازارٹولہ، عبیدی، ماسٹر اسلم، مشتاق وغیرہ برابر شریک رہتے تھے۔ خالد مظہری کا ہر ماہ پٹنہ آمد و رفت کا سلسلہ بھی رہتا، وہ پابندی سے پٹنہ جایا کرتے تھے یہ درمیانی

وقفہ اہل نشست کے لئے تکلیف دہ ہوا کرتا تھا۔ کاکو کی واپسی پر مجھے اپنے آمد کی اطلاع ملازم سے بھیج کر دلواتے یا فون پر ان کا اندازہ تخاطب کچھ یوں ہوتا۔ میں آپ کے شہر میں پہنچ کر بول رہا ہوں۔ آپ کاکو کا موازنہ ہمیشہ شہر سے کیا کرتے تھے۔ خالد کے آنے پر وہ محفل پھر زندہ ہو جاتی تھی۔ کبھی کبھی چائے کی چسکیاں جب ناگوار خاطر ہوتیں تو پھر اس میں کباب، کلیجی، گوشت کی بڑی جیسے لوازمات کا اضافہ کرلیا جاتا، مگر صد افسوس آج بھی یہ نشست قائم ہوتی ہے لیکن میر مجلس ہی نہیں۔ خالد ہر ماہ کے معمول کے مطابق اس دفعہ پٹنہ کیا گئے کہ پھر لوٹے ہی نہیں۔ آپ کے انتقال کی خبر آئی۔ اللہ مرحوم کا درجہ بلند کرے۔ آمین۔ آج ۱۵ فروری ۲۰۲۲ کو جناب محفوظ مظہری نے بھی داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔



شمسی بلڈنگ میں عیدملن

۲۱؍اگست ۲۰۱۲ کو شکیل احمد کاکوی ’کائنات فاؤنڈیشن‘ کے سکریٹری نے ’شمسی‘ بلڈنگ، کاکو میں عیدملن کا پروگرام منعقد کیا۔ اس موقع پر ڈی ایم جہان آباد بالامرگن ڈی، مسز ہرپریت کور ایس پی جہان آباد، ڈی ڈی سی جہان آباد، خالد ارشد اے ڈی ایم جہان آباد، ایس ڈی او جہان آباد، بی ڈی او کاکو، تھانہ انچارج کاکو نے شرکت کی تھی۔ پٹنہ سے خاص لوگوں میں قاسم خورشید (ایس سی ای آر ٹی)، انجم اشرفی (ابن وہاب اشرفی مرحوم)، کلیم الرحمٰن ابن عطا کاکوی تشریف لائے تھے۔ اس موقع پر چندریکا پرشاد جہان آباد بھی موجود تھے۔ تقریب کی نظامت ملِک اسعد نے کی تھی۔ پروگرام کی تفصیل اس طرح تھی۔

عیدملن کا انعقاد:

بمقام شمسی بلڈنگ، کاکو بوقت گیارہ بجے دن

آپ کی شرکت سے کاکو کی گنگا جمنی تہذیب کے فروغ اور خوش حال سماج کی تعمیر میں پروقار مدد ملے گی۔

پروگرام: عیدملن تقریبات، ۱۱؍بجے اور ہرابھرا کاکو (شجرکاری)

مقالہ: ماضی کے جھروکے سے کچھ یادیں، ۲؍بجے (سینیر سٹیزن لطیف شمسی)

چائے نوشی: ۳؍بجے

مقالہ: میرے خوابوں کا جہاں کاکو، ۴؍بجے (نوجوانان کاکو)

کھیل اور میدان: سن رسیدہ شہری

مقالہ: ایک شام وہاب اشرفی کے نام اور وہاب میرے بچپن کا ساتھی (لطیف شمسی)

الداعی: عیدملن تقریبات کمیٹی کاکو

اس خاکسار نے سب سے پہلے ’یادوں کے جھروکے سے کچھ یادیں‘ کے عنوان سے مقالہ پڑھا۔ شام میں ڈی ایم جہان آباد، مسٹر بالامرگن نے ’شمسی بلڈنگ‘ سے متصل باندھ پر شجرکاری کی۔ اس کے بعد کھیل کھلاڑی پروگرام شروع ہوا جو صرف بزرگ لوگوں کے لئے تھا۔ سر سے اوپر دس بارہ رَس گُللے باندھ دیے گئے تھے اور ہاتھ پیچھے کی طرف بندھا ہوا تھا۔ دوڑ کے اچک کے رس گُللے منہ میں لینے تھے۔ ڈی ایم جہان آباد نے سیٹی بجائی، سب دوڑے۔ اسلم ملک جن کی عمر بزرگ شہری کی نہیں تھی پھر بھی وہ دوڑے اور اس خاکسار سے پہلے پہنچ گئے۔ اس خاکسار کا دوسرا نمبر رہا اور ڈی ایم جہان آباد نے ایک ٹارچ ایوارڈ کے طور پر دی۔



حضرت شیخ شمس الدین دوانقی

قدس سرہٗ عرف شاہ سمن

اور ان کے اہل وعیال

آپ بغداد کے شہر دوانق سے مع اہل وعیال اردل ہوتے ہوئے کاکو تشریف لائے تھے۔ آپ کے ساتھ ایک حجام اور ایک خادم کا کنبہ بھی تھا اور یہ دونوں خاندان اب تک بستی میں قائم ہے۔ آپ کب ہندوستان آئے اس کا کوئی ثبوت نہیں البتہ یہ ضرور ہے کہ آپ فیروز شاہ تغلق کے دور میں تشریف لائے اور جس طرح سارے مشائخ عشق برائے تبلیغ پورے ملک میں پھیل گئے ٹھیک اسی طرح سے آپ بھی اسلام کی شمع روشن کرنے کے لئے مختلف جگہوں سے ہوتے ہوئے کاکو میں بودوباش اختیار کی۔ آپ اپنے وقت کے برگزیدہ بزرگوں میں تھے آپ کا اور آپ کی منکوحہ کا روضہ مبارک کاکو میں پنیہاس کے پورب اونچے ٹیلے پر ایک پرفضا مقام پر ہے جو شمس روزہ کے نام سے موسوم ہے۔ فخر الدین شمسی کے انتقال کے بعد روضے کے چہار جانب اینٹ کی پکی 9 فٹ کی دیوار تعمیر کی گئی تھی۔ اور اس روضے کے اندر اسی خاندان کے مولوی عبدالوہاب شمسی اور فخر الدین محمد شمسی کو بھی سپرد خاک کیا گیا تھا۔

مخدوم شیخ شمس الدین قدس سرہ جب کاکو آئے تو آپ کے ساتھ آپ کے فرزند شیخ سام قدس سرہ اور شاہ احمد براق بھی تھے۔ شاہ سام قدس سرہ کسی وجہ کا کو سے شیخو بیگھ، بہار شریف ہجرت کر گئے۔ آپ کے دوسرے بیٹے مخدوم احمد براق قدس سرہ نے کاکو میں ہی رہنا پسند کیا۔ براق قدس سرہ سے دو بیٹے ہوئے۔ حاجی صدرالدین قدس سرہ اور بدرالدین قدس سرہ۔

حاجی صدرالدین قدس سرہ نے بھی کاکو میں ہی رہنا پسند کیا اور حاجی بدرالدین

قدس سرہ موضع مہنسی چلے گئے اور وہیں اپنا مسکن بنایا مگر حاجی بدرالدین قدس سرہ کے فرزند شیخ مبارک علی قدس سرہ کاکو میں ہی رہے۔ آپ سے چار بیٹے شیخ نوراللہ، شیخ سام، شیخ عالم، شیخ محمد عبدالرحمٰن۔ ان چاروں بزرگوں سے نسل جاری ہے۔

شیخ عبدالرحمٰن کے بارے میں یہ مشہور تھا کہ آپ بڑے شہ زور تھے۔ آپ کی پہلوانی کی شہرت سن کر ایک پہلوان آپ سے مقابلہ کرنے کو آیا، آپ اس وقت درخت کی ایک موٹی شاخ کو جھکا کر بکریوں کو پتہ کھلا رہے تھے۔ یہ بھی اتفاق ہے کے اس نے آپ سے ہی پوچھا کہ شیخ عبدالرحمٰن صاحب کہاں ہیں؟ آپ نے اسے شاخ کو پکڑ کر رکھنے کو کہا اور یہ کہا کہ میں ان کو ابھی بلا لاتا ہوں جیسے ہی اس نے شاخ کو پکڑا وہ خود اوپر ٹنگ گیا وہ اتنا طاقتور نہ تھا۔ آپ نے کہا کہ اسی طاقت پر عبدالرحمٰن سے کشتی لڑنا چاہتے ہو۔ وہ بہت نادم ہوا اور سر جھکائے واپس لوٹ گیا۔

شیخ نوراللہ

آپ کے بھی چار بیٹے تھے۔ پہلے وجیہہ اللہ، دوسرے برکت اللہ، تیسرے باب اللہ اور چوتھے فہیم اللہ تھے۔ شیخ وجیہ اللہ کے بیٹے منشی افضل الدین تھے ان کے چار بیٹوں میں بڑے بیٹے منشی عبدالرحیم کو ایک لڑکی تھی جس کی شادی موضع موتے پور ضلع جہان آباد کے رئیس جناب سید شاہ عبدالمجید صاحب سے ہوئی۔ جن سے تین بیٹیاں سلمٰی شمسی، آمنہ عافیہ اور دو بیٹے عبدالوحید اور سعید پیدا ہوئے۔ سلمٰی شمسی راقم الحروف کی والدہ محترمہ تھیں۔ دوسرے بیٹے منشی عبدالحلیم نے اپنے ہم زلف سید محمد کبیر الدین، ساکن کوپا، پٹنہ کے لڑکے جناب سید شرف الدین عرف محمد ابرار کو گود لیا اور اپنی جائیداد کا وارث بنا دیا۔ جناب سید شاہ ابرار صاحب کے پہلے محل سے ایک لڑکی آسیہ خاتون ہوئیں جن کی شادی سید شاہ عطاالرحمٰن عطا کاکوی سے ہوئی۔ اور دوسرا لڑکا الیاس مرحوم ہوئے۔ دوسری شادی نتول ہوئی جن سے انوار اشرفی، انصار اشرفی، بیٹی اختری اور خورشید۔ تیسرے

محل سے کوئی اولاد نہیں اور چوتھے محل سے احمدی، انظار اشرفی، عشرت اور حشمت ہوئیں۔

شیخ برکت اللہ ابن شیخ نوراللہ

آپ کے دو فرزند تھے ایک مولوی تفضّل حسین شمسی اور دوسرے مولوی عبدالوہاب شمسی۔ یہاں پر ایک بات کا ذکر کرتا چلوں کے کاکو کی شمسی فیملی اپنے نام کے آخر میں شمسی کا اضافہ مخدوم شیخ شمس الدین قدس سرہٗ کے نسبت سے ہی کرتی ہے۔ مولوی عبدالوہاب شمسی، یوسف حسین شمسی، عبدالعزیز شمسی، سید احمد داؤد شمسی، سید ابونوئم شمسی، سید عبدالودود شمسی، سید حسن امام شمسی، سید محمود شمسی، فخرالدین محمد شمسی، عارف شمسی، زین الدین شمسی، محی الدین شمسی، الما لطیف شمسی، فضل احمد شریف شمسی، آفتاب اقبال شمسی، شعیب شمسی، نجمی شمسی، رومی شمسی، راجی شمسی، شبیع شمسی، یوسف اقبال شمسی، سلمان فراز شمسی، سالم شمسی، محمود شمسی، منظور شمسی اور منصور شمسی۔ یہ سبھی لوگ اسی خانوادے سے ہیں۔

مولوی تفضّل حسین شمسی

آپ صاحب اولاد تھے۔ حالات تفصیل سے معلوم نہیں۔

مولوی عبدالوہاب شمسی

آپ کی پیدائش قصبہ کاکو میں 1836 میں ہوئی۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے کلکتہ گئے اور وہاں سے وکالت کی ڈگری حاصل کی اور واپس آکر شہر گیا میں وکالت شروع کر دی۔ منصف کے عہدے پر فائض ہو کر 1862 میں بہار کے پہلے مسلم جج مقرر ہوئے۔

آپ کی شادی موجودہ ضلع ارول میں سید شاہ امام علی عرف شاہ بدلو چشتی ارولیؒ کے پہلے محل سے اکلوتی بیٹی بی بی قدیرن سے ہوئی تھی۔ آپ کو تین لڑکے اور دو لڑکیاں ہوئیں۔ بڑے لڑکے محمد یوسف حسین شمسی اور دوسرے مولوی عبدالعزیز شمسی اور تیسرے سلیم شمسی تھے جن کا کم سنی میں ہی پنپہاس میں ڈوب کر انتقال ہو گیا تھا۔

آپ کی دو بیٹیوں میں بڑی بیٹی کی شادی قاضی سید شمس الہدیٰ ساکن موضع سنگریاواں، پٹنہ سے ہوئی جن کے فرزند قاضی سید نورالہدیٰ وکیل پٹنہ ہوئے۔ آپ صاحب اولاد ہیں۔ عبدالوہاب شمسی کی دوسری بیٹی بی بی رقیّہ کی شادی موضع حبیب پور ڈمری ہوئی ان سے دو لڑکے مولوی عبدالقدوس وکیل، حال مقام دریاپور، پٹنہ اور محمد ادریس مرحوم تھے۔ مولوی عبدالقدوس کی شادی سید شاہ محی الدین صاحب زمیندار، امتھوا شریف، جہان آباد کی دختر بی بی عائشہ سے ہوئی۔ آپ کے تین لڑکے اور دو لڑکیاں۔ ڈاکٹر اظہار الحق، محمد علی، اختر سعید بی بی نسیمہ اور بی بی ساجدہ۔ یہ سبھی صاحبِ اولاد ہیں۔ ڈاکٹر اظہار الحق کی شادی جناب سید شاہ یٰسین صاحب کی بیٹی اور رئیس امتھوا سید شاہ محی الدین صاحب کی پوتی ریحانہ مرحومہ سے ہوئی جن سے تین بیٹے صبا الحق، رضوان الحق، عرفان الحق اور چار بیٹیاں صوفیہ مرحومہ، زیبی، ذکیہ اور رومی ہوئیں۔ سبھی صاحب اولاد ہیں۔

مولوی عبدالوہاب شمسی 20 فروری 1872ء کو انتقال کئے۔ آپ کا مزار کاکو میں شمس روضہ کے احاطے میں ہے۔

یوسف حسین شمسی

آپ مولوی عبدالوہاب شمسی کے سب سے بڑے صاحب زادے تھے۔ آپ کی پیدائش قصبہ کاکو میں ہوئی اور شادی 15 محرم 1315 ہجری میں موضع مہنداواں متصل منیر شریف میں سید عبداللطیف صاحب مرحوم کی لڑکی بی بی نعیمن سے ہوئی، جس سے ایک فرزند فخرالدین محمد شمسی اور ایک بیٹی بی بی عائشہ ہوئیں۔

بی بی عائشہ

آپ کی شادی جناب سید مولوی عبدالرشید صاحب، رجسٹرار بھنور پوکھر کے ساتھ انجام پائی تھی۔ آپ سے پانچ لڑکے اور تین لڑکیاں تھیں۔

جسٹس سید محمد حسن، زوجہ بی بی حیاتن۔
پروفیسر سید محمد محسن، زوجہ بی بی محفوظہ
سید محمد حسین، زوجہ عفیفہ حسن
ڈاکٹر سید محمد احسن، زوجہ قریشہ شمسی
پروفیسر سید محمد حسنین، زوجہ نوشابہ
بی بی میمونہ، زوجہ فضل امام، کاشانہ، پٹنہ
بی بی سلمہ، زوجہ معین اشرف، چھپرا
بی بی حمیدہ، زوجہ عبدالوہاب، سید اباد- کاکو

اولادیں:

سید محمد حسن: (۱) محاسن زوجہ عائشہ (۲) انیس زوجہ سعیدہ (۳) اقبال زوجہ فرّخ (۴) شاہد زوجہ رخشی (۵) عطیہ زوجہ احتشام
سید محمد محسن: (۱) شفیق زوجہ فریدہ (۲) آفتاب زوجہ شہوار (۳) ندیم زوجہ صبوحی کاظم (۴) شاہدہ زوجہ پرنسپل نورالہدیٰ (۵) خالدہ زوجہ منصور الہدیٰ (۶) شاہینہ زوجہ ڈاکٹر عابد (۷) ناہید زوجہ ڈاکٹر پروفیسر قیصر عالم
سید محمد حسین: (۱) حامد زوجہ ثریا (۲) ساجد زوجہ حبیبہ (۳) آصف زوجہ یاسمین (۴) راشد زوجہ صوفیہ (۵) ارشد زوجہ سنجیدہ (۶) نکہت زوجہ حیدر امام
سید محمد احسن: (۱) نیّر احسن زوجہ صوفیہ (۲) نسرین زوجہ ہارون کلام (۳) نیاز احسن زوجہ شہلا فردوسی (۴) نسیم احسن زوجہ نوشابہ پروین (۵) حبیبہ نگار زوجہ تسنیم احمد
سید محمد حسنین: (۱) عزمی زوجہ زینت (۲) حشمی زوجہ نسرین (۳) فہمی زوجہ شگفتہ (۴) رفعت زوجہ نجمی
میمونہ: (۱) احمد زوجہ فہمیدہ (۲) صفدر زوجہ مسعودہ (۳) حیدر زوجہ نکہت (۴) اصغر

زوجہ عشرت (۵) بے بی زوجہ اسحاق (۶) جہاں آرا زوجہ ڈاکٹر محسن (۷) عفّت ارا زوجہ عارف شمسی (۸) اشرف زوجہ طلعت
سلمٰی: (۱) امین زوجہ رفعت (۲) متین اشرف زوجہ فریدہ (۳) شکیلہ زوجہ فضل اللہ
حمیدہ: (۱) جبّار زوجہ محمودہ (۲) منان زوجہ انجم (۳) حنان زوجہ نعمت (۴) سنجیدہ زوجہ عبدالغفار (۵) عابدہ زوجہ ڈاکٹر علیم (۶) سعیدہ زوجہ انیس حسن (۷) سلیمہ زوجہ نجم الحسن

فخرالدین محمد شمسی

آپ کی شادی 15 محرم 1315 ہجری/16 جون 1897ء میں جناب مولوی وحید الدین مختار کی لڑکی بی بی صالحہ سے انجام پائی۔ آپ کو دو لڑکے اور پانچ لڑکیاں ہوئیں۔ زین الدین شمسی، ڈاکٹر محی الدین شمسی، بی بی انیسہ، بی بی حفصہ، بی بی حنیفہ، بی بی سائرہ اور بی بی ساجدہ۔ آپ کا انتقال 3 جنوری 1972 کو اپنے مکان شمسی ہاؤس میں ہوا اور تدفین کاکو میں شمس روضہ کے احاطے میں عمل میں آئی۔

زین الدین شمسی: آپ کی پہلی شادی فاطمہ شمسی سے ہوئی تھی جن سے ایک بیٹا آفتاب اقبال شمسی عرف ذہین اور ایک بیٹی نورالصبح پیدا ہوئیں لیکن نورالصبح 8 سال کی عمر میں ٹائفائیڈ میں مبتلا ہو کر، کاشانہ کوٹھی، پٹنہ میں انتقال کر گئیں۔ شادی کے کچھ ہی سالوں کے بعد جناب زین الدین شمسی اور فاطمہ شمسی میں علیحدگی ہوگئی۔ بعد میں زین الدین شمسی نے دوسری شادی محترمہ خانم سے کی جن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

ڈاکٹر محی الدین شمسی: آپ نے کاکو ہائی اسکول سے میٹرک پاس کیا۔ علیگڑھ سے بی ایس سی کرنے کے بعد پٹنہ میڈیکل کالج سے ڈاکٹر کی ڈگری حاصل کی اور او این جی سی، دہرادون میں میڈیکل آفیسر کے عہدے پر فائز ہوئے۔ ملازمت کے دوران آپ کے پیٹ کا آپریشن ہوا مگر آپریشن کامیاب نہ ہو سکا اور آپریشن کے

دوسرے ہی روز آپ کا پٹنہ میں انتقال گیا۔آپ کی شادی جناب رحمٰن صاحب ،لکھنؤ کی چھوٹی بیٹی محترمہ نگہت سے ہوئی جن سے ایک بیٹا شعیب شمسی ہیں۔ڈاکٹر شعیب شمسی اس وقت اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ لندن میں ہیں اور نگہت شمسی دہرادون میں۔

بی بی انیسہ : آپ کی شادی خان بہادر نواب غلام حسین، گنیش پوراسٹیٹ، گورکھپور سے ہوئی تھی۔آپ سے دو بیٹے شیدا اور اشد مرحوم اور ایک بیٹی حُسن آرا ہوئیں۔

بی بی حفصہ : آپ کی شادی پروفیسر محمد مسلم عظیم آبادی سے ہوئی جن سے دو لڑکے محمد اسلم، محمد سلمان اور پانچ لڑکیاں ریحانہ فضل، فرحانہ ،اخلاق، عمرانہ معیز، نغمانہ مصطفیٰ، حسانہ انیس ہوئیں۔سبھی صاحب اولاد ہیں۔

بی بی حنیفہ: آپ کی شادی جناب عبدالباری ساقی، ساکن نتول، ضلع جہان آباد سے ہوئی جن سے صرف تین بیٹیاں۔عزرا قمر، نوشابہ حسنین اور نبیلہ مناظر ہیں۔

بی بی سائرہ: آپ کی شادی بدرالحسن وکیل، مظفر پور سے ہوئی جن سے ایک بیٹی بی بی امینہ ابراہیم ہیں۔ جناب بدرالحسن کے پہلے محل سے ایک بیٹی عفیفہ حسین اور ایک بیٹا قمرالحسن ہوئے۔

بی بی ساجدہ: آپ کی شادی ڈاکٹر شفیق احمد، ارہ سے ہوئی جن سے چار بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں۔ڈاکٹر لئیق احمد، خلیق احمد، عتیق احمد اور رشیق احمد اور بیٹی شہناز شمیم، شہلا تقی اور شمامہ امام ہیں۔یہ سبھی صاحب اولاد ہیں۔

عبدالعزیز شمسی

آپ مولوی عبدالوہاب شمسی کے دوسرے نمبر کے صاحب زادے تھے آپ کی شادی 1288 میں آرہ میں مولوی نورالحسن منصف کی لڑکی بی بی حفیظن سے ہوئی جن سے پانچ لڑکے اور ایک لڑکی تھے۔محمود شمسی ،عبدالودود شمسی، احمد داؤد شمسی، حسن امام شمسی، ابونعیم شمسی اور ایک لڑکی، شمسہ خاتون عرف خدیجہ۔حج سے واپسی کے دوران

ممبئی میں آپ کا انتقال ہو گیا اور وہیں مدفون ہوئے۔

محمود شمسی

آپ رئیس کاکو مولوی عبدالعزیز شمسی کے بڑے بیٹے تھے۔دہلی میں سرکاری ملازم تھے۔ بڑے خوش اخلاق تھے۔شاعر تو نہ تھے مگر ادبی ذوق رکھتے تھے۔ان کی شادی قصبہ منیر شریف، پٹنہ میں جناب سید مولوی فخرالدین صاحب کی صاحبزادی بی بی رقعیہ سے ہوئی تھی۔آپ سے ایک لڑکی نجمہ خاتون ہوئی۔آپ دوران ملازمت فوت کر گئے۔ایک نواسہ کاظم تھے ان کا بھی کچھ سال قبل دہلی میں انتقال ہو گیا۔محمد کاظم زوجہ اسماء سے دو بیٹے نفیس اور ندیم اور تین بیٹیاں سیما، صبوحی اور شرمین پیدا ہوئیں۔

عبدالودود شمسی

آپ مولوی عبدالعزیز شمسی کے منجھلے صاحبزادے تھے۔آپ نے الہٰ آباد سے قانون کی ڈگری حاصل کی اور وہاں سے لوٹ کر شہر گیا میں وکالت کرنے لگے۔ آپ بڑے ذہین اور سر برآوردہ وکیل تھے۔آپ کی شادی ڈاکٹر اسحاق، ضلع اورنگ آباد کی لڑکی اختر الفاطمہ سے ہوئی۔آپ نے گیا میں شمسی بلڈنگ کے نام سے ایک کوٹھی تعمیر کرائی مگر افسوس برسوں برس بیمار رہے اور بیماری کی حالات میں لاولد انتقال کر گئے۔

احمد داؤد شمسی

آپ رئیس کاکو، عزیز شمسی کے منجھلے صاحب زادے تھے۔آپ کی پیدائش قصبہ کاکو میں 3 جنوری 1893ء کو ہوئی۔2 اپریل 1913ء میں موتی پور، جہان آباد کے ایک رئیس زمیندار سید شاہ عبدالمجید کی بیٹی یعنی منشی عبدالرحیم کی نواسی سلمیٰ شمسی کے ساتھ آپکی شادی انجام پائی، جن سے ایک بیٹا مؤلف کتاب ہذا اور تین بیٹیاں ہوئیں۔آسماء شمسی، فاطمہ شمسی، سائرہ شمسی اور الما لطیف شمسی۔

احمد داؤد شمسی 1944-1936 تک وائسرائے LORD LIN LITHGOW اور اس کے بعد 45-1944 تک وائسرائے LORD WAVELL کے پرائیویٹ سیکریٹری رہے۔ دہلی میں 15 تال کٹورا روڈ پر ان کی ایک عالیشان کوٹھی تھی جس میں وہ دورانِ ملازمت رہ رہے تھے۔

ملازمت کے دوران ہی پیٹ میں درد کی شکایت ہوئی۔ شاید یہ مرض پرانا تھا جس روز پیٹ میں تکلیف ہوئی اس کے دوسرے ہی روز 45 سال کی کم عمر میں دہلی میں انتقال ہو گیا تھا۔ انہیں کاکو نہ لا کر دہلی کے سید حسن رسول قبرستان، پنچ کویاں روڈ، قرول باغ میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

اسماء شمسی: آپ احمد داؤد شمسی کی سب سے بڑی اولاد تھیں۔ آپ کی شادی علی نگر پالی، کاکو میں پروفیسر جناب میر فضل امام مرحوم سے ہوئی جن سے 1935 میں ایک لڑکا فضل احمد شمسی عرف شریف پیدا ہوئے۔ فضل احمد شمسی تقریباً دو سال کے تھے کہ ان کی ماں اسماء شمسی کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد جناب فضل احمد شمسی کی پرورش ان کی نانی سلمیٰ شمسی نے کی۔ اسکولی تعلیم کاکو سے ہوئی۔ میٹرک 1950 میں کاکو ہائی اسکول سے پاس کیا پھر چاٹگام، بنگلہ دیش چلے گئے۔ وہاں سے سائنس میں گریجویشن کرنے کے بعد میڈیکل کالج میں داخلہ لیا لیکن کسی وجہ سے میڈیکل کی تعلیم مکمل نہ ہو سکی اور پھر ایم اے میں داخلہ لیا۔ ڈھاکہ یونیورسٹی میں پروفیسر مقرر ہوئے۔ امریکہ سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی اور کراچی یونیورسٹی میں لیکچرر کی حیثیت سے تقرری ہوئی۔ وہیں سے ریٹائرڈ ہوئے۔ کینیڈا میں بڑی بیٹی یاسمین کے یہاں آپ کا انتقال ہو گیا۔
فضل احمد شمسی کی شادی 14 اگست 1963 کو محترمہ روشن سے ہوئی تھی جن سے تین لڑکیاں اور تین لڑکے ہوئے: زیبا یاسمین، شیبا، منصور شمسی، محمود شمسی اور منظور شمسی۔
فاطمہ شمسی: آپ کی دوسرے نمبر کی بیٹی تھیں۔ آپ کی شادی اپنے چچازاد بھائی زین

الدین شمسی سے ہوئی جن سے ایک لڑکا آفتاب اقبال شمسی عرف ذہین اور ایک بیٹی نور الصبح ہوئیں۔ آفتاب شمسی انگلینڈ میں اپنی فیملی کے ساتھ قیام پذیر ہیں۔ اور نور الصبح 13 سال کی عمر میں انتقال کر گئیں۔

شادی کے کچھ ہی سالوں کے بعد جب فاطمہ شمسی کو اپنی ازدواجی زندگی دشوار کن لگنے لگی تب انہوں نے اپنے شوہر زین الدین شمسی سے الگ ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ فاطمہ شمسی کی دوسری شادی ایس.اے.رشید صاحب سے چاٹ گام میں ہوئی جو وہاں اکاؤنٹنٹ کے عہدے پر مامور تھے۔ ان کے بطن سے ایک بیٹی وائلہ پیدا ہوئیں جو اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ لنکا شائر، انگلینڈ میں مقیم ہیں اور انہیں وہاں کی شہریت بھی حاصل ہے۔

واضح رہے کہ فاطمہ شمسی اپنے شوہر رشید صاحب اور بیٹی وائلہ کے ساتھ، فیڈرل بی.ایریا، کراچی، پاکستان کو چھوڑ کر سنہ 1995ء میں اپنے بیٹے آفتاب اقبال شمسی کے اصرار پر مستقل طور پر انگلینڈ چلی گئیں تھیں اور وہاں کی شہریت بھی حاصل کر لی تھی۔ سن 2001ء میں فاطمہ شمسی رشید کا انتقال ہو گیا- ان کے شوہر رشید صاحب بھی 2020ء میں انگلینڈ میں ہی انتقال کر گئے۔

سائرہ شمسی: آپ کی تیسری بیٹی تھیں۔ صرف 13 سال کی عمر میں ٹائفائیڈ جیسے موذی مرض میں مبتلا ہو گئیں اور شہر گیا کے ایک ہسپتال میں انکا انتقال ہو گیا تھا۔ ان کی تدفین گیا کے بھڈ بیگھہ قبرستان میں انجام پائی۔ ان کی قبر آج بھی پکی و پختہ حالت میں موجود ہے اور ان کے نام کا کتبہ لگا ہوا ہے۔

الما لطیف شمسی

آپ احمد داؤد شمسی کے اکلوتے صاحبزادے ہیں۔ آپ کی پیدائش دہلی میں ہوئی۔ شروع کے کچھ دنوں میں کاکو اور گیا کے اسکول سے تعلیم حاصل کی پھر والدہ سلمیٰ

شمسی کے ساتھ دہلی چلے گئے چونکہ اس وقت ان کے والد احمد داؤد شمسی وائسرائے لارڈ واویل کے پرائیویٹ سیکریٹری تھے اور دہلی میں ہی اپنے عالیشان بنگلے میں رہ رہے تھے جو کہ حکومت کی عطا کردہ تھی۔ دہلی پہنچ کر جامعہ ملیہ میں داخلہ لے لیا۔ جب آپ دس سال کے تھے تبھی والد احمد داؤد شمسی کا انتقال ہوگیا تھا اس لیے ان کے لوکل گارجین ڈاکٹر ذاکر حسین تھے جو انکے والد کے گہرے دوستوں میں سے تھے۔ بعد میں الما لطیف شمسی نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے پولیٹکل سائنس میں ایم اے کیا اور پھر سیاست کے میدان میں اتر آئے۔ رام منوہر لوہیا سے بہت قریب تھے۔ ہیماوتی نندن بہوگنا، اٹل بہاری واجپئی، عارف بیگ، مدھو لمے وغیرہ ان کے قریبی دوستوں میں سے تھے۔ الما لطیف شمسی کی شادی جناب سید شاہ محمد طیب کی چھوٹی صاحب زادی اور رئیس امتھوا، جناب سید شاہ محی الدین صاحب کی پوتی روشن آرا کے ساتھ انجام پائی۔ آپ کو چار بیٹیاں اور ایک بیٹا ہوا۔

درخشاں شمسی: آپ الما لطیف شمسی کی بڑی بیٹی تھیں۔ کڈنی کی خرابی کی وجہ کر کچھ سال قبل ہی پی ایم سی ایچ، پٹنہ میں انتقال ہوگیا اور تدفین، پیر منہانی قبرستان، پٹنہ میں انجام پائی۔ والدہ روشن شمسی بھی بیٹی کا عظیم صدمہ برداشت نہ کرسکیں اور 1 اپریل 2000ء میں آپ کا بھی "دارالامان"، پٹنہ میں انتقال ہوگیا تھا۔ آپ کو بھی پٹنہ کے پیر منہانی قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔

کہکشاں شمسی: دوسری بیٹی جن کی شادی ڈاکٹر جمیل اختر، پٹنہ سیٹی کے بڑے بیٹے جناب معین اختر ایڈووکیٹ کے ساتھ بتاریخ ۳۱/اکتوبر ۱۹۹۱ء کو عقد مسنونہ ہوا اور رخصتی ۹/جون ۲۰۰۰ء کو انجام پائی۔ ان کے تین بیٹے ہیں۔ زوہیب اختر، صہیب اختر اور حسیب اختر۔ یہ سبھی چھوٹے ہیں اور اسکول میں زیر تعلیم ہیں۔

افشاں شمسی: تیسری بیٹی کی شادی جناب رئیس الحق ہاشمی کے چھوٹے صاحب زادے ڈاکٹر تنویر الحق ہاشمی کے ساتھ ۲/اپریل ۲۰۱۳ء کو انجام پائی اور ان سے ایک بیٹی

یسریٰ ہیں جو ابھی سات سال کی ہیں اور بنگلور میں زیرِ تعلیم ہیں۔

رخشاں شمسی: چوتھی بیٹی جن کی شادی، انکی سنجھلی خالہ ماہ پارا کے بڑے بیٹے جناب نور الحسن ولد مظہر حسن ہاشمی، پورینی، بھاگلپور سے ۲۹/جون ۲۰۱۷ء کو ہوئی۔ ابھی کوئی اولاد نہیں ہوئی ہے۔ رخشاں، نیو عظیم آباد کالونی، پٹنہ میں اپنے شوہر کے ساتھ مقیم ہیں۔

یوسف اقبال شمسی: اکلوتے بیٹے کی پیدائش اپنے چچا عارف شمسی کے مکان "شمسی بلڈنگ"، گیا میں ہوئی تھی۔ پٹنہ یونیورسٹی سے تواریخ میں آنرس کرنے کے بعد روزگار کی خاطر 12 سال تک دُبئی میں رہے۔ ان کی شادی ۱۰/مئی ۲۰۱۸ء کو جناب حکیم شرف الہدیٰ مرحوم، محلّہ چودھرانہ، آرا کی سب سے چھوٹی بیٹی محترمہ شاداں تبسم سے انجام پائی۔ آج کل گیا کے ایک ہوٹل میں زیرِ ملازمت ہیں۔

حسن امام شمسی

آپ رئیس کاکو مولوی عبد العزیز شمسی کے سنجھلے بیٹے تھے اور ریلوے میں انجینیئر کے عہدے پر فائز تھے۔ آپ کی شادی شمس العلماء یوسف جعفری رنجور عظیم آبادی، صادق پور، پٹنہ کی لڑکی سے ہوئی۔ آپ شاعر بھی تھے۔ حسن تخلص تھا۔ ایک مجموعۂ کلام بھی چھپ چکا ہے۔ آپ لاولد رہے۔

شمسہ خاتون

آپ عبدالعزیز شمسی کی اکلوتی بیٹی تھیں۔ آپ کی شادی مولوی وزارت حسین صاحب ساکن موضع ارین، موجودہ ضلع لکھی سرائے سے انجام پائی۔ ان سے دولڑکے پروفیسر اختر اورینوی اور فضل احمد آئی جی پولیس اور دو بیٹیاں زینب اور رقیہ ہوئیں۔ اختر اورینوی لاولد انتقال کیے۔ اور فضل احمد کو چار اولادیں ہیں۔

ابونوئم سمشی

آپ سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔ شہر گیا کے بہترین وکیلوں میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ سید محمد عمر، ساکن سیداباد، ضلع جہان آباد کی لڑکی فہیم النساء سے آپ کی شادی انجام پائی تھی جس سے ایک لڑکے اور چار لڑکیاں ہوئیں۔ رفیدہ کلام، قریشہ احسن، روشن یعقوب، رخسانہ بشیر اور عارف سمشی۔

رفعیدہ کلام: آپ ابونوئم سمشی کی سب سے بڑی بیٹی تھیں۔ آپ کی شادی جناب عبدالجلیل صاحب ساکن سید آباد، ضلع جہان آباد کے فرزند جناب ابوالکلام صاحب سے انجام پائی تھی جن سے 3 لڑکے اور 2 لڑکیاں ہوئیں۔ ہارون کلام، ہمایوں کلام، فیروز شاہ، بیٹی خورشیدی اسلم اور فردوسی وسیم۔

قریشہ احسن: آپ دوسری بیٹی تھیں۔ آپ کی شادی مولوی عبدالرشید صاحب، بھنور پوکھر، پٹنہ کے صاحبزادے ڈاکٹر سید محمد احسن سے ہوئی تھی جن سے 3 بیٹے اور 2 بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ نیر احسن، نسرین ہارون، نیاز احسن، نسیم احسن اور حبیبہ نگار تسنیم۔

روشن یعقوب: آپ تیسرے نمبر کی بیٹی ہیں۔ آپ کی شادی جناب پروفیسر یعقوب صاحب، مظفر پور سے ہوئی تھی اُن سے ایک بیٹی شمی پیدا ہوئیں جن کی شادی اپنے خالہ زاد بھائی جناب سید ہمایوں کلام عرف منّو سے انجام پائی تھی۔ منّو اور شمی کو تین بیٹے ہوئے۔ کاشف، شارق اور تابش۔ یہ سبھی صاحبِ اولاد ہیں۔ جناب یعقوب صاحب کا صحت کی خرابی کی وجہ سے دورانِ ملازمت ہی انتقال ہو گیا تھا۔ آپ اپنی بیٹی اور داماد کے ساتھ کراچی میں مقیم ہیں۔

رخسانہ بشیر: ابونوئم سمشی کی سب سے چھوٹی بیٹی تھیں۔ شادی جناب بشیر الحق صاحب، جامن گلی، پٹنہ کے ساتھ ہوئی تھی۔ آپ سے ایک بیٹی نیلوفر فاطمہ عرف نیلو اور ایک بیٹا عمران الحق پیدا ہوئے۔ بیٹے کی پیدائش کے کچھ ہی ماہ بعد جناب بشیر الحق

صاحب کا انتقال ہو گیا تھا۔ رخسانہ بشیر کا بھی گزشتہ برس ممبئی میں انتقال ہو گیا اس وقت وہ ممبئی میں اپنی بیٹی نیلو کے ساتھ قیام پذیر تھیں۔ نیلو اپنے شوہر اصفر عالم اور بچوں کے ساتھ ممبئی میں ہیں اور بیٹا عمران اپنی بیگم نغمہ کے ساتھ پٹنہ میں مقیم ہیں۔

عارف سمشی

ابونوئم سمشی کے اکلوتے صاحبزادے تھے۔ آپ کی شادی رئیس پٹنہ جناب فضل امام صاحب (کاشانہ کوٹھی) کی سب سے چھوٹی صاحبزادی ڈاکٹر عفت ارا سے ہوئی جن سے چار لڑکے اور ایک لڑکی۔ نجمی سمشی، رومی سمشی، راجی سمشی، شبیع سمشی اور ایک بیٹی فائزہ سمشی عالم ہیں۔

نجم العارفین سمشی (نجمی): آپ کی شادی جسٹس علی احمد صاحب کی اکلوتی بیٹی ڈاکٹر پروفیسر ناہید سمشی کے ہمراہ ہوئی ہے جس سے ایک بیٹا سلمان فراز سمشی اور بیٹی عائشہ سمشی ہیں۔

رومی سمشی: آپ کی شادی آپ کے سگے ماموں جان پروفیسر صفدر امام کی چھوٹی بیٹی زیبا امام ڈیزی سے انجام پائی۔ آپ کو ایک بیٹی سارہ ہوئی تھی جو تقریباً 13 سال کی عمر میں فوت کر گئی۔

راجی سمشی: آپ کی شادی پروفیسر قمر صاحب، گیا کی سب سے چھوٹی بیٹی ڈاکٹر پروفیسر ثروت افشاں عرف شگوفہ سے ہوئی ہے جن سے آپ کو ایک بیٹا سالم سمشی اور ایک بیٹی سنیاں سمشی پیدا ہوئیں۔

شبیع سمشی: آپ بھائیوں میں سب سے چھوٹے ہیں۔ ابھی آپ کی شادی نہیں ہوئی ہے۔ آپ سمشی بلڈنگ، گیا میں اپنی والدہ کے ساتھ رہ رہے ہیں۔

فائزہ سمشی عالم: جناب عارف سمشی کی اکلوتی بیٹی ہیں۔ آپ کی شادی محبوب عالم صاحب آئی اے ایس، پاٹلی پترا کالونی، پٹنہ کے چھوٹے صاحبزادے جناب ارشد عالم کے ساتھ ہوئی ہے۔ آپ سے ایک بیٹا عاطف عالم ہیں۔



شجرہ اس کے بعد آئے گا

جوڈیشیری اور ایڈمنسٹریشن میں کاکو

(۱) **عبد الوھاب شمسی:** آپ سید برکت اللہ ابن نوراللہ کے دوسرے نمبر کے صاحب زادے اور جناب یوسف حسین شمسی آور عبدالعزیز شمسی کے والد تھے۔ بہار کے پہلے مسلم تھے جو ۱۸۶۲ میں منصف سے جج کے عہدے پر فائز ہوئے۔

(۲) **سید محمد حسن:** نانیہال شمسی ہاؤس تھی۔کئی ضلعوں میں جج رہنے کے بعد پٹنہ ہائی کورٹ میں بھی جج کی حیثیت سے کام کیا اور وہیں سے سبکدوش ہوئے۔

(۳) **سید فضل احمد(آئی پی ایس):** آپ نے انگریزی، عربی اور پالی ٹیکل سائنس میں ایم اے کیا۔ پنجاب یونیورسٹی میں انگریزی کے پروفیسر تقرر ہوئے۔آپ پولیس میں آئی جی کے عہدے پر فائز ہونے کے بعد ڈی جی پی ہوکر ریٹائرڈ ہوئے تھے۔آپ کی نانیہال کاکو شمسی بلڈنگ ہے۔آپ احمد داؤد شمسی کی اکلوتی بہن شمسہ خاتون کے چھوٹے صاحبزادے تھے۔

(۴) **مسٹر داؤد:** رئیس کاکو شیخ عبدالرحمٰن گھسو بابو کے اکلوتے فرزند تھے۔ انہوں نے انگلینڈ سے شاید ۱۹۱۵ء میں بیرسٹری کی ڈگری حاصل کی اور کاکو تشریف لائے۔ کچھ ہی دنوں بعد جوانی میں فوت ہو گئے۔نسیم صاحب (پاکستان) آپ کے اکلوتے داماد تھے۔

(۵) **ودود شمسی:** آپ کا آبائی وطن کاکو ہے۔انہوں نے علی گڑھ یونیورسٹی سے ایم اے ایل ایل بی کرنے کے بعد بہار کے پہلے مسلم بہاری تھے جنہوں نے پنجاب یونیورسٹی سے ایل ایل ایم کی ڈگری حاصل کی اور بار ایٹ لا کرنے کے بعد وکالت کی۔ انہوں نے مختصر عرصہ تک ہی وکالت کی۔اپنی سسرال میں ۲۸ سال تک بستر پر رہے اور وہیں انتقال فرمائے۔ سرعلی امام نے کہا تھا، ودود شمسی جیسے لوگ کم پیدا ہوتے ہیں۔

(۶) **شاہ نور الدین بار ایٹ لا :** آبادئی گھر کاکو ہے۔ان کی زندگی کے حالات معلوم نہ ہوسکے۔صرف اتنا معلوم ہے کہ انہوں نے بیرسٹر ہونے کے بعد پٹنہ میں وکالت کی۔

(۷) **سید آل حسن:** آپ کا آبائی وطن کاکو ہے۔آپ نے پٹنہ سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد انگلینڈ جاکر بارایٹ لا کی ڈگری حاصل کی۔ وطن واپس آکر پٹنہ میں بیرسٹری شروع کی۔اس کے بعد ان کے حالات معلوم نہ ہوسکے۔

(۸) **مسٹر شریف :** جناب شریف، بارایٹ لا مدرسہ شمس الہدیٰ کے بانی جناب شمس الہدیٰ کے فرزند ہیں۔ ان کی نانیہال کاکو ہے۔وہ کاکو برابر آتے تھے۔ بیرسٹری پاس کرنے کے بعد انہوں نے وکالت شروع کی۔ مسلم لیگ کے اہم رکن تھے۔۱۹۳۸ میں مسلم لیگ کا اجلاس پٹنہ میں منعقد ہوا۔اس اجلاس میں محمد علی جناح بھی تشریف لائے تھے۔سنا ہے انہوں نے جناح کے لئے پٹنہ میں کوٹھی بنوائی تھی۔اسی کوٹھی میں آپ کے ساتھ محمد علی جناح ٹھہرے جو بعد میں گورنر جنرل پاکستان ہوئے تھے۔

(۹) **ابو نعیم شمسی:** مولوی عبدالعزیز شمسی کے چھوٹے

صاحبزادے تھے۔نعیم شمسی صاحب نے بی اے ایل ایل بی کرنے کے بعد گیا میں وکالت شروع کی۔ان کا مسکن شمسی بلڈنگ گیا رہا۔وہ گیا کے بہت اچھے وکیلوں میں شمار کئے جاتے تھے۔ان کو سول اور کرمنل دونوں میں مہارت حاصل تھی۔وہ جس کیس کو اپنے ہاتھ میں لیتے اس کا جیتنا لازم تھا۔شاید ہی کوئی کیس ہارتے تھے۔انہوں نے جج کا عہدہ کبھی قبول نہیں کیا۔کہا کرتے تھے کہ جج کو ایک ماہ میں جو تنخواہ ملتی ہے اتنی رقم میں ایک دن میں حاصل کر لیتا ہوں۔وہ پبلک پروسیکیوٹر (سرکاری وکیل) بھی رہے۔ عارف شمسی ان کے بیٹے ہیں۔

(۱۰) **نجم العارفین شمسی:** ان کی پیدائش ۴/اپریل ۱۹۵۴ء میں گیا میں ہوئی۔ یہ میرے بھتیجے ہیں اور میرے بڑے بھائی عارف شمسی، شمسی بلڈنگ، گیا کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ان کی پڑھائی نازرتھ اکیڈمی، گیا سے شروع ہوئی اور پھر بعد میں سینٹ زیویئر اسکول، پٹنہ میں داخلہ لے لیا۔ لاء کالج، (پٹنہ یونیورسٹی) سے لاء کی ڈگری ۱۹۸۱ء میں حاصل کرنے کے بعد باضابطہ طور پر پٹنہ ہائی کورٹ میں اپریل ۱۹۸۲ میں کریمنل کے وکیل کی حیثیت سے وکالت شروع کی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے بہت کم وقتوں میں ایک اچھے وکیل کے طور پر اپنی ایک الگ پہچان بنا ڈالی۔اُنہیں اسسٹنٹ سولیسیٹر جنرل، بہار بھی مقرر کیا گیا تھا اور یہ فرائض انہوں نے بہ حسن خوبی انجام دیا۔اس کتاب کو لکھے جانے تک ماشاء اللہ پٹنہ ہائی کورٹ میں پریکٹس کر رہے ہیں اور بار کاؤنسل بھون میں ان کا ایک چیمبر بھی ہے۔



کاکو کی ادبی شخصیتیں
(باحیات)

کاکو کی سرزمیں نے کئے ایسے سخنور پیدا
کہ غالب کا بھی انداز بیاں رشک کرے ہے
(حسن امام شمسی)

(۱) شفیع مشہدی
(۲) قاسم خورشید
(۳) کلیم الرحمٰن کاکوی
(۴) پروفیسر صابر ملک کاکوی
(۵) ظفر امام ظفر کاکوی
(۶) جاوید عالم جاوید کاکوی
(۷) طارق محی الدین شرمیلا
(۸) پروفیسر شاہد رضوی
(۹) انجم سہسرامی
(۱۰) محمد قیوم راہی کاکوی
(۱۱) ڈاکٹر حلیم اختر شاد کاکوی
(۱۲) خورشید رشید خوشتر کاکوی
(۱۳) عبدالصمد
(۱۴) شمیم بی بی پوری
(۱۵) تنویر عالم تابش کاکوی
(۱۶) شمیم اختر شمیم کاکوی
(۱۷) جاوید عالم قمر کاکوی
(۱۸) رؤف ضدی کاکوی
(۱۹) سید اسلم توحید کاکوی
(۲۰) لطیف شمسی انجم کاکوی
(۲۱) مجیب الرحمٰن مجیب کاکوی
(۲۲) سریندر موہن کاکوی
(۲۳) امیکا پرشاد کاکوی
(۲۴) پربھودیال اگروال
(۲۵) شفیق محسن
(۲۶) جلال کاکوی
(۲۷) یوسف شمسی کاکوی
(۲۸) نعمان ہاشمی
(۲۹) امرتیش کمار

(۱) شفیع مشہدی (خواجہ سید شفیع الزماں):

اردو ادب میں محتاج تعارف نہیں- افسانہ نگار، ڈرامہ نویس، شاعر اور قادر الکلام ادیب کی حیثیت سے آپ نمایاں مقام حاصل کر چکے ہیں۔ راقم الحروف کے خالہ زاد بھائی ہیں اور کاکو سے آپ کا گہرا تعلق ہے۔ آپ 7 نومبر 1939ء کو شہر گیا میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اور قرآن، عربی، فارسی اور اردو گھر پر ہی حاصل کی، اس کے بعد گیا ہائی اسکول میں داخل ہوئے جہاں چند برسوں تک پڑھنے کے بعد ہادی ہاشمی اسکول سے میٹرک پاس کیا اور گیا کالج سے بی اے کیا۔ اس کے بعد دہلی آ گئے جہاں دہلی یونیورسٹی سے نفسیات میں ایم اے کی سند حاصل کی۔

1971ء میں بہار ایڈمنسٹریٹو سروس کا امتحان پاس کیا اور سرکاری ملازمت میں آ گئے اور بہار کے مختلف اضلاع میں انتظامی خدمات انجام دیں۔ ریٹائرمنٹ سے پہلے 1992ء سے 1998ء تک بہار پبلک سروس کمیشن کے ممبر بھی رہے۔ ریٹائر منٹ کے بعد حکومت بہار نے اردو اکیڈمی کا چیئرمین منتخب کیا۔ افسانہ نگاری کا باقاعدہ آغاز 1961ء سے ہوا۔

افسانہ نگاری کی شروعات کے دنوں میں شفیع مشہدی شین مشہدی کے نام سے لکھا کرتے تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ شفیع مشہدی کے افسانے بیسویں صدی کے آخری تین عشروں کے دوران ہندو پاک کے مقبول ترین جرائد میں شائع ہو کر ہر عام اور خاص طبقہ کے قارئین میں مقبول ہوئے۔ انہوں نے اپنے دیکھے بھالے کرداروں کے سچے واقعات کو اپنے افسانوں میں فنکارانہ مہارت اور دردمندی کے ساتھ پیش کیا۔

آپ کی نثری اور شعری تخلیقات کو اردو دنیا میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ جناب مشہدی صاحب کے افسانوں میں آج کی زندگی کا عکس صاف جھلکتا

نظر آتا ہے۔ اب تک ان کے تین افسانوی مجموعے شائع ہوئے ہیں۔ شفیع مشہدی ایک افسانہ نگار اور ڈرامہ نویس ہونے کے ساتھ ساتھ ایک جواں فکر شاعر کی حیثیت سے بھی اردو دنیا میں ممتاز ہیں۔ ابھی تک یہ فیصلہ کرنا ارباب ادب کے لیے مشکل ہے کہ وہ بڑے ادیب ہیں یا بڑے شاعر۔ عام خیال یہ ہے کہ افسانہ کا میدان ان کے داخلی احساسات اور جذبات کے اظہار کے لئے تنگ محسوس ہوا اس لیے انہوں نے شاعری کی طرف زیادہ توجہ دی۔ ان کی شاعری ہندو پاک کے موقر ادبی جرائد میں اور مشاعروں کے وسیلے سے کافی مقبول ہو چکی ہے۔

ایک اس کا تھا وہ آسرا بھی نہیں
میرے شامل اب اس کی رضا بھی نہیں
میرے پیچھے ہے فرعون لشکر لیے
اور دریا میں اب راستہ بھی نہیں
مشہدی سر ہتھیلی پہ رکھے رہے
اس کی قسمت میں تو کربلا بھی نہیں

(۲) قاسم خورشید:

ادب کی دنیا میں جناب قاسم خورشید کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ ان کی پیدائش یکم جولائی ۱۹۷۵ء کو قصبہ کاکو ضلع جہان آباد میں ہوئی، آپ کے والد کا نام محمد ربّانی تھا۔ قاسم خورشید میں طالب علمی کے زمانے سے ہی شاعری کا رجحان پیدا ہوا۔ سب سے پہلے ہندی کے مشہور رسالہ 'پرگتی شیل سماج' میں دو غزلیں شائع ہوئیں۔ پھر دیگر تخلیقی اصناف میں طبع آزمائی کی۔

پہلی کہانی 'روک دو' 1982ء میں ''زبان و ادب'' میں شائع ہوئی۔ پھر ملک کے مختلف رسائل میں لگاتار کہانیاں شائع ہوئیں۔ ساتھ ہی ڈرامے بھی اسٹیج کئے۔

آپ سرکاری عہدے پر مامور رہے۔اپنی مصروف زندگی گزارنے کے باوجود ادب کی خدمت کرتے رہے ہیں ۔ بہت کم دنوں میں انہوں نے اپنی ایک الگ پہچان بنائی ہے اور اب تک ان کے تقریباً پچاس افسانے ملک کے معیاری رسائل و جرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔اور یہ کئی کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔''ریت پر ٹھہری ہوئی شام'' اور''پوسٹر'' نے کافی پذیرائی حاصل کی ہے۔

(۳) کلیم الرحمٰن:

جناب کلیم الرحمٰن کاکوی کی پیدائش کاکو میں ہوئی۔ یہ عطا کاکوی کے صاحب زادے ہیں۔انشا پرداز ہیں۔شاعری سے بھی شغف رکھتے ہیں۔اکثر کاکو کے فنکشن اور مشاعروں میں شرکت کے لئے کاکو آتے رہتے ہیں۔۲۰ رستمبر ۲۰۱۲ء میں عید کے موقع پر شمسی بلڈنگ تشریف لائے تھے۔اورینٹل کالج پٹنہ سے وابستہ ہیں۔

(۴) پروفیسر صابر ملک:

جناب پروفیسر صابر ملک کی پیدائش آبائی مکان بازار ٹولہ کاکو میں ہوئی۔ یہ ڈاکٹر صلاح الدین ملک کے صاحب زادے ہیں۔اچھے شاعر اور ادیب ہیں۔نالندہ کالج بہار شریف میں شعبہ اردو سے وابستہ رہے۔کاکو کے مشاعروں میں شرکت کے لئے اکثر تشریف لاتے ہیں۔

(۵) ظفر امام ظفر:

جناب ظفر امام ظفر کی پیدائش ان کے آبائی مکان سید ٹولہ کاکو میں ہوئی۔ یہ محکمہ صحت میں ملازم تھے۔ ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد وطن آ گئے۔ باصلاحیت شاعر ہیں اور استاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔کاکو کے مشاعروں میں برابر شریک رہتے ہیں۔

گلوں کے رنگ و بو سے تم بہت مسرور ہو لیکن
بتاؤ تو کہ تم نے گریۂ شبنم بھی دیکھا ہے

(۶) جاوید عالم جاوید کاکوی:

جناب جاوید عالم کی پیدائش ان کے نانیہال کاکو میں ہوئی۔ان کا تعلیمی سلسلہ بھی کاکو ہی سے شروع ہوا۔ان کا بچپن بھی کاکو ہی میں گزرا۔ پیشے سے انجینئر ہیں۔شاعری سے بھی شغف ہے اور ادب سے بھی دلچسپی ہے۔ بڑے سلیقے سے شعر کہتے ہیں۔ان کا اردو اور انگریزی کا مطالعہ بہت وسیع ہے۔ٹسکو میں ملازم رہے۔ سبکدوشی کے بعد کاکو واپس لوٹ آئے۔

(۷) طارق محی الدین شرمیلا:

جناب طارق محی الدین شرمیلا کا آبائی وطن امتھوا شریف ہے جو قصبہ کاکو سے متصل ہے۔آپ سیّد احمد محی الدین (احمق گیاوی) کے فرزند ہیں۔آپ کے دادا سیّد شاہ طہٰ اشرف امتھوی، امتھوا شریف کے تاحیات بلا مقابلہ مکھیا رہے۔ جناب طارق ، یوسف شمسی کے خالہ زاد اور دودھ شریک بھائی ہیں۔آپ ایک اچھے شاعر ہیں۔شاعری ان کو ورثے میں ملی ہے۔کاکو کے مشاعروں میں اکثر شریک ہوا کرتے ہیں۔انھوں نے اپنے بچپن کے دن کاکو میں گزارے ہیں۔ پٹنہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی ہے۔

جناب طارق محی الدین شرمیلا نے ایک کتاب 'مجھے سب ہے یاد زرا زرا' تصنیف کی ہیں جو بہت جلد قارئین کے ہاتھ میں ہوگی۔

(۸) پروفیسر شاہد رضوی:

جناب پروفیسر شاہد رضوی کی پیدائش کاکو میں ہوئی۔ان کے والد بہار کے فسادات کے بعد محمد پور' مخدوم پور سے کاکو میں سکونت پذیر ہوئے۔ شاہد رضوی نے کاکو میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد گیا میں تعلیم پائی۔ان دنوں مگدھ یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں۔ یہ ایک اچھے شاعر بھی ہیں۔

(۹) انجم سہسرامی:

جناب انجم (سہسرام) کا آبائی وطن کاکو ہے۔ یہ ظفر رضوی کاکوی کے فرزند ہیں۔ ایک اچھے شاعر ہیں۔ والد کے ساتھ کاکو کے مشاعروں میں اکثر انہوں نے شرکت کی ہے۔ بسلسلہ ملازمت سہسرام میں مقیم ہیں۔ اکثر کاکو تشریف لاتے رہتے ہیں۔

(۱۰) محمد قیوم راہی:

جناب قیوم راہی کا آبائی وطن کاکو ہے۔ ہائی اسکول کاکو سے میٹرک پاس کیا۔ فطری شاعر ہیں اور اچھی شاعری کرتے ہیں۔ کاکو کے تمام مشاعروں میں ان کی شرکت ہوتی ہے۔ انہوں نے کسی سے اصلاح نہیں لی۔ پیشہ سے یہ ایک اچھے راج مستری ہیں۔ اردو ہندی ساہتیہ سنگم کے ممبر رہے۔ جہان آباد کے مشاعروں میں بھی شریک ہوتے ہیں۔

(۱۱) ڈاکٹر حلیم اختر شاد

ڈاکٹر حلیم اختر شاد کا آبائی وطن کاکو ہے۔ یہ اختر ضمیری کے صاحب زادے ہیں۔ اچھے شاعر ہیں اور ترنم سے اپنا کلام پڑھتے ہیں۔ کاکو اور جہان آباد کے مشاعروں میں ان کی شرکت برابر ہوتی ہے۔ اردو ہندی ساہتیہ سنگم کے ممبر رہے۔ ریڈیو اسٹیشن سے بھی ان کا کلام نشر ہوتا رہتا ہے۔ پیشہ سے ڈاکٹر ہیں۔

(۱۲) خورشید رشید خوشتر:

جناب خورشید رشید خوشتر کا آبائی وطن کاکو سے متصل نتول ہے۔ بہار فسادات کے دوران ان کے بزرگ کاکو تشریف لے آئے۔ اچھے شاعر ہیں۔ پیشے سے استاد

رہے ہیں۔ اردو ہندی ساہتیہ سنگم کے ممبر رہے ہیں۔ آج کل گلف میں ہیں۔

(۱۳) محمد عبدالصمد:

آپ جناب شبلی صاحب انڈوس کے صاحب زادے ہیں۔ کاکو سے آپ کا گہرا تعلق ہے۔ نسیم صاحب آپ کے اپنے ماموں تھے۔ کاکو کے تین مسلم زمینداروں میں ایک نام نسیم صاحب کا بھی آتا ہے۔ کاکو میں نسیم صاحب کی ایک کوٹھی بھی تھی جسے کاکو کے لوگ نسیم صاحب کی کوٹھی کہہ کر پکارتے تھے۔ بعد میں یہ کوٹھی غازی صاحب (کراچی) کے ہاتھوں فروخت ہوگئی۔ بہت قبل نسیم صاحب ہندوستان چھوڑ کر اپنی فیملی کے ساتھ پاکستان چلے گئے اور وہاں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ عبدالصمد صاحب آپ کے بھانجے ہیں جیسا کہ اوپر میں نے لکھا ہے۔

آپ صرف ناول نگار ہی نہیں بلکہ اردو افسانے کی دنیا میں اپنی ایک الگ شناخت رکھتے ہیں۔ ناول اور افسانہ میں اپنی الگ پہچان رکھنے کی وجہ سے آپ کا قد بہت اونچا ہے۔ ویسے دیکھنے میں بھی آپ کی شخصیت دل آویز اور بلند قد رہے۔ عبدالصمد صاحب کا فن جیتی جاگتی دنیا کے نشیب وفراز سے گہرا تعلق رکھتا ہے۔ وہ سامنے کے حقائق اور مسائل سے رشتے و رابطے کو اہمیت دیتے ہیں۔ انہوں نے دوگز زمین جیسا ناول لکھ کر نہ صرف اردو ناول کے جمود کو توڑا ہے بلکہ ساہتیہ اکادمی ایوارڈ حاصل کر ریاست بہار کے وقار میں اضافہ کیا ہے۔

یہ بہار کے وہ پہلے ادیب ہیں جنہیں ساہتیہ اکیڈمی ایوارڈ ملا تھا، یہ ایوارڈ اُنہیں 1990ء میں ملا تھا۔ اس سے قبل بہار کے کسی بھی مشاہیر ادب کو ساہتیہ اکادمی ایوارڈ نہیں ملا۔

عبدالصمد کا ناول ''دوگز زمین'' اسلوب نگارش کی وجہ سے اردو ناولوں میں ممتاز مقام رکھتا ہے۔ یہ ناول ہندوستان- پاکستان تقسیم کے تناظر میں ہے- اس ناول

میں آزادی کے بعد ایک نہایت اہم مسئلہ کو اپنے ناول کا موضوع بنا کر ایک خاندان کے پس منظر میں آزادی کے بعد سے اب تک کی تاریخ رقم کی گئی ہے۔اس کے علاوہ اس میں ہجرت کا سانحہ بڑے موثر طریقے سے پیش کیا گیا ہے۔

اس ناول میں انہوں نے حقیقت نگاری کے جوہر دکھائے ہیں اور سیاست کی شاطرانہ چال کو بھی بے نقاب کرنے کی کوشش کی ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس ناول میں عبدالصمد صاحب نے مسلمانوں کی نفسیاتی و جذباتی کیفیتوں کی زندہ تصویریں پیش کی ہیں۔آپ کو ساہتیہ اکادمی ایوارڈ کے علاوہ کئی اور ایوارڈ سے نوازا جا چکا ہے۔آپ کی لکھی کئی کتابیں منظرِ عام پر آ چکی ہیں۔بکھرے اوراق، دھمک، آگ کے اندر راکھ قابلِ ذکر ہیں۔

(۱۴) شمیم بی بی پوری

جناب شمیم بی بی پوری کا آبائی وطن بی بی پور کاکو ہے۔اچھے شاعر ہیں اور ترنم سے اپنا کلام پڑھتے ہیں۔کاکو اور جہان آباد کے مشاعروں میں ان کی شرکت لازمی ہے۔اردو ہندی ساہتیہ سنگم کے ممبر رہے ہیں۔ان کا اندازِ تکلم بڑا پیارا ہے۔پھلواری شریف میں سکونت پذیر ہیں۔

(۱۵) تنویر عالم تابش کاکوی:

تنویر عالم تابش کاکوی کا آبائی وطن کاکو ہے۔اچھے شاعر بھی ہیں۔کاکو اور جہان آباد کے مشاعروں میں برابر شریک ہوتے رہے۔ان کا تعلق اردو ہندی ساہتیہ سنگم سے بھی رہا۔

(۱۶) شمیم اختر شمیم کاکوی:

جناب شمیم اختر شمیم کاکوی کا آبائی وطن کاکو ہے۔کاکو میں تعلیم پانے کے بعد پٹنہ سکریٹریٹ میں ملازم ہوئے اور ریٹائرڈ ہو چکے ہیں۔اچھے شاعر ہیں۔کاکو اور

جہان آباد کے مشاعروں میں برابر شریک ہوتے رہے۔اردو ہندی ساہتیہ سنگم سے بھی وابستہ رہے۔

(۱۷) جاوید عالم قمر کاکوی:

جناب جاوید عالم قمر کاکوی کا آبائی وطن کاکو ہے۔شعر و سخن سے لگاؤ ہے اور مزاحیہ شاعری کرتے ہیں۔پیشے سے وکیل ہیں۔بسلسلہ ملازمت مدراس میں مقیم ہیں۔

(۱۸) رؤف ضدی کاکوی:

جناب رؤف ضدی کاکوی کی پیدائش شمسی ہاؤس میں ہوئی۔ان کے افسانے خاتون مشرق میں چھپتے رہے ہیں۔عرصہ دراز تک کاکو میں رہے۔ابھی اپنے بیوی اور بچوں کے ساتھ حیدرآباد میں مقیم ہیں۔یہ ایوب رضا نشتر کے چھوٹے بھائی ہیں۔

(۱۹) سید اسلم توحید:

جناب سید اسلم ٹیچر کا آبائی وطن کاکو ہے۔کاکو میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد انہوں نے معلم کا پیشہ اختیار کیا۔ادب سے بھی لگاؤ رکھتے ہیں۔اچھے اشعار کہتے ہیں۔کاکو کے مشاعروں میں ان کی شرکت ہوا کرتی ہے۔

(۲۰) لطیف شمسی انجم کاکوی:

راقم الحروف کا آبائی وطن کاکو ہے۔خاکسار کا تعلق سید شاہ مخدوم شمس الدین دوانقی قدس سرہٗ عرف شاہ سمن کی چودھویں شاخ سے ہے۔خاکسار کو شعر و سخن کا شوق بچپن سے ہی رہا مگر علی گڑھ کی تعلیم کے دوران پروان چڑھا۔ڈاکٹر معین احسن جذبی اور ڈاکٹر خلیل الرحمٰن اعظمی سے کلام پر اصلاح لیتا رہا۔ڈاکٹر خلیل الرحمٰن اعظمی نے انجم کاکوی تخلص رکھا۔

(۲۱) مجیب الرحمٰن مجیب:

جناب مجیب الرحمٰن مجیب کا آبائی وطن بیکو پور گیا ہے۔ان کی شادی مولوی ابرار صاحب رئیس کاکو کی بڑی صاحبزادی سے ہوئی ہے۔یہ ایک اچھے اور خوش گلو شاعر ہیں۔نہایت حاضر جواب ہیں۔یہ جس محفل میں ہوں وہ محفل ان کے دم سے گل و گلزار رہتی ہے۔علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں خاکسار کے ہم سبق رہے ہیں۔کاکو کے مشاعروں میں ہمیشہ ہی ان کی شرکت ہوا کرتی ہے۔ان دنوں علی نگر گیا میں مقیم ہیں۔

(۲۲) سریندر موہن:

شری سریندر موہن کاکوی کا آبائی وطن کاکو ہے۔یہ سریش مکھیا کے چھوٹے بیٹے ہیں ان کو شعر وادب سے لگاؤ رہا ہے اور اچھے اشعار کہتے ہیں۔اردو ہندی ساہتیہ سنگم میں جوائنٹ سکریٹری کے عہدے پر فائز رہے۔کاکو کے مشاعروں میں ہمیشہ ہی ان کی شرکت ہوتی رہی ہے۔ان دنوں اتری کاکو کے مکھیا ہیں۔

(۲۳) امبیکا پرشاد:

شری امبیکا پرشاد کاکوی کا آبائی وطن کاکو سے متصل پالی ہے۔عرصہ دراز سے کاکو میں یہ اپنے مکان میں سکونت پذیر ہیں۔اچھے شاعر ہیں۔یہ اردو ہندی ساہتیہ سنگم کے فاؤنڈر ممبر تھے۔کاکو کے مشاعروں میں ہمیشہ ہی شریک ہوتے رہے ہیں۔

(۲۴) پربھودیال اگروال:

شری پربھودیال اگروال کاکوی کا آبائی وطن کاکو ہے۔پیشہ سے وکیل اور نوٹری مجسٹریٹ ہیں۔طنز ومزاح کے شاعر ہیں۔اردو ہندی ساہتیہ سنگم کے پہلے صدر منتخب ہوئے اور مسلسل سات سالوں تک اس عہدے پر فائز رہے۔

(۲۵) شفیق محسن:

جناب شفیق محسن کا دادیہال کاکو ہے۔فخرالدین شمسی کے پوتے اور پروفیسر سید محمد محسن سابق صدر شعبۂ نفسیات پٹنہ یونیورسٹی کے بیٹے ہیں۔مطالعہ اور مضمون نگاری آپ کا پسندیدہ مشغلہ ہے۔کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔بنیادی اسلامی باتیں، قرآن پاک مکمل ہدایت، قرآنی تعلیم سب کے لئے اور ہنسیں اور ہنسائیں ان کی مشہور تصنیفات ہیں۔گنگا ٹاور میں رہتے ہیں۔صحت سے معذور ہوتے جارہے ہیں۔

(۲۶) جلال کاکوی:

آپ کی پیدائش کاکو ہاؤس، عالم گنج، پٹنہ میں ہوئی۔آپ نے پٹنہ کالجیئٹ سے میٹرک کیا اور اس سے قبل مدرسہ شمس الہدیٰ سے عالم کی ڈگری حاصل کی۔آپ نے اپنی تعلیم کا حصہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے بھی مکمل کیا۔آپ جناب اسماعیل روح کے فرزند ہیں اور حکیم سعید صاحب رحمتہ اللہ کے پوتے ہیں۔آپ ایک نوجوان شاعر ہیں۔اور نظامت کے فن سے بھی آشنا ہیں۔یہ اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

یہ جو سرحد پہ لن ترانی ہے
دو ہی رنگوں کی گل فشانی ہے
اک مصیبت جو زرد فتنہ ہے
ایک نفرت جو زعفرانی ہے

جلال کی شاعری حقیقت پسندانہ خیالات کی عکاسی کرتی ہے۔جلال کاکوی نے زندگی کے مشاہدات وتجربات کو الفاظ کے موتیوں کی مالا اس طرح پہنائی ہے کہ ہر لفظ آبگینہ احساس نظر آتا ہے۔آپ کے کلام میں دور حاضر کا شعور ملتا ہے، یہ بات محسوس کی جاسکتی ہے کہ جلال صاحب بصیرت اور حساس شاعر ہیں۔آپ چلتے پھرتے اُٹھتے بیٹھتے حقیقی کرداروں کو لفظوں کی مدد سے سچی تصویریں بناتے ہیں اور زمین کی تہوں میں چھپی کڑوی سچائیوں کو اپنے اشعار میں ڈھالنے کا ہنر جانتے ہیں۔واضح

رہے کہ آپ حضرت بی بی کمالؒ کی درگاہ، کاکو کے سجادہ نشین بھی ہیں۔

(۲۷) یوسف شمسی کاکوی:

جناب یوسف شمسی کا آبائی وطن کاکو ہے۔ موصوف خاکسار کے صاحبزادے ہیں۔ اسکول کے زمانے سے ہی ان کی تخلیقات اردو کے مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہوتی رہی ہیں۔ ان کے کئی افسانے ماہنامہ خاتون مشرق، گلابی کرن، اور پاکیزہ آنچل کے زینت صفحات بنے ہیں۔ جناب یوسف شمسی ان دنوں گیا کے ایک ہوٹل میں مینیجر کے عہدے پر فائز ہیں۔

(۲۸) نعمان ہاشمی:

آپ ایک بلند فکر شاعر اور ادیب ہیں۔ انشائیہ نگاری میں آپ کو دسترس حاصل ہے۔ آپ کی تصانیف میں دو بیل سیاسی شکنجے میں، بے پردہ، گل مرگ، قوس و قزح، رہبر عالمؑ نے کافی مقبولیت حاصل کی ہے۔ آپ جناب شجر کاکوی کے اکلوتے صاحبزادے ہیں۔ آپ نے اپنے شہر گیا کو خیر آباد کہہ دیا اور ممبئی میں مستقل سکونت اختیار کرلی ہے۔

(۲۹) امرتیش کمار:

ایک نوجوان شاعر جس نے لوگوں کو بہت متاثر کیا ہے۔ ان کا خود کہنا ہے کہ شاعری سے ان کی بچپن سے ہی گہری نسبت رہی ہے۔ جس کا علم انھیں وقت اور تعلیم کے ساتھ دھیرے دھیرے ہوتا گیا۔ شروع میں امرتیش راقم الحروف کے پاس اپنا کلام لے کر اصلاح کے لیے آیا کرتے تھے۔ روز بروز ان کے کلام میں پختگی آتی گئی۔ پہلی بار جہان آباد کے باری بھون میں منعقد 'ہندی دیوس' کے موقع پر اپنا کلام پیش کیا تھا جسے اہلِ علم نے بہت سراہا۔ شاعر کی حیثیت سے امرتیش نے ضلع جہان آباد میں اپنا ایک الگ مقام بنا رکھا ہے۔



کاکو کی ادبی شخصیتیں

(مرحومین)

(۱) سید شاہ غفور الرحمٰن حمد کاکوی
(۲) عطاء الرحمٰن عطا کاکوی
(۳) ولی الرحمٰن ولی کاکوی
(۴) منظور الرحمٰن اختر کاکوی
(۵) ارشد کاکوی
(۶) شاہ طٰہٰ اشرف امتھوی
(۷) شجر کاکوی
(۸) اختر اورینوی
(۹) قاضی عبدالودود
(۱۰) مسلم عظیم آبادی
(۱۱) شکیلہ اختر
(۱۲) پروفیسر محمد محسن
(۱۳) حسن امام شمسی
(۱۴) پروفیسر فضل امام
(۱۵) وہاب اشرفی
(۱۶) شاہ ظفر کاکوی
(۱۷) شاہ قمر کاکوی
(۱۸) عبدالقیوم بیتاب کاکوی
(۱۹) ظفر رضوی کاکوی
(۲۰) پروفیسر معین دردائی
(۲۱) مظفر الدین دردائی
(۲۲) احمد محی الدین احمق گیاوی
(۲۳) علامہ فضل حق آزاد
(۲۴) علامہ اسرار جامعی
(۲۵) عزیز عظیم آبادی
(۲۶) پروفیسر اختر قادری کاکوی
(۲۷) نظر عالم نظر کاکوی
(۲۸) عبدالمنان بیدل
(۲۹) ایوب رضا نشتر کاکوی
(۳۰) سید خورشید عالم کاکوی
(۳۱) منظر کاکوی
(۳۲) کمال عظیم آبادی
(۳۳) حسنین عظیم آبادی

(۱) سیّد شاہ غفور الرحمٰن حمد کاکوی:

آپ 19 مارچ 1863ء کو قصبہ کاکو، ضلع جہان آباد میں پیدا ہوئے تھے۔ جب آپ چار سال کے تھے تبھی آپ کے حقیقی ماموں جناب قاضی احمد بخش نے بسم اللہ خوانی کرائی۔ ابتدائی تعلیم مفتی محمد ہاشم علی صاحب کی زیرنگرانی ہوئی اور قرآن کی تعلیم جناب خورشید علی سے حاصل کی۔ عربی اور فارسی کی تعلیم اپنے والد ماجد سے گھر پر ہی لی۔ آپ نے باضابطہ اسکول اور کالج سے تعلیم حاصل نہیں کیا۔ بقول خود حمد کاکوی کے جو کچھ انہوں نے حاصل کیا وہ اپنی کتابوں کے مطالعے کے ذریعے حاصل کیا اور یہ بزرگوں کا روحانی فیض تھا جس کی بدولت میں اس قابل ہوا کہ کچھ لکھ پڑھ سکا۔

مکتب خانہ ہی میں کچھ ٹوٹے پھوٹے اشعار کہنے لگے تھے۔ گھر کا ماحول شاعرانہ تھا وہیں سے شعر وشاعری کی طرف رغبت بڑھی اور جناب شاہ محمد اکبر ابوالعلاء داناپوری سے جو ایک صاحبِ دیوان شاعر تھے سے اصلاح لینا شروع کیا اور اکبر داناپوری نے ہی حمد کاکوی کو حمد تخلص رکھنے کی تجویز عطا کی اور اس طرح اصلاح کا سلسلہ بذریعہ ڈاک چلا۔ آپ نے وحید الہ آبادی سے بھی اصلاح لی تھی اور ان کی شاگردی بھی اختیار کی تھی۔ کچھ ہی سالوں کے بعد باضابطہ شاعر کی حیثیت سے آپ نے اپنا ایک منفرد مقام بنا لیا تھا۔ آپ کے حیات میں صرف ایک مسدس ’چائے نامہ‘ طبع ہوا تھا۔ آپ نے اپنی زندگی میں کاکو کی تاریخ پر ایک کتاب لکھی مگر اپنی اس تصنیف کی طباعت اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ سکے اور آپ کے انتقال کے بعد آپ کے فرزند سید شاہ عطا الرحمٰن عطا کاکوی نے ’آثار کاکو‘ کے نام سے جنوری 1986ء میں اس کتاب کو مرتب کیا۔ حمد کاکوی نے یاد وطن کے عنوان سے کاکو پر ایک نظم بھی لکھی تھی جو ’آثار کاکو‘ میں شامل ہے۔

آپ کی شادی 14 سال کی عمر میں مولوی نور الحسن مرحوم، عظیم آباد کی منجھلی لڑکی سے بتاریخ 5 جمادی الاول 1284 میں انجام پائی تھی جس سے پانچ اولادیں ہوئیں۔ آپ کی منکوحہ کے ساتھ ساتھ آپ کے سبھی اولادوں کا ایک ایک کر کے

انتقال ہو گیا۔ دوستوں کے اسرار کرنے پر آپ نے دوسری شادی شیخپورہ، مونگیر کے ایک بزرگ جناب شاہ محمد صادق صاحب کی بڑی لڑکی سے دوسری شادی کی۔ آپ کے دوسرے محل سے دو بیٹیاں ہوئیں جو کمسنی میں ہی فوت کر گئیں اور تین بیٹے ولی الرحمٰن ولی کاکوی، منظور الرحمٰن اختر کاکوی اور عطا الرحمٰن عطا کاکوی پیدا ہوئے۔ ان تینوں بھائیوں نے ادب کی دنیا میں کافی مقبولیت حاصل کی۔ آپ 8 جولائی 1931ء کو قصبہ کاکو میں انتقال فرمائے۔

(۲) پدم بھوشن عطا الرحمٰن عطا کاکوی:

بتاریخ 17 ستمبر 1904 کو قصبہ کاکو موجودہ ضلع جہان آباد میں پیدا ہوئے۔ گھر پر ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ 1924 میں میٹرک کا امتحان پاس کیا اور پھر عربی اور اردو میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔ خانقاہ ہائی اسکول، اسلام پور میں ہیڈ ماسٹر کی حیثیت سے آپ کی تقرری ہوئی پھر بی-این-کالج، پٹنہ اور اس کے بعد مظفر پور گورنمنٹ کالج میں بحیثیت لیکچرر مامور ہوئے اور 1962 میں ملازمت سے سبکدوش ہو گئے تھے۔ جناب عطا کاکوی نہ صرف اعلی درجے کے ایک خوش فکر اور قادر الکلام شاعر تھے بلکہ ایک بہترین انشاء پرداز، عظیم محقق اور ایک قابلِ قدر انسان بھی تھے۔ مطالعہ حسرت، تقابلی مطالعہ، گلہائے رنگ رنگ، حیرت زار، مطالعہ غالب جیسے کتابوں کے مصنف بھی تھے۔ آپ کو ادب کے میدان میں امتیازی کارکردگی کے لیے پدم بھوشن کے ایوارڈ سے بھی سرفراز کیا گیا تھا۔

آپ کی شادی رئیس کاکو جناب سید شاہ شرف الدین عرف ابرار صاحب کی لڑکی محترمہ آسیہ خاتون سے انجام پائی تھی۔ واضح رہے کہ شاہ ابرار صاحب مؤلف کتاب ہذا کے اپنے خالو تھے۔

عطا کاکوی سے راقم الحروف کے دیرینہ تعلقات تھے۔ ایک بار میں اپنی بہن

سے ملنے اُنکے گھر گیا تھا جو عطا کاکوی کی منکوحہ تھیں۔ میری ملاقات عطا کاکوی صاحب سے بھی ہوئی، بہت گرم جوشی سے ملے اور ملنے پر ایک جملہ کہا جو مجھے آج تک یاد ہے۔ میاں الما! اب تمہارا کاکو، کاکو نہیں خاکو ہو گیا (یعنی کاکو خاک ہو گیا)۔ 1 مارچ 1998ء کو عطا منزل، محلّہ نوگھروا، سلطان گنج، پٹنہ میں انتقال فرمایا اور تدفین شاہ گنج قبرستان، پٹنہ میں انجام پائی تھی۔

(۳) ولی الرحمٰن ولی کاکوی:

آپ ایک بلند پایہ شاعر تسلیم کیے جاتے تھے۔ آپ 1889ء میں قصبہ کو میں پیدا ہوئے تھے۔ جناب شاہ محمد اکبر ابوالعلائی نے آپ کے بسم اللہ کی رسم کاکو میں فرمائی۔ ابتدائی تعلیم عربی، فارسی، اردو گھر پر ہوئی۔ حافظ قرآن ہونے کی سعادت بھی حاصل کی تھی۔

آپ نے ایم اے فارسی پٹنہ کالج، پٹنہ سے پاس کیا اور تعلیم مکمل کرنے کے بعد 1927 میں ڈپٹی کلکٹری پر بحال ہوئے اور پھر کمشنر کے ذاتی مشیر رہ کر ملازمت سے سبکدوش ہوئے تھے۔ ولی کاکوی نے 17 سال کی عمر سے ہی شاعری شروع کر دی تھی۔ والد حمد کاکوی خود عربی و فارسی کے صاحب دیوان شاعر تھے۔

ولی کاکوی نے غزلیں، نظمیں اور رباعیات جیسی اصناف پر طبع آزمائی کی تھی اور بہت کامیاب رہے۔ آپ بہت ساری کتابوں کے خالق بھی تھے۔ خان بہادر علی محمد شاہ سے مشورہ سخن کرتے تھے۔ میٹرک کی نصابی کتب میں آپ کی شخصیت سے متعلق ایک مضمون بھی شامل ہے۔

13 جون 1963ء کو پٹنہ میں آپ کا انتقال ہوا تھا اور خانقاہ مجیبیہ، پھلواری شریف قبرستان، پٹنہ میں تدفین عمل میں آئی تھی۔

(۴) منظور الرحمٰن اختر کاکوی:

بتاریخ 29 ذی الحجہ 1319 ہجری کو قصبہ کاکو میں پیدا ہوئے۔ عربی، فارسی اور انگریزی کی تعلیم گھر پر ہوئی پھر مدرسہ شمس الہدیٰ میں داخل ہو کر وہاں سے تعلیم مکمل کی تھی۔ نظم، رباعی، غزل ہر صنف سخن پر آپ کو دسترس حاصل تھا۔ خان بہادر محمد شاہ سے اصلاح سخن لیتے تھے آپ کا تخلص اختر تھا۔

آپ نے 40 سال تک کاکو میں نماز عیدین کی امامت و خطابت کی تھی۔
جناب سید شاہ محمد فرید چشتی رحمت اللہ علیہ، خانقاہ فریدیہ، کاکو کے پہلے محل کی دختر سے بتاریخ 27 شعبان 1344 ہجری کو آپ کی شادی انجام پائی تھی۔ آپ نے معلم کی حیثیت سے درس و تدریس کا کام انجام دیا اور ریٹائرمنٹ کے بعد اپنے سسرال محلّہ میر داد، بہار شریف میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی اور وہیں انتقال فرمائے۔

(۵) ارشد کاکوی:

آپ کا نام سید شاہ رشید الرحمٰن اور تخلص ارشد تھا۔ آپ کی پیدائش 1 اپریل 1928ء کو پٹنہ میں ہوئی تھی۔ آپ کا وطن موضع کاکو، ضلع جہان آباد ہے۔ آپ جناب عطا کاکوی کے دوسرے نمبر کے صاحب زادے تھے۔ 1939ء میں پٹنہ یونیورسٹی سے بی اے (آنرز) کیا اور طلائی تمغہ پایا۔ 1951ء میں ڈھاکہ یونیورسٹی سے ایم اے (اردو) کیا اور طلائی تمغہ حاصل کیا۔ 1944ء میں ہی ارشد کاکوی کے نام سے شعر و ادب میں اپنا قدم رکھا تھا۔

ارشد نے ایک ایسے گھرانے میں آنکھیں کھولی تھیں جہاں ہمہ وقت شعر و ادب کا چرچا رہتا تھا۔ اس ماحول سے انہوں نے گہرے اثرات قبول کئے اور نہ صرف ایک کامیاب اور قادر الکلام شاعر کی حیثیت سے بلکہ ایک اچھے نقاد اور صحافی کی حیثیت سے بھی اپنی پہچان بنائی۔ اپنے عہد کے بیشتر اہم رسالوں میں آپ کی تخلیقات شائع

ہوئیں اور اہم ناقدوں نے ان کی کاوشوں کی پذیرائی کی۔ جناب ارشد کاکوی کی شخصیت اور شاعری سے متعلق رضا علی وحشت، خلیل الرحمٰن اعظمی، نیاز فتح پوری، عندلیب شادانی، اثر لکھنوی، جوش ملیح آبادی، قاضی عبدالودود، جمیل مظہری اور پرویز شاہدی وغیرہ کی آراء موجود ہیں۔

ارشد کاکوی ڈھاکہ یونیورسٹی میں پروفیسر کی حیثیت سے کام کرتے ہوئے کینسر کے مہلک مرض میں مبتلا ہو گئے تھے اور بغرض علاج پٹنہ آئے اور یہیں 18 فروری 1963ء کو 35 سال کی کم عمر میں آپ کا انتقال ہوگیا۔ کسی شاعر کا ایک شعر خراج عقیدت کے طور پر یہاں پیش کر رہا ہوں۔

یہ پھول اپنی لطافت کی داد پا نہ سکا
کھلا ضرور، مگر کھل کر مسکرا نہ سکا

(۶) سیّد شاہ طٰہٰ اشرف امتھوی:

آپ کا تعلق گاؤں امتھوا ضلع جہاں آباد سے ہے۔ آپ شاہ محی الدین صاحب رئیس امتھوا کے فرزند تھے۔ یہ خاندان دینی اور علمی اعتبار سے کافی بلند ہے۔

اس خاندان کے کئی علماء کا تعلق فتاویٰ عالمگیری سے ہے۔ شاہ طٰہٰ صاحب نے کسی اسکول و مدارس سے باضابطہ تعلیم تو حاصل نہیں کی مگر اس وقت کے علماء انہیں ہزار اصطلاحی عالم پر ہزار درجہ ترجیح دیا کرتے تھے۔ معارف، الاصلاح، مخزن وغیرہ دینی رسائل میں آپ کے مضامین شائع ہوا کرتے تھے۔ اور اس وقت یہ رسائل دینی اعتبار سے کافی مقبول تھے۔

یہ قاری کے ذہنی اصلاحی عمل کے لیے ایک معیار رکھتے تھے۔ ان کی زندگی کے مختلف پہلو ہیں- باشندگان امتھوا کے اصرار پر آپ مکھیا کے لیے بلا مقابلہ منتخب کیے گئے اور ایک لمبی مدت تک اپنے حلقے کی قیادت کی۔ 28 مارچ 1947 (بہار میں

فسادات) کو گاندھی جی امتھوا آئے اور سید شاہ طٰہٰ اشرف امتھوی سے ملاقات کی اور اس وقت کے ہندو مسلم فسادات پر تبادلہ خیال کیا۔ اور ساتھ ہی بگڑتے حالات پر اپنی تشویش کا اظہار کیا۔

سید شاہ طٰہٰ اشرف امتھوی بہ حیثیت شاعر ادبی حلقوں میں کافی مقبول تھے۔ عزیز عظیم آبادی ابن فضل حق آزاد عظیم آبادی آپ کے ہم زلف تھے۔ کاکو کی ادبی تحریک میں منتظمین نے آپ کو ہمیشہ یاد کیا۔ آپ ۱۵ر فروری ۱۹۸۵ کو انتقال کئے۔

(۷) شجر کاکوی:

جناب عبد المنان شجر کاکوی، کاکو کے رہنے والے تھے اور مولانا قدوس صاحب کے بڑے بھائی تھے۔ آپ ایک مشہور و معروف شاعر و ادیب تھے۔ آپ کی تخلیقات ندیم، گیا اور ساقی جیسے مشہور جریدوں میں اکثر شائع ہوتی تھیں۔ آپ حصول روزگار کیلئے مشرقی پاکستان، موجودہ بنگلہ دیش چلے گئے تھے۔ پھر واپس نہیں لوٹے۔

ایک بار کا واقعہ ہے کہ آپ ٹرین سے پٹنہ کا سفر کر رہے تھے۔ جیب سے کوئی کاغذ نکالنے پر آپ کی ٹکٹ کہیں گر گئی اور آپ کو اس بات کا علم نہیں ہوا۔ پلیٹ فارم پر جب گاڑی رکی تو آپ باہر نکلے کہ اچانک ٹی ٹی ای نے آپ سے ٹکٹ مانگ دی۔ جب آپ نے ٹکٹ نکالنے کے لیے ہاتھ جیب میں ڈالا تو ٹکٹ ندارد تھی۔ اس پر ٹی ٹی ای آپ کو پکڑ کر اپنے ساتھ ٹکٹ کلکٹر آفس لے گیا۔ اسی بیچ کاکو کے ایک صاحب کی نظر جناب شجر کاکوی پر پڑی تو انہوں نے ان سے ان کا حال دریافت کیا، اُس پر شجر کاکوی کچھ کہنے کے بجائے ایک شعر کہنا مناسب سمجھا۔ قارئین کی دلچسپی کے لیے وہ شعر نیچے درج کیے دیتا ہوں۔

یہ کہنا اہل کاکو سے جا کر مرے قاصد
منان شجر جیل میں دیوانہ پڑا ہے

(۸) ڈاکٹر پروفیسر اختر اورینوی:

ایک خوش فکر شاعر، معتدل اور صاحب نظر نقاد، بلند پایہ افسانہ نگار، اچھے اور منجھے ہوئے ناول نویس، نامور محقق، ہر دل عزیز استاد، ایک معاون و مددگار شوہر، بہترین دوست اور کثیر المطالعہ شخصیت کا نام اختر اورینوی ہے۔

1904ء میں سید وزارت حسین کی شادی رئیس کاکو مولوی عبدالعزیز شمسی کی اکلوتی بیٹی شمسہ خاتون عرف خدیجہ سے ہوئی اور یہیں اپنے ننیہال، شمسی بلڈنگ، کاکو میں اختر اورینوی 19 اگست 1910ء کو پیدا ہوئے۔ ننیہال میں آپ کی پرورش بے انتہا لاڈ و پیار سے ہوئی اور رسم بسم اللہ بھی یہیں ادا کی گئی۔ آپ کی بسم اللہ خوانی کی رسم آپ کے نانا مولوی عبدالعزیز شمسی کے سگے بھائی محمد یوسف حسین شمسی (فخر الدین محمد شمسی کے والد محترم) نے ادا کرائی۔

مگر کچھ ہی دنوں کے بعد آپ مستقل اپنی دادیہال اورین آ گئے اور باضابطہ آپ کا تعلیمی سلسلہ شروع ہو گیا۔ ہر چند کہ آپ کی پیدائش اور ایک حد تک پرورش کاکو میں ہوئی لیکن انہوں نے اپنے نام کے ساتھ کاکوی نہ لگا کر اورینوی لگایا اور اپنے گاؤں اورین وسابقہ ضلع مونگیر اور حالیہ ضلع لکھی سرائے کو اعتبار بخشا۔

اختر اورینوی مونگیر ضلع اسکول کے چوتھے درجے میں داخل ہوئے جب ان کی عمر محض 15 سال کی تھی کہ 1925ء میں والدہ شمسہ خاتون (راقم الحروف کی اپنی اکلوتی پھوپھی) کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ ان کا مزار مونگیر میں ہے۔

ماں کی رحلت کے غم نے معصوم اختر اورینوی کے دل پر بڑا گہرا اثر چھوڑا اس وقت وہ میٹرک کی تیاری میں لگے تھے۔ پھر بھی انہوں نے بہت حد تک خود کو سنبھالا اور 1926ء میں میٹرک کا امتحان فرسٹ ڈویزن سے پاس کیا۔ 1928ء میں پٹنہ کالج سے آئی. ایس. سی کا امتحان پاس کیا اور 1934ء میں فرسٹ ڈویژن سے انگریزی

آنرس میں بی.اے. کی ڈگری حاصل کی۔ اور پٹنہ میڈیکل کالج میں داخل ہو گئے۔ یہ ان کی ذہانت کا بہترین نمونہ تھا۔

آپ میڈیکل کے تھرڈ ائیر میں تھے کہ ٹی. بی. جیسے مہلک مرض کا حملہ ہوا اور علاج کے سلسلے میں رانچی کے سینےٹوریم (Sanatorium) میں داخل ہوئے جہاں سے کچھ مہینوں کے بعد رو بہ صحت ہو کر پٹنہ لوٹے تو ڈاکٹری کا شعبہ کہیں پیچھے چھوٹ گیا کیوں کہ انہیں تو کسی دوسرے میدان میں اپنے قابلیت کے جھنڈے گاڑنے تھے۔

اسی دوران تبدیلی آب و ہوا کے لئے اختر اورینوی اپنی چچا زاد بہن صالحہ بیگم منکوحہ سید شاہ محمد توحید صاحب کے یہاں ارول گئے، جہاں ان کی ملاقات شکیلہ توحید سے ہوئی جو خود تعلیم یافتہ اور شعر و ادب سے دلچسپی رکھنے والی ایک چلبلی دوشیزہ تھیں۔ طبیعت کی موافقت اور تفہیم شعر ادب نے دونوں کو ایک دوسرے کے بہت قریب کر دیا اور دونوں کا عشق پروان چڑھنے لگا۔ ان دونوں کے عشق کی داستان بھی کسی دیومالائی داستان سے کم دلچسپ نہیں، مگر یہاں اس دھواں دھار داستان عشق کی تفصیل میں جانے کی گنجائش نہیں۔ اس کے لئے ایک الگ الف لیلائی مضمون کی ضرورت ہے۔

غرض کہ 1933ء کو اس عشق کو دوام حاصل ہوا اور اختر اورینوی کی شکیلہ توحید سے شادی ہو گئی جو اردو ادب میں شکیلہ اختر کے نام سے مشہور ہوئیں۔ اور انہیں بہار کی پہلی خاتون افسانہ نگار ہونے کا شرف حاصل تھا۔

شادی کے محض ایک سال بعد 1934ء میں انگریزی آنرس کے امتحان کے دوران انہیں خون کی الٹی ہوئی، حالت بیحد نازک ہو گئی، اسی حالت میں انہیں ایک بار پھر سینےٹوریم، رانچی میں داخل کرایا گیا اور تقریباً ایک سال بعد 1935ء میں صحت یاب ہو کر پٹنہ لوٹے۔ اب ایک بار پھر ان کا تعلیمی سلسلہ منقطع ہو گیا تھا۔ مگر انہوں نے ہمت نہیں ہاری اور 1936ء میں پرائیویٹ طور پر پٹنہ کالج سے فرسٹ ڈویژن کے

ساتھ ایم اے کے امتحان میں کامیابی حاصل کی۔ پھر 1938ء میں پٹنہ کالج، پٹنہ میں لیکچرر کے عہدے پر فائز ہوئے۔

1956ء میں ''بہار میں اردو زبان و ادب کا ارتقا'' 1204ء تا 1857ء کے عنوان پر ایک تحقیقی مقالہ لکھ کر ڈی.لٹ کی ڈگری حاصل کی۔

آپ بہار میں یہ سند حاصل کرنے والے پہلے محقق تھے۔ 1960 میں ترقی پا کر پروفیسر ہوئے اور صدر شعبۂ اردو مقرر ہوئے۔ 1971 میں ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔

اختر اورینوی کے ادبی سفر کا آغاز 1927ء ہی میں ہو گیا تھا۔ اختر اورینوی جب ادب کی شاہراہوں پر چلے تو انہوں نے کبھی مڑ کر نہیں دیکھا۔ اختر اورینوی کا شمار اردو ادب کے ان ماہرین ادب میں ہوتا ہے جن کے بغیر عالمی اردو ادب کی فہرست مکمل نہیں ہو سکتی۔ ان کی افسانوی بساط چھ مجموعوں اور چھتر افسانوں تک پھیلی ہوئی ہے۔

نمونہ کلام:

تجھ کو معلوم ہے دل پر مرے کیا گذری ہے
وادیِ غم سے دعا آبلہ پا گذری ہے
تیرے کاکل کی مچلتی ہوئی یادوں کی قسم
آہ نکلی ہے ترے بن جو صبا گذری ہے
کوئی اختر کو بھلا دے گا تسلی ہم دم
زندگی اس کی خود اپنے سے خفا گذری ہے

نامور محقق اور تنقید نگار ڈاکٹر عبادت بریلوی نے اپنی کتاب اردو تنقید کا ارتقاء میں اختر اورینوی کی تنقید نگاری کے محاسن کو موضوع بحث بنایا ہے۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر اعجاز حسین بٹالوی، پروفیسر آل احمد سرور نے اختر اورینوی کے فن پر مضامین لکھے ہیں۔ ہندوستان کا مشہور ادبی رسالہ ساغر پٹنہ نے 516 صفحات پر مشتمل اختر اورینوی نمبر

جنوری 1965ء میں شائع کیا تھا جس میں آپ کے فن اور شخصیت پر نہایت بلند پایہ تحقیقی مضامین شامل کیے گئے۔

ٹی بی کے مہلک مرض سے ان کو کبھی مکمل افاقہ نہیں ہوا۔ ۱۹۷۲ء میں علاج کی غرض سے ایک بار امریکہ کا سفر بھی اختیار کیا۔ پھر واپس ہندوستان لوٹے۔

1975ء میں والد کا انتقال ہوا اور اس کے دو سال بعد 30 مارچ 1977ء کو اردو ادب کا یہ درخشندہ ستارہ موت کے ابر میں کھو گیا۔

(۹) قاضی عبدالودود:

آپ کی پیدائش 8 مئی 1896ء کو اپنے ننیہالی مکان قصبہ کاکو، ضلع جہان آباد، بہار میں ہوئی۔ آپ شاہ لطیف الرحمٰن عرف شاہ بھگو صاحب زمیندار کے نواسے تھے۔ ابتدائی درسی کتابیں گھر پر پڑھیں۔ کلام پاک بھی حفظ کیا اس کے بعد پرائیوٹ طور پر 1916ء میں میٹرک کا امتحان فرسٹ ڈویژن سے پاس کیا۔ 1918ء میں پٹنہ کالج سے فرسٹ ڈویژن کے ساتھ آئی اے کیا پھر یہیں سے 1920ء میں امتیازی نمبروں سے بی اے کی ڈگری حاصل کی۔ پھر 1923ء میں مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے انگلستان گئے۔ وہاں معاشیات میں اعلیٰ تعلیم کے بعد 1929ء میں بیرسٹری بھی پاس کی۔ ہندوستان واپس آنے کے بعد وکالت نہیں کی۔ ان کا تعلق ایک خوشحال گھرانے سے تھا۔ اس لیے روزگار کا کوئی مسئلہ نہ تھا۔

قاضی عبدالودود کی ادبی و تحقیقی زندگی کی ابتدا 1912ء، 1913ء میں ہوئی۔ آپ کو اردو میں تحقیق کا معلّم ثانی کہا جاتا ہے۔ آپ نے شیرانی صاحب کے بعد تحقیقی روایت کو نہ صرف تسلسل بخشا بلکہ تحقیق کے معیار کو بھی بلند کیا۔

قاضی عبدالودود پوری اردو دنیا کے لئے ایک باکمال محقق کے طور پر معروف ہیں۔ ایسا نہیں کہ ان کی نکتہ چینی کرنے والے عنقا ہیں۔ ان کی تعداد بھی خاصی ہے۔ لیکن سچ تو یہ ہے کہ تحقیق کا جو معیار انہوں نے قائم کیا اس کی دوسری مثالیں نہیں ملتی۔

بعضوں نے انہیں نکتہ چیں کہا ہے تو بعض انہیں منفی تنقید کا علمبردار بتاتے ہیں۔

سابق صدر جمہوریہ فخر الدین علی احمد کے کلاس فیلو اور گہرے دوست تھے۔ انگلینڈ میں ہی جواہر لال نہرو (وزیر اعظم ہند) سے بھی ان کی دوستی پروان چڑھی۔ ڈاکٹر خلیق انجم سابق صدر انجمن ترقی اردو ہند نے کہا تھا ''قاضی عبدالودود جیسے محقق پر اردو ادب جتنا بھی ناز کرے کم ہے۔ان کا مستقل قیام پٹنہ بھنور میں تھا۔ ان کے صاحبزادے قاضی مسعود ہیں۔انہوں نے اپنی رہائش گاہ کا ایک حصہ ملی فلاح کی خاطر پٹنہ کی مشہور شخصیت ڈاکٹر محبّ احمد کے حوالے کردیا۔ڈاکٹر محبّ احمد نے اس میں شاہ رشید اللہ انسٹی چیوٹ کے نام سے تکنیکی تعلیم کا ایک ادارہ قائم کرا دیا اور اس کی شاندار نئی عمارت بنوا دی۔قاضی عبدالودود آخری سانسوں تک شہرہ آفاق خدا بخش لائبریری کے گورننگ بورڈ کے ممبر بھی رہے۔

بیماری کی حالت میں 25 جنوری 1984ء کو پٹنہ، بہار میں انتقال فرمایا۔

(۱۰) پروفیسر مسلم عظیم آبادی:

اردو زبان و ادب کی دنیا میں آپ محتاج تعارف نہیں۔آپ کی پیدائش 1888ء میں شہر عظیم آباد میں ہوئی۔یہیں سے اسکول اور کالج کی تعلیم مکمل کی اور سینٹ کولمبس کالج، ہزاری باغ میں اردو کے پروفیسر کی حیثیت سے تدریس کے فرائض سرانجام دیئے اور وہیں سے سبکدوش بھی ہوئے۔آپ نے درجنوں کتابیں تصنیف کیں۔آپ کے انتقال کے بعد آپ کے درجنوں مقالات افسانے اور ڈرامے آپ کے صاحبزادے محمد اسلم نے مرتب کیے۔

محمد مسلم عظیم آبادی کی شادی رئیس کاکو جناب فخر الدین محمد شمسی کی منجھلی صاحبزادی کے ساتھ انجام پائی۔آپ نے کاکو میں ایک عالیشان مکان تعمیر کرایا اور وہیں مستقل سکونت اختیار کرلی۔5 فروری 1977ء کو کراچی، پاکستان میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

(۱۱) شکیلہ اختر زوجہ اختر اورینوی:

آپ رئیس ارول سید شاہ محمد توحید صاحب اور صالحہ بیگم کی سب سے بڑی صاحبزادی اور پروفیسر عزیز جاویدی کی بڑی بہن تھیں۔25 اگست 1919ء کو پام والا، محلّہ شاہ ٹولی، موجودہ ضلع ارول میں ایک ذی علم گھرانے میں پیدا ہوئیں جہاں ہمہ وقت علم و ادب پر گفتگو ہوتی رہتی تھی، جس کی چھاپ آپ کی شخصیت پر بھی پڑی اور گھریلو ماحول سے متاثر ہو کر افسانہ نگاری کی طرف مائل ہوئیں۔

ابتدائی تعلیم خالص اسلامی طریقے کے مطابق مولوی عبدالغفور صاحب کی نگرانی میں ہوئی تھی جو ان کے قرابت داروں میں تھے۔شکیلہ اختر کی ادبی زندگی کا آغاز 1936ء سے شروع ہوا جب ان کا پہلا افسانہ 'رحمت' لاہور سے شائع ہوا تھا اور 1937ء میں ان کے افسانوں کا پہلا مجموعہ 'درپن' مکتبہ اردو لاہور سے شائع ہوا۔ آنکھ مچولی، ڈائن، آگ اور پتھر ان کے مشہور افسانے ہیں۔ بہار اردو اکادمی اور اُتر پردیش اردو اکادمی نے آپ کی کئی کتابوں پر آپ کو انعامات سے نوازا تھا۔شکیلہ اختر کو بہار کی پہلی خاتون افسانہ نگار ہونے کا شرف حاصل ہے۔

آپ کی شادی 24 مئی 1933 کو اردو کے مشہور نقاد، محقق، ادیب، شاعر اور افسانہ نگار ڈاکٹر اختر اورینوی کے ساتھ ہوئی اور آپ کا انتقال 10 فروری 1994ء کو پٹنہ میں ہوا اور لاش قادیان لے جائی گئی جہاں بہشتی مقبرہ میں اختر اورینوی کے قریب مدفون ہوئیں۔

(۱۲) ڈاکٹر پروفیسر محسن عظیم آبادی:

جناب سید محمد محسن ایک بہترین معلم، ماہر نفسیات دانشور اور افسانہ نگار کی حیثیت سے طویل عرصے تک بہار کی ادبی و علمی دنیا کا ناگزیر حصہ رہے۔افسانہ نگاری کے ساتھ ساتھ مصوری، شاعری اور مضمون نگاری سے بھی انہیں خاصی دلچسپی تھی۔اردو

کے علاوہ انگریزی میں بھی ان کی متعدد تصانیف شائع ہوئیں جنہیں نفسیات کے علماء اور طلباء کے حلقوں میں قدر و منزلت حاصل ہوئی۔ ان کی بعض کتابیں آج بھی بہت سے اسکولوں اور کالجوں کے سلیبس میں شامل ہیں۔

سید محمد محسن 30 جولائی 1910ء کو اپنے نانیہالی مکان، شمسی بلڈنگ، کاکو (موجودہ ضلع جہان آباد) میں پیدا ہوئے تھے۔ آپ کے والد جناب سید محمد رشید، پٹنہ کے ایک ذی علم اور باوقار خانوادے سے تعلق رکھتے تھے۔

سید محمد محسن نے جہاں آباد سے میٹرک کیا اور مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے پٹنہ چلے آئے۔ 1944ء میں پٹنہ یونیورسٹی سے نفسیات میں ایم اے (گولڈ میڈل) کرنے کے بعد کچھ دنوں کے لیے عارضی طور پر پٹنہ کالج میں لکچرر کی حیثیت سے کام کیا پھر پی ایچ ڈی کے لئے اسکاٹ لینڈ چلے گئے اور 1948ء میں اڈنبرا یونیورسٹی سے علم نفسیات میں پی ایچ ڈی کرنیکے بعد واپس ہندستان آکر 1956ء میں ''ایجوکیشنل ووکیشنل گائڈنس بیورو" کے ڈائریکٹر مقرر ہوئے۔ 1960ء سے پٹنہ یونیورسٹی میں بحیثیت پروفیسر اور صدر شعبہ نفسیات رہے۔

ان کے مرتب کردہ بعض نفسیاتی پیمانے بھی نفسیات کے نصاب کا حصہ ہیں۔ اوران کے بعض شاگرد اس میدان میں اپنی انفرادی شخصیت قائم کر چکے ہیں۔ گویا سید محمد محسن بنیادی طور پر ایک ماہر نفسیات ہیں مگر اردو ادب سے ان کا رشتہ فکشن، شاعری اور مضمون نگاری کے وسیلے سے قائم ہے۔ انکا ایک افسانہ ''انوکھی مسکراہٹ'' نہ صرف یہ کہ اردو میں اپنی نوعیت کا پہلا افسانہ تھا بلکہ آج بھی اس کی سحر انگیزی دلوں سے محو نہیں ہوتی۔ اس میں ایک ایسی لڑکی کا کردار ابھارا گیا ہے جو کسی کی بھی موت پر (یہاں تک کہ اپنے عزیزوں کی موت پر بھی غم زدہ ہونے کی جگہ مسرور ہوتی ہے۔ مگر بظاہر اب نارمل لگنے والی اس لڑکی کو نفسیاتی تجزیے کی روشنی میں اب نارمل کہنا بھی دشوار محسوس ہوتا ہے۔ دراصل یہی وہ نفسیات بنی ہے جو پروفیسر محسن کے افسانوں کی روح ہے۔

ریٹائرمنٹ کے بعد ایک عرصے تک پٹنہ کے اپنے مکان "دارالامان"، بانکی پور (جامن گلی) میں مقیم رہے۔ 2 مارچ 1999ء کو علاج کے دوران دہلی میں آپ کا انتقال ہو گیا۔

(۱۳) حسن امام شمسی:

حسن امام شمسی کاکوی ریلوے میں انجینیئر تھے۔ اچھے شاعر تھے اور صاحب دیوان بھی تھے۔ افکار شمسی کے نام سے ان کا دیوان شائع ہوا۔ خاکسار کے پاس اس کی ایک کاپی محفوظ ہے۔ دوسری کاپی عطا کاکوی کی گھریلو لائبریری میں تھی۔

(۱۴) پروفیسر فضل امام پالی (کاکو):

جناب پروفیسر میر فضل امام فردوسی کا آبائی وطن کاکو سے متصل علی نگر پالی ہے۔ وہ بچپن سے ہی اپنی خالہ زاد بہن کے یہاں آیا کرتے تھے۔ کاکو کے بزرگان دین کے ماحول سے وابستہ تھے۔ احمد شمسی کاکو کے داماد تھے۔ عربی فارسی اور اردو میں ایم.اے. کی ڈگری لے کر پورنیہ کالج میں شعبہ اردو فارسی کے صدر کی حیثیت سے فائز رہے۔ اردو فارسی اور انگریزی کے شاعر بھی تھے۔ بچپن سے آخر عمر تک کاکو سے وابستہ رہے۔

(۱۵) ڈاکٹر وہاب اشرفی:

ان کی شخصیت بڑی پہلودار و تہ دار تھی۔ وہ بیک وقت ناقد، محقق، مؤرخ، مبصر، افسانہ نگار، شاعر، صحافی، دانشور، قلمکار، فنکار، فکشن نگار اور سوانح نگار تھے۔ 2 جون 1936ء کو بی بی پور' کاکو' ضلع جہان آباد میں پیدا ہوئے۔

وہاب اشرفی کی ابتدائی اور دینی تعلیم ان کے آبائی گاؤں کاکو میں مولوی یعقوب صاحب کی نگرانی میں ہوئی اس کے بعد کاکو مڈل اسکول میں کچھ عرصہ تک تعلیم کا سلسلہ رہا، پھر ڈھاکہ چلے گئے اور وہیں سے 1951ء میں میٹرک پاس کیا۔ میٹرک

پاس کرنے کے بعد کلکتہ لوٹے اور سیٹی کالج سے 1954ء میں انٹر اور پھر 1956ء میں سنٹرل کالج، کلکتہ سے بی۔اے۔آنرز میں امتیازی نمبروں سے کامیابی حاصل کی۔ 1962ء میں بہار یونیورسٹی سے اردو میں ماسٹر کی ڈگری حاصل کی اور کچھ دنوں بہار یونیورسٹی میں Leave Vacancy پر عارضی طور سے بحیثیت لکچرر کام کیا۔

جولائی 1976ء سے مارچ 1994ء تک رانچی یونیورسٹی میں صدر شعبۂ اردو کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ 1994ء میں بہار اسٹیٹ یونیورسٹی سروس کمیشن کے چیرمین رہے۔ 1998ء میں مدت کار ختم ہونے کے بعد بہار انٹرمیڈیٹ ایجوکیشن کانسل کے چیرمین ہوئے جہاں سے 2002ء میں سبکدوش ہونے کے بعد تحقیق وتصنیف کے کاموں میں مشغول رہے۔

وہاب اشرفی اپنے مخصوص تنقیدی نظریات وتصورات کی وجہ سے اردو تنقید میں بلند مقام رکھتے ہیں۔انھوں نے نہ صرف اپنے شعور وفکر کا گہرا، مربوط اور مستحکم نقش چھوڑا ہے بلکہ اپنی علمی وتنقیدی صلاحیت کا بھرپور مظاہرہ بھی کیا۔ساتھ ہی اپنے اندر موجود تنقید کی فطری صلاحیت کو مغربی اصول ونظریات کے عمیق مطالعے سے بامِ عروج تک پہنچایا۔

وہاب اشرفی کو ان کی مشہور کتاب ''تاریخ ادب اردو'' پر ساہتیہ اکاڈمی کا پروقار ایوارڈ بھی مل چکا ہے۔ان کے قلم سے تقریباً دو درجن کتابیں شائع ہو چکی ہیں جس کے ذریعے اردو تحقیق وتنقید میں گراں قدر اضافہ ہوا ہے۔

موصوف کے بیش بہا کارنامے ان کی یاد کو نہ صرف تازہ کرتے رہیں گے بلکہ نئی نسل کے لیے مشعلِ راہ بنے رہیں گے۔

(۱۶) سید شاہ ظفر کاکوی:

جناب پروفیسر شاہ ظفر کاکوی کا آبائی وطن کاکو تھا۔وہ کلکتہ میں انگریزی کے پروفیسر تھے۔سبک دوش ہونے کے بعد کاکو چلے آئے۔وہ ایک اچھے استاد ہونے کے

ساتھ ساتھ اچھے شاعر بھی تھے۔وہ ملک ٹولہ بنگلہ کے مشاعرے میں شریک ہوئے تھے۔

(۱۷) سید شاہ قمر کاکوی:

شاہ قمر کاکوی کا وطن کاکو تھا۔وہ پروفیسر ظفر کاکوی کے چھوٹے بھائی تھے۔ انہیں شعر وشاعری سے لگاؤ تھا۔بڑے اچھے اشعار کہتے تھے۔

(۱۸) عبدالقیوم بیتاب کاکوی:

عبدالقیوم کاکوی کا وطن کاکو تھا۔وہ ماسٹر دلاور صاحب مڈل اسکول کے فرزند تھے۔تلاش معاش کے لئے کم عمری ہی میں پٹنہ چلے گئے اور پھلواری شریف میں سکونت پذیر ہوئے۔وہ ایک استاد شاعر تھے۔اچھا کلام کہتے تھے۔ان کے کلام میں جاذبیت تھی۔اکثر مشاعروں میں شریک ہوتے تھے۔خاکسار کی ملاقات پھلواری شریف کے ایک مشاعرے میں ان سے ہوئی تھی۔کاکو میں بہت کم لوگ ان کو جانتے ہیں۔

(۱۹) ظفر رضوی کاکوی:

جناب ظفر رضوی کاکوی کی پیدائش اپنی نانیہال موضع کابر ضلع گیا میں 15 جنوری 1939ء کو ہوئی۔آپ کا اصل نام سید ظفر امام رضوی اور تاریخی نام محمد ظفر امام ہے۔آپ کے والد مولانا سید موسیٰ رضا ابن منشی سید حیدر رضا ایک جید عالم و فاضل تھے۔خانقاہ کبیریہ، سہسرام کے مدرسہ میں عرصہ تک مدرس دوم کے عہدے پر فائز رہے اور یہیں وفات پائی۔والد کی وجہ سے ظفر کاکوی بھی سہسرام ہی میں سکونت اختیار کرلی اور یہیں سے تعلیم پائی۔فکرِ معاش لاحق ہوئی تو 1959ء میں رجسٹریشن آفس میں کلرکی پر مامور ہوئے۔

خود ظفر رضوی کاکوی لکھتے ہیں کہ ''نسب نامہ اور خاندانی حالات کی زیادہ واقفیت تو نہیں لیکن کاکو کے شریف اور زمین دار خانوادہ سے تعلق رکھتا ہوں۔

ظفر رضوی کاکوی کو شروع سے شاعرانہ صحبت ملی مگر اس فن کی شروعات

1956ء سے ہوئی۔ ادبی سرگرمیوں میں حصہ لیا اور نو جوانی میں شاعر مشاق کہلانے
لگے۔ظفر کاکوی نے غزلیں زیادہ کہیں اگر چہ دوسرے اصناف سخن میں بھی ان کا کلام
ملتا ہے۔ظفر رضوی کاکوی کا انتقال 2005ءکو سہسرام میں ہوا۔

(۲۰) پروفیسر معین الدین دردائی:

معین الدین دردائی ابن حکیم سراج الدین، موضع سرتھوا، اسلام پور، نالندہ
میں پیدا ہوئے۔آپ کے نام کے ساتھ 'دردائی' کا جو لفظ ہے وہ مشہور صحابی حضرت
ابوؓدردائی کی طرف نسبت ہے۔قصبہ کاکو سے آپ کا گہرا تعلق ہے آپ کے بڑے
بھائی جہانگیر اشرف اور چھوٹے بھائی کی شادی کاکو میں ہی ہوئی تھی بلکہ آپ کی ایک
ہمشیرہ بھی کاکو کی شمسی فیملی میں بیاہی گئی تھیں۔ بڑے بھائی نے شادی کے بعد کاکو میں
ہی سکونت اختیار کر لی تھی اس لیے آپ کا بیشتر وقت کاکو میں گزرا ہے۔

تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ نے کئی کالجوں میں درس و تدریس کے فرائض
انجام دیئے۔قیام پاکستان کے بعد 1948ء میں مشرقی پاکستان (اب بنگلہ دیش) کے
ایڈورڈ ڈگری کالج میں صدر شعبۂ اردو ہوئے اور ہمیشہ علمی و تحقیقی کاموں میں مصروف
رہے۔ بہار اور اردو شاعری، ہندستان کی قومی زبان اور رسم الخط، جلوے، تاریخ سلسلہ
فردوسیہ آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔

قاضی عبدالودود، احسن مارہروی اور مولوی عبدالحق جیسے مشاہیر نے آپ کی
پذیرائی کی تھی۔کراچی، پاکستان میں 4 اپریل 1979ء کو وفات پائی۔

(۲۱) مظفر الدین دردائی:

مظفر دردائی کا تعلق کاکو سے بہت پرانا تھا۔۱۹۵۲ میں وہ کچھ دنوں کے لئے
کاکو ہائی اسکول میں ٹیچر کی حیثیت سے رہے تھے۔کم عمری سے ہی کاکو میں ان کا آنا جانا
تھا۔آپ کی پہلی شادی کاکو میں ہوئی اور آپ کے بڑے بھائی جہانگیر اشرف اور ایک

بہن باندی کی شادی بھی کاکو میں ہوئی تھی۔ بڑے بھائی نے شادی کے بعد کاکو میں ہی
سکونت اختیار کر لی۔آپ ایک اچھے شاعر و ادیب تھے۔اور استاد شاعر کا درجہ رکھتے
تھے۔کاکو کے مشاعرے میں آپ کی شرکت ہمیشہ رہتی تھی۔اٹل بہاری باجپئی کے زمانہ
اقتدار میں دہلی کے مشاعرے میں اپنا سکہ جمایا تھا۔ان کی سکونت اسلام پور میں رہی۔

(۲۲) سیّد احمد محی الدین احمق گیاوی:

جناب احمد محی الدین احمق گیاوی کا آبائی وطن امتھوا شریف تھا۔آپ شاہ طٰہٰ
امتھوا شریف کے فرزند تھے۔تعلیمی سلسلہ کاکو مڈل اسکول سے شروع ہوا تھا۔انہوں
نے علی گڑھ سے بی۔اے تک تعلیم حاصل کی تھی۔کاکو سے ان کا بچپن سے ہی تعلق رہا
ہے۔خاکسار کے ہم زلف تھے۔وہ ادیب اور شاعر دونوں تھے۔ان کے مضامین
طنزیہ ہوا کرتے تھے اور شعر و شاعری میں بھی وہ مزاحیہ کلام لکھتے تھے۔انہوں نے ملک
ٹولہ بنگلہ پر کے مشاعرے میں اپنا کلام پڑھا تھا۔اس کے بعد ان کی زندگی نے وفانہ
کی۔۳۱ مئی ۱۹۸۳ کو انتقال ہوا اور پھلواری شریف میں سپرد خاک ہوئے۔

(۲۳) علامہ فضل حق آزاد:

جناب علامہ فضل حق آزاد کا آبائی وطن کاکو سے متصل اشاہو بیگھ تھا۔وہ
زمیندار گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔کاکو کی پرانی مجلسوں میں وہ کھٹولی سے کاکو آیا
کرتے تھے۔زیادہ تر فخر الدین شمسی اور شیخ عبدالرحمٰن کے یہاں آیا کرتے تھے۔وہ
اس علاقہ کے پہلے آدمی تھے جن کو علامہ کا خطاب ملا تھا۔وہ استاد شاعر تھے اور بہت
سے شعرا ان سے اصلاح لیا کرتے تھے۔وہ شاد عظیم آبادی کے ہم عصر تھے اور برصغیر
میں ان کو نمایاں مقام حاصل تھا۔ان کی تصانیف ادبی حلقوں میں نمایاں مقام رکھتی
تھیں۔شاد عظیم آبادی سے ادبی معاملات میں ان کی چشمک رہا کرتی تھی۔

(۲۴) علامہ اسرار جامعی:

طنز و مزاح کے بے باک شاعر علامہ اسرار جامعی کا تعلق کاکو سے متصل شاہو بیگھہ ضلع جہان آباد سے تھا۔ سبزی باغ، پٹنہ میں اولڈ کافی ہاؤس کے نام سے آپ کی رہائش گاہ مشہور تھی۔ مگر کافی سالوں سے جامعہ نگر، اوکھلا میں سکونت اختیار کر لی تھی۔

اسرار جامعی نے جامعہ ملیہ سے تعلیم حاصل کی تھی اور راقم الحروف کے جامعہ میں کلاس فیلو رہ چکے تھے۔ شاعر اعظم ان کا پہلا مجموعہ کلام ہے جو 1996 میں شائع ہوا تھا۔ آپ نے پوسٹ مارٹم اور چٹنی کے نام سے اخبار کی اشاعت بھی کی تھی۔ کاکو کے مشاعرے میں آپ کی شرکت اکثر ہوتی۔ 3 اپریل 2020ء کو دہلی کے اوکھلا میں داعی اجل کو لبیک کہا اور وہیں مدفون ہوئے۔

(۲۵) عزیز عظیم آبادی:

جناب عزیز الحق عزیز عظیم آبادی کا آبائی وطن کاکو سے متصل شاہو بیگھہ تھا۔ وہ علامہ فضل حق آزاد کے فرزند تھے۔ کاکو سے ان کا تعلق بہت پرانا تھا۔ والد کے ساتھ بچپن میں شعری نشست میں اکثر شرکت کرتے تھے۔ برِّصغیر میں آپ کو ہندوستان کا خیام کہا جاتا تھا۔ آپ کے انتقال کے بعد آپ کی رباعیات کا مجموعہ آتش نم اور سیل آتش کی اشاعت آپ کے فرزند جناب فضل محمد نے انجام دیا تھا۔ آپ شاہ طٰہٰ اشرف استھوی کے ہم زلف تھے۔

(۲۶) پروفیسر اختر قادری:

جناب پروفیسر اختر قادری گیا ضلع کے باشندہ تھے۔ ان کی اسکول کی تعلیم کاکو میں ہوئی۔ والد نے بچپن ہی میں اسحاق صاحب ہیڈ ماسٹر مڈل اسکول کاکو کے پاس پڑھنے کے لئے بھیجا تھا۔ وہ ماسٹر اسحاق صاحب کے کوارٹر میں ہی رہتے تھے۔ انہیں کاکو سے قلبی لگاؤ تھا۔ وہ بہار یونیورسٹی میں شعبۂ اُردو کے صدر ہوئے۔ وہ ایک اچھے شاعر اور ادیب تھے۔

(۲۷) نظر عالم نظر:

جناب نظر عالم نظر کا آبائی وطن ملک ٹولہ کاکو تھا۔ گاندھی جی کے کہنے پر ۱۹۲۰ء میں انہوں نے اپنا تعلیمی سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔ اہل کاکو نے مہاجن کا خطاب دیا، اس لئے وہ نظر و مہاجن کہلائے۔ انہیں شعر و شاعری سے بھی شغف تھا۔ انہوں نے ملک ٹولہ کے مشاعرے میں کلام سنایا تھا۔ ۱۹۶۷ کے قحط میں کام کرنے والوں کے ساتھ تھے۔

(۲۸) پروفیسر عبدالمنان بیدل عظیم آبادی:

جناب پروفیسر عبدالمنان بیدل کا آبائی گھر 'بیدل منزل' رمنہ روڈ پٹنہ میں تھا۔ سگی خالہ کی وجہ سے بچپن سے ہی کاکو میں ان کا آنا جانا رہا۔ عزیز شمسی ان کے سگے خالو تھے کاکو کا ادبی ماحول ان کو راس آیا۔ وہ طویل عرصہ تک کاکو کے ادبی ماحول سے منسلک رہے۔ ہندوستان کے مشہور شاعر، ادیب اور استاد تھے۔ وہ صدر شعبۂ اردو پٹنہ یونیورسٹی رہے۔ ان کی کتابیں ادبی دنیا میں شہرت حاصل کر چکی ہیں۔ ان کا انتقال ان کے آبائی مکان پٹنہ میں ہوا۔

(۲۹) ایوب رضا نشتر کاکوی:

جناب ایوب رضا نشتر کاکوی شمسی ہاؤس کاکو میں پیدا ہوئے۔ کاکو ہائی اسکول سے میٹرک کیا۔ جہان آباد ایس ایس کالج سے بی اے آنرس کیا۔ ماسٹر کے عہدے پر فائز ہوئے۔ ان میں اردو ادب کی خداداد صلاحیت موجود تھی۔ وہ شاعر تھے۔ انہوں نے کسی سے اصلاح نہیں لی۔ ان میں نظامت کی بھی اچھی صلاحیت موجود تھی۔ وہ کاکو اور جہان آباد کے مشاعروں میں اچھی نظامت کیا کرتے تھے۔ وہ نظامت کے فن سے خوب واقف تھے۔ اچھے اشعار کہتے تھے۔ ترنم بھی بہت عمدہ تھا۔ مشاعروں میں خوب داد وصول کرتے تھے۔ اردو ہندی ساہتیہ سنگم میں جنرل سکریٹری کے عہدے پر بھی فائز رہے۔ زندگی وفا نہ کر سکی۔ جوان العمری میں ہی موت کو گلے لگا لیا۔

(۳۰) سید خورشید عالم کاکوی:

جناب سید خورشید عالم کاکوی مولانا سمیع کے بھانجے ہیں آپ کی پیدائش کاکو نانیہال میں ہوئی۔ آپ کی ابتدائی تعلیم کاکو میں ہوئی۔ آپ کے والد کی پٹنہ میں تجارت تھی اس لئے آپ اپنے والد صاحب کے ساتھ پٹنہ صادق پور لین میں مقیم رہے۔ آپ نے کالج کی تعلیم پٹنہ سے مکمل کی۔ آپ ایک اچھے شاعر ہونے کے علاوہ ایک اچھے ادیب اور انشائیہ نگار تھے۔ آپ بہت سی کتابوں کے خالق تھے۔

۱۔ ''شبّر امام کی نثر نگاری'' ۲۔ ''عطاء اللہ پالوی ایک نقیب'' ۳۔ ''میرا وطن میری قوم'' ۴۔ ''پہلی غلطی'' وغیرہ وغیرہ۔

آپ کی زندگی وفا نہ کر سکی ۵۰/سال کی عمر میں آپ کا انتقال فروری 2017ء میں پٹنہ میں ہوگیا۔ ''انّ للّٰہ وانّا الیّہ راجعون''۔

(۳۱) منظر کاکوی:

جناب منظر کاکوی کی پیدائش شاہ ٹولی، داناپور، پٹنہ میں 17 رمضان المبارک 1906ء کو ہوئی۔ آپ کا نام عبدالرحمٰن اور تاریخی نام منظر اقبال ہے مگر اپنے عرفی نام مسعود الرحمٰن سے متعارف ہوئے۔ آپ اپنے والد حکیم سید شاہ سعید احمد کاکوی کے بڑے صاحبزادہ تھے۔ شروع سے کم سخن اور غریب پرور رہے۔ کبھی کسی شئے کی تمنا ظاہر نہ کرتے۔ سادگی پسند زندگی اختیار کرتے۔ نام و نمود، عیش و عشرت سے کوسوں دور رہے۔ مدرسہ نعمانیہ حنفیہ، داناپور سے تفسیر و حدیث کی تعلیم لی۔ آپ کو بیعت و خلافت اپنے نانا شاہ نظیر حسن ابوالعُلائی داناپوری سے تھی۔ مزید تعلیم باطنی اور سلوک کی تکمیل حضرت شاہ اکبر داناپوری کے صاحبزادے اور خانقاہ سجادیہ ابوالعلائیہ، داناپور کے سجادہ نشیں حضرت شاہ محسن داناپوری سے کی۔ منظر کاکوی شروع سے حضرت شاہ محسن داناپوری کی صحبت میں رہے اس لئے شعر و سخن سے بہت جلد وابستہ ہوگئے۔ اچھے اشعار کہنے پر قادر تھے۔ برابر شعری محافل میں حصہ بھی لیا کرتے تھے۔ آپ کا شمار حضرت

شاہ محسن داناپوری کے شاگردوں میں نمایاں طور پر ہوتا ہے۔ منظر کاکوی کی زندگی نے وفا نہ کی اور 1942ء کو کاکو میں رحلت فرما گئے۔

(۳۲) کمال عظیم آبادی:

جناب کمال عظیم آبادی، عظیم آباد (پٹنہ) کے رئیس اعظم سید شاہ مبارک حسین مبارک عظیم آبادی کے فرزند ارجمند تھے۔ آپ کا اصل نام محی الدین احمد تھا اور آبائی وطن کاکو ضلع جہان آباد ہے۔ آپ کی پیدائش 5 جمادی الاول 1290ھ میں لودی کٹرہ، پٹنہ سٹی میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے پرنانا کے زیر نگرانی پٹنہ میں ہوئی۔ عالم شباب میں مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی سے بیعت ہوئے اور اجازت و خلافت بھی پائی، مولانا فضل رحمٰن کو کمال پر بے حد ناز تھا اور وہ کہا کرتے تھے کہ یہ میرا کمال ہے۔

کمال عظیم آبادی کو شاعری کا شوق شروع سے تھا، شعر و سخن سے گہری دلچسپی رہی، اپنے والد شاہ مبارک حسین کے استاد وحید الٰہ آبادی سے شرف تلمذ حاصل کیا اور پھر باضابطہ طور پر شعر کہنے لگے۔ کولکاتا کے مشاعروں میں بھی شرکت کرتے تھے۔

کمال عظیم آبادی کا دیوان بھی مرتب تھا مگر طبع نہ ہوسکا اور برباد ہوگیا۔

کمال عظیم آبادی بڑے فراخ دل اور عیش و عشرت کی زندگی گزارنے والے فرد تھے، ان کے پاس مال و دولت کی کوئی کمی نہیں تھی، انہیں انگریزوں نے خان بہادر کا خطاب بھی دیا تھا، نفیس سے نفیس شئے ان کے گھر کی زینت ہوا کرتی تھی، کمال عظیم آبادی نے بڑے کروفر اور نام و نمود کے ساتھ زندگی گزاری، آخر میں صوم و صلوٰۃ کے پابند ہوئے اور خلوت نشین ہوئے۔

انہیں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی پیر جگجوت اور جد امجد حضرت شاہ تبارک حسین کاکوی سے خاصی نسبت تھی، ان کے عرس کا اہتمام آپ شان و شوکت سے کیا کرتے تھے، حضرت مخدومہ بی بی کمال کا آستانہ کاکو کئی مرتبہ مرمت بھی کرا چکے تھے۔ کمال عظیم آبادی کا انتقال 14 ذیقعدہ 1335ھ موافق 1917ء کو اپنے مکان

لودی کٹرہ میں ہوا اور حضرت پیر جگجوت کے آستانہ میں مدفون ہوئے۔

(۳۳) حسنین عظیم آبادی:

جناب سید محمد حسنین عظیم آبادی کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ کی پیدائش 02 اکتوبر 1925ء کو اپنے نانیہال، شمسی بلڈنگ، کاکو، ضلع جہان آباد کے ایک معزز خاندان میں ہوئی۔ فخر الدین شمسی (شمسی صاحب) رئیس کاکو آپ کے اپنے ماموں تھے۔

کاکو وہ سرزمین اور دبستان شعر و ادب ہے جہاں اردو کے نامور ادیب، دانشور، افسانہ نگار، ناقد اور محقق پیدا ہوئے۔ آپ اردو کے مشہور و معروف انشائیہ نگار، خاکہ نویس، افسانہ نگار، ڈراما نویس، سوانح نگار، محقق اور تنقید نگار تھے۔ آپ کا اصل نام سید محمد حسنین اور قلمی نام حسنین عظیم آبادی تھا۔ آپ کے والد جناب سید محمد رشید کا شمار پٹنہ کی عظیم شخصیتوں میں ہوتا تھا۔ حسنین عظیم آبادی کی تعلیم و تربیت علمی و ادبی ماحول میں ہوئی۔ راجہ رام موہن رائے سیمنٹری اسکول پٹنہ سے 1930ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ 1966ء میں پٹنہ کالج سے بی اے اور پھر پٹنہ یونیورسٹی سے 1946ء میں ایم اے (اردو) پاس کیا۔ اس کے بعد 1956ء میں یونیورسٹی آف بہار سے پی ایچ. ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ صوبہ بہار کے اردو ادب میں پہلے پی ایچ. ڈی ہولڈر ہیں۔ 1947ء میں لنگٹ سنگھ کالج مظفر پور میں اردو کے لکچرر مقرر ہوئے پھر 1948ء میں ایس ایس کالج اورنگ آباد میں درس و تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ 1968ء میں مگدھ یونیورسٹی کے صدر شعبۂ اردو بنے۔

آپ جب تک صدر شعبۂ اردو رہے پوری محنت، لگن اور دلجمعی کے ساتھ شعبہ کا کام کرتے رہے۔ 1975ء میں ملازمت سے سبکدوش ہونے کے باوجود لکھنے پڑھنے اور علمی و ادبی کاموں سے تادم حیات شغف رہا۔ آپ کو بچپن ہی سے لکھنے پڑھنے کا شوق تھا۔ دس بارہ سال کی عمر ہی سے بچوں کے لیے ماہنامہ ''غنچہ'' اور ماہنامہ

''پھول'' میں لکھنے لگے۔

حسنین عظیم آبادی بہار میں اردو انشائیہ نگاری کے سرتاج سمجھے جاتے ہیں۔ انہوں نے نہ صرف انشائیے لکھے ہیں بلکہ صنف انشائیہ پر جو کام کیا ہے اس کی مثال نہیں ملتی ہے۔ آپ کا انشائیہ ''ہیرو'' بہت مشہور و مقبول انشائیہ ہے۔ یہ کئی یونیورسٹیوں کے نصاب میں بھی شامل رہا ہے۔ اس کے ذریعہ انہوں نے ایسے نااہل نوجوان جو اپنے آپ کو سب سے اہم اور اعلیٰ سمجھتے ہیں، جو بڑے بزرگوں کو بھی خاطر میں نہیں لاتے ہیں پر ایسی چوٹ کی ہے کہ وہ اپنی اصلاح کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

مختصر یہ کہ حسنین عظیم آبادی کے انشائیے ہر لحاظ سے فن کی کسوٹی پر کھرے اترتے ہیں۔ اردو انشائیہ نگاری میں ان کے انشائیے اہم مقام رکھتے ہیں۔ انہوں نے کم ہی انشائیے لکھے لیکن انہیں شہرت کی بلندی پر پہنچانے کے لیے یہی انشائیے کافی ہیں۔

حسنین عظیم آبادی کے انشائیوں میں طنز و مزاح کی بہت بڑی اہمیت ہے۔ انہوں نے اپنے انشائیوں میں طنز و مزاح کا بہتر استعمال کیا ہے۔ مزاح پیدا کرنے کے لیے انہوں نے واقعات اور لطائف کا سہارا اس طرح لیا ہے کہ پڑھنے والا مسکرائے بغیر نہیں رہ سکتا ہے۔ آپ کے سینکڑوں شاگرد ملک کی مختلف یونیورسٹیوں، کالجوں اور دوسرے شعبوں میں اپنی اہلیت کا ثبوت پیش کر رہے ہیں۔ آپ مختلف اعزازات و انعامات سے نوازے جا چکے ہیں۔ ساہتیہ اکادمی نئی دہلی نے 1999ء میں ان پر انگریزی میں ایک مونوگراف شائع کیا تھا۔

ڈاکٹر پروفیسر سید محمد حسنین نے 10 اکتوبر 1999ء کو اپنی بڑی بیٹی رفعت نجمی کے یہاں اسلام آباد (پاکستان) میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔



گورنر بہار کی آمد

21 ستمبر 2009 میں کائنات انٹرنیشنل اسکول کے ڈائرکٹر جناب شکیل احمد کاکوی نے عیدالاضحیٰ کے موقع پر ایک ہیلتھ میلہ کا انعقاد کیا تھا۔ مہمان خصوصی کی حیثیت سے گورنر بہار آنجہانی دیوآنند کنور نے شرکت کی اور انھیں کے ہاتھوں میلہ کا افتتاح انجام پایا۔

شکیل احمد کاکوی نے انسان اسکول کے ڈائریکٹر، پدم شری ڈاکٹر سید حسن، راقم الحروف الما لطیف شمسی، جناب ظفر اللہ پالوی، جناب پروفیسر عقیل احمد ملک، کو بطور خاس مدعو کیا تھا۔ گورنر بہار دیوانند کنور نے ڈاکٹر سید حسن صاحب، انسان اسکول، کشن گنج کو ایک شال پیش کیا تھا۔ اس موقع پر اسکول کے بچوں نے رنگا رنگ کلچرل پروگرام پیش کئے۔

گورنر بہار نے اپنی تقریر میں کائنات اسکول کے بچوں اور ساتھ ہی اسکول کے ڈائرکٹر جناب شکیل احمد کاکوی کی بھرپور ستائش کی تھی۔ انھوں نے مزید کہا کہ ایڈمنسٹریشن کی طرف سے اپنی جانچ رپورٹ میں، حفاظت کے پیش نظر مجھے کاکو جانے سے منع کیا گیا تھا مگر میں نے اس بات کی پرواہ نہیں کی اور کہا کہ میں کاکو ضرور جاؤں گا اور اگر پیدل بھی جانے کی ضرورت آن پڑی تو جاؤں گا۔ گورنر موصوف کا یہ جملہ باشندگان کاکو کے لئے ایک توصیفی سند کی حیثیت رکھتا ہے۔

پروگرام کے آخر میں جناب شکیل احمد کاکوی نے آئے مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔ اس موقع پر کیمرے میں قید کی گئی ایک تصویر قارئین کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔



صوفی مہوتسو اور وزیراعلیٰ بہار کی آمد

عظیم صوفی بزرگ حضرت بی بی کمال روح کا سالانہ عرس ہر سال ستمبر ماہ میں بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔ محکمہ سیاحت نے حضرت بی بی کمال کے سالانہ عرس کے موقع پر 20 ستمبر 2011ء کو پہلی دفعہ صوفی مہوتسو (فیسٹیول) کا انعقاد کیا تھا جو اب تک ہوتا چلا آرہا ہے۔ اس موقع پر محکمے سیاحت کی طرف سے بڑے پیمانے پر تیاریاں کی جاتی ہیں۔ بی بی کمال کے مقبرے سے لے کر تقریب کے مقام کو (مڈل اسکول کا میدان) پرکشش انداز سے سجایا جاتا ہے۔ مقبرے پر رنگ برنگے بلب لگائے جاتے ہیں، جبکہ مڈل اسکول کے میدان میں 40/50 کا عظیم الشان اسٹیج بنتا ہے۔ کاکو اور اطراف کے عوام کے بیٹھنے کے لیے واٹر پروف پنڈال بھی تیار کیا جاتا ہے اور پنڈال کی جگہ کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ایک طرف خواتین بیٹھتی ہیں تو دوسری طرف مردوں کے بیٹھنے کا انتظام ہوتا ہے۔ اور اسٹیج کے قریب پہلی لائن ہمیشہ مہمان خصوصی کے لیے مخصوص ہوتی ہے۔ ضلع انتظامیہ کی طرف سے پولیس عملے کو پروگرام میں چوکسی برتنے کے لیے تعینات کیا جاتا ہے تاکہ تقریب کے دوران کوئی ناخوشگوار واقعہ رونما نہ ہو پائے۔

اس سے پہلے مہمان خصوصی اور درگاہ کمیٹی کے ارکان مشترکہ طور پر حضرت بی بی کمال کے مزار پر عقیدت کے پھول نچھاور کرتے ہیں اس کے بعد مغرب کی نماز کے بعد صوفی مہتسو شروع ہوتا ہے

مہمان خصوصی کی حیثیت سے وزیراعلیٰ نتیش کمار نے سال 2011 کے صوفی مہوتسو میں شرکت کی تھی اور پروگرام کے آخر تک موجود رہ کر صوفیانہ کلام سے خوب لطف اندوز ہوئے تھے۔ اس موقع پر مشہور گلوکارہ کویتا سیٹھ کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔

کاکو کے لوگ پہلی بار کویتا سیٹھ کو سن رہے تھے۔ کاکو کی عوام کے ساتھ ساتھ وزیر اعلی نتیش کمار بھی صوفیانہ کلام پر تالیاں بجانے سے خود کو نہیں روک پا رہے تھے۔

جناب جیتن رام مانجھی نے بھی بحیثیت وزیر اعلی 2014 کے صوفی مہوتسو میں مہمانان خصوصی کی حیثیت سے شرکت کی تھی اور درگاہ کمیٹی کے ارکان کے ساتھ حضرت بی بی کمال کے مزار اقدس پر گلپوشی بھی کی تھی پھر پروگرام سے لطف اندوز ہوئے۔ وزیر اعلیٰ کے ساتھ وزیر سیاحت پروفیسر جاوید اختر انصاری، وزیر صنعت بھیم سنگھ، کاکو کے ایم اے راہل کمار بھی موجود تھے اس موقع پر مشہور گلوکارہ سلمیٰ آغا، کامیڈین احسان قریشی، ارشاد علی اور کمال خان جیسے قابل قدر فنکاروں نے بھی شرکت کی تھی۔ راقم الحروف کے اصرار پر سلمیٰ آغا نے 'دمادم مست قلندر' کا ایسا جادو چلایا جس سے پورا ماحول صوفیانہ ہو گیا اور لوگ جھوم اٹھے۔ اس کے علاوہ سلمیٰ اغا نے بہت سارے صوفیانہ کلام پیش کیے جسے کاکو کے لوگوں نے بے حد پسند فرمایا۔ 2021ء سے لے کر اب تک اسی انداز میں حضرت بی بی کمالؒ کو عقیدت کا خراج پیش کیا جاتا ہے۔

واضح رہے کہ کورونا جیسی مہلک وبا کے پیش نظر سال 2020 اور 2021 کا صوفی مہوتسو کا انعقاد نہ ہو سکا البتہ کاکو درگاہ کمیٹی اور ضلع انتظامیہ نے مشترکہ طور پر بی بی کمالؒ کے مزار پر چادر پوشی کی رسم ادا کی تھی۔



شمسی صاحب کی کوآپریٹو سوسائٹی

مکھی پالن اور کپڑا گھر

فخر الدین شمسی صاحب اپنے وقت کے جدت پسند انسان کہلاتے تھے۔ کچھ نہ کچھ نئی چیزیں ایجاد کرتے رہتے تھے۔ ۱۹۳۷ میں عبوری حکومت کے وجود میں آنے کے بعد ۱۹۳۸ میں کوآپریٹو طریقہ پر انہوں نے کھیتی کی۔ اس وقت کے چند زمینداروں سے کھیت لے کر خود کاشت کی۔ کچھ کھیتوں میں گنا لگایا۔ اپنی زمین پر کولسار لگا کر گڑ بنواتے تھے۔ خود بھی کولسار کے پاس پی کیپ لگا کر بیٹھے رہتے تھے۔ بیل کولسار میں گھومتا رہتا تھا۔ جب گڑ تیار ہو جاتا تھا تب ایک پاؤ کی چکی، آدھا سیر کی چکی، ایک سیر کی چکی بنتی تھی۔ ایک پاؤ گڑ کی چکی کی قیمت ایک آنہ یعنی چھ پیسہ ہوتی تھی آدھ کیلو گڑ کی چکی کی قیمت دو آنہ یعنی بارہ پیسہ اور ایک کلو گڑ کی چکی کی قیمت چار آنہ یعنی پچیس پیسہ ہوتی تھی۔ یہ تھی اس وقت گڑ کی قیمت۔ میٹھا کنواں سے متصل شمسی صاحب کا کولسار تھا۔ فصل کٹ جانے کے بعد زمینداروں کو بانٹ کر غلہ دے دیا جاتا تھا۔ اسی طرح گڑ بھی بیچ کر تمام لوگوں کو اس کی قیمت دے دی جاتی تھی۔

شمسی صاحب نے اپنی بیٹی کے مکان میں ہاتھ سے کپڑا بننے کا کارخانہ کھولا تھا۔ یہ مکان کاٹیج کے نام سے جانا جاتا تھا۔ آزادی سے پہلے اس کارخانہ میں کھادی کی چادریں، کھادی کے کپڑوں کے تھان بنائے جاتے تھے۔ شاید اختر ضمیری مرحوم اس کارخانہ کے انچارج تھے۔ اس دور میں شمسی صاحب نے شہد کی مکھی پالن کا بھی کارخانہ کھولا تھا۔ شہد نکالنے کے بعد اکٹھا کیا جاتا تھا اور بوتل میں پیک کر کے فروخت کیا جاتا تھا اس زمانہ میں دیپ نرائن سنگھ کوآپریٹو وزیر تھے۔ وہ برابر شمسی صاحب کے پاس آیا کرتے

تھے۔ دیپ بابو کہا کرتے تھے کہ کوآپریٹو وزیر میں ہوں لیکن کوآپریٹو کیسے چلائی جاتی ہے، یہ میں فخر الدین شمسی سے سیکھنے کاکو آتا ہوں۔ یہ تھی فخر الدین شمسی کی شخصیت۔ شمسی صاحب کی ایک اور جدت کا ذکر کرتا ہوں۔ سنہ ۳۸ یا ۳۹ میں شہروں میں بھی بہت کم گھروں میں ریڈیو تھے۔ اس وقت شمسی صاحب بڑا مارکونی ریڈیو کاکو میں لایا جب کہ کاکو میں اس وقت ریڈیو کا کوئی تصور ہی نہ تھا۔ شمسی صاحب نے ریڈیو اپنے گھر پر نہ رکھ کر کاٹج میں رکھا اور دو لاؤڈ اسپیکر کاٹج کی چھت پر نصب کر دیئے تا کہ ۸/ بجے رات والی نیوز تمام بستی میں سنی جا سکے۔ شام کے بعد کچھ لوگ وہاں آ کر بیٹھا کرتے تھے۔ خبریں سننے کے لئے ثناء الرحمٰن (پاکستان) عرف سونا بھائی پٹنہ سے ریڈیو بجانا سیکھ کر آئے تھے۔ اور انہیں کو یہ مجاز حاصل تھا کہ وقت مقررہ پر آ کر ریڈیو کھول کر نیوز لگا دیں تا کہ وہاں پر بیٹھنے والے اور پوری بستی کے لوگ نیوز سن سکیں۔



کاکو کی راتیں

پپیہاس کا منظر شبِ ماہ میں

(مسلم عظیم آبادی)

پروفیسر مسلم عظیم آبادی محلّہ صادق پور پٹنہ کے رہنے والے تھے اور فخر الدین شمسی صاحب کے داماد تھے۔ آپ نے کاکو میں اپنی شادی کے بعد اپنے سُسر کے مکان کے قریب ہی اپنا مکان بنوا کر سکونت اختیار کر لی تھی۔ آپ نے کاکو کی خوش نما راتوں کی تصویر کشی اس طرح سے کی ہے:

ہے جوئے کاکو نیرنگ ہستی — ظالم کی دیکھو یہ شوخ دستی
آغوش میں ہے بستی کی بستی — منہ پر تبسم چالوں میں مستی
شامیں سہانی خاموش راتیں
کاکو کی اف کیف بردوش راتیں

فارغ ہوئیں جب گاؤں کی پریاں — پہروں نہا دھو کر نیم عریاں
آیا نہانے مہر درخشاں — اک غوطے میں تھا آنکھوں سے پنہاں
شامیں سہانی خاموش راتیں
کاکو کی اُف کیف بردوش راتیں

ہے فرش زریں میدان طفلاں — کرنوں سے کھیلا موجوں نے چوگاں
ابلق بطوں کی صف پا بجولاں — گھر کو چلی ہے شاداں و فرحاں
شامیں سہانی خاموش راتیں
کاکو کی اُف کیف بردوش راتیں

مغرب میں پانی وہ ارغوانی — مشرق پہ پھرتا چاندی کا پانی
وہ دھان ساحل پر دھانی دھانی — کیا دل ستاں ہیں شامیں سہانی

شامیں سہانی خاموش راتیں
کاکو کی اُف کیف بردوش راتیں

جھانکا قمر نے قصر فلک سے — چمکی وہ برقی فانوس بھگ سے
نور سحر ہے جس کی چمک سے — پیدا تجلی ہے خشت تک سے

شامیں سہانی خاموش راتیں
کاکو کی اُف کیف بردوش راتیں

پانی ہے ہموار ساکن منور — گویا بچھی ہے چاندی کی چادر
ہے عکس ماہ آب پرنور گستر — اک چاند نیچے اک چاند اوپر

شامیں سہانی خاموش راتیں
کاکو کی اُف کیف بردوش راتیں

شفاف چادر کیسی تنی ہے — فرش زمیں سے نپ کر بنی ہے
یہ پنہیاس کیا اک دشت انجنی ہے، — ہے موجۂ مے یا چاندنی ہے

رشک ضحیٰ ہیں کاکو کی راتیں
کیا جانے کیا ہیں کاکو کی راتیں

اس کے سکوں سے دل کو سکوں ہے — حرکت سے پیدا شور جنوں ہے
لہروں میں یارب کیسا فسوں ہے — جو چاند تھا اب سیمیں ستوں ہے

مستی فزا ہیں کاکو کی راتیں
کیا جانے کیا ہیں کاکو کی راتیں

اٹھی ہوا کچھ اب ہلکی ہلکی — لہروں سے چادر ہے سمٹی سمٹی
وہ ابھری پانی سے ایک ماہی — لینے بلائیں ماہ مبیں کی

کیا دل ربا ہیں کاکو کی راتیں
کیا جانے کیا ہیں کاکو کی راتیں

اپنی ہلالی کشتی ہے جاری — یا چاند کی چرخ پر ہے سواری
یاران ہم رنگ کی ہم کناری — یہ ساغر مہہ یہ بادہ خواری

کیا دل کشا ہیں کاکو کی راتیں
کیا جانے کیا ہیں کاکو کی راتیں

ہے فرش زریں میدان طفلاں — کرنوں سے کھیلا موجوں نے چوگاں
ابلق بطوں کی صف پا بجولاں — گھر کو چلی ہے شاداں و فرحاں

کیا کیف زا ہیں کاکو کی راتیں
کیا جانے کیا ہیں کاکو کی راتیں

اک ماہ سیما کا روئے روشن — آب بلوریں پر عکس افگن
ہے چار چاندوں کا یعنی خرمن — کیوں کر نہ چھوٹیں تمکیں کا دامن

صبر آزما ہیں کاکو کی راتیں
کیا جانے کیا ہیں کاکو کی راتیں



منقبت

حضرت بی بی کمالؒ

(طارق محی الدین شرمیلاؔ)

بے قراری میں پکارا حضرت بی بی کمال
غم کے ماروں کا سہارا حضرت بی بی کمال

آپ کی ان برکتوں سے فیض پا جائیں گے ہم
آپ کر دیں گر اشارہ حضرت بی بی کمال

وصف سے بکھرے پڑے ہیں وقت کے اوراق بھی
ہر صحیفہ ہر شمارہ حضرت بی بی کمال

ہر قدم پر جب لعیں کو امتحاں مقصود تھا
کر دیا سب پارہ پارہ حضرت بی بی کمال

وہ کرامت چوہے بلی کی بہت مشہور ہے
جی اٹھے جب وہ دوبارہ حضرت بی بی کمال

آپ کی زہد و عبادت پر خدا فرمائے گا
باغ جنت ہے تمہارا حضرت بی بی کمال

محترم لنگر زمیں ہیں آپ کے شوہر مراد
غم کے ماروں کا سہارا حضرت بی بی کمال

آپ کی شہزادی دولت آپ کے پہلو میں ہیں
یہ جگر ہیں دل کا پارہ حضرت بی بی کمال

آپ کی دولت کہیں جائے تو پھر تحقیر ہو
یہ نہ تھا ہرگز گوارا حضرت بی بی کمال

ہر مریض ناتواں کے واسطے ہے در کھلا
ہے نفع بس ، نا خسارہ حضرت بی بی کمال

آپ تو ہیں باکمال دختر جگ جوت پیر
ہے تصوف آشکارا حضرت بی بی کمال

اس کمال آباد کی بھی خاک رکھتی ہے شفا
کتنی بگڑی کو سنوارا حضرت بی بی کمال

آپ کی مدحت سے طارقؔ کے گنہ دھل جائیں گے
کیسے ہوگا پھر گزارا حضرت بی بی کمال



پدم شری ڈاکٹر سید احتشام حسنین:

آپ ہندوستان کے معروف سائنس داں، سائنسی مشیر، اردو کے شیدائی اور انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی دہلی میں حیاتیات کے پروفیسر ہیں۔ پروفیسر ڈاکٹر سید احتشام حسنین کی پیدائش 13 اپریل 1954ء کو شہر گیا میں ہوئی۔ آپ جناب پروفیسر سید محمد حسنین مرحوم کے دوسرے نمبر کے صاحبزادے ہیں۔ پروفیسر سید محمد حسنین راقم الحروف کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ ڈاکٹر حسنین کی اسکولی تعلیم ناز رتھ اکیڈمی، گیا سے ہوئی۔ مگدھ یونیورسٹی سے گریجویشن کیا پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے دہلی چلے گئے۔ 1980ء میں جواہر لعل نہرو یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی اور پھر 1981ء میں پوسٹ ڈاکٹریٹ کے لیے امریکا کی ٹیکساس اے اینڈ ایم یونیورسٹی گئے اور وہاں 1981 - 1987 تک رہنے کے بعد سنہ 1987ء میں ہندوستان واپس آئے۔ یہاں نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف امیونالجی میں اسٹاف سائنٹسٹ کے طور پر 1987-2001ء تک فرائض کو انجام دیا۔ اسی بیچ فروری 1999ء میں انہیں سینٹر فار ڈی.این.اے. فنگر پرنٹنگ اینڈ ڈائیگ ناسٹکس، حیدرآباد کا ڈائریکٹر مقرر کیا گیا۔ واضح رہے کہ ڈاکٹر حسنین نے ہی اس سینٹر کا قیام عمل میں لایا تھا اور انہیں سی. ڈی. ایف. ڈی. کا فاؤنڈر ڈائریکٹر بھی کہا جاتا ہے۔ سنہ 2005ء سے 2011ء تک وہ حیدرآباد سینٹرل یونیورسٹی کے ساتویں وائس چانسلر بھی رہے۔ اسی بیچ 29 مارچ 2006ء کو انہیں سائنسی خدمات کے اعتراف میں صدر جمہوریہ ہند، ڈاکٹر اے پی جے عبدالکلام کے ہاتھوں پدم شری ایوارڈ سے سرفراز کیا گیا تھا۔ اس کے بعد انہیں ایک بار پھر 2 ستمبر سنہ 2016ء کو جامعہ ہمدرد، نئی دہلی کا وائس چانسلر مقرر کیا گیا۔ سن

کاکو کے درخشندہ ستارے

2020ء میں انہوں نے وائس چانسلر کے عہدے سے استعفیٰ دے دیا تھا۔ابھی وہ لیکچرر کی حیثیت سے اپنی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

آپ کی شادی جناب ظفر صاحب، گیا کی صاحبزادی ڈاکٹر نسرین سے انجام پائی جس سے 2 لڑکیاں پہلی فلزہ اور دوسری شیجا ہیں۔ڈاکٹر حسنین کو ان کی سائنسی خدمات کے اعتراف میں ہندوستان اور ہندوستان سے باہر معتدد گراں قدر ایوارڈ سے نوازا گیا ہے۔جگہ کی کمی کے باعث چند ہی ایوارڈ کا ذکر کر پا رہا ہوں۔

1. Padma Shri Award from the President of India in 2006
2. Humboldt Research Award 2008) The Alexander Von Humboldt Foundation, Germany
3. Shri Om Prakash Bhasin Award for Science & Technology
4. G.D.Birla Award for Scientific Research,K.K. Birla Foundation,2001
5. Ranbaxy Research Award for Basic Medical Sciences 1997
6. Golden Jubilee Biotechnology Fellowship Award Department of Biotechnology, Government of India,
7. Shanti Swarup Bhatnagar Prize for Science and Technology in Biological Sciences1995

   The Order of Merit, Germany's highest Civilian Award, the only Indians so far and one of the very few persons globaly.



شبیع عارفین شمسی:

کاکو کی سرزمین سے کئی درخشندہ ستارے ابھرے ہیں جنہوں نے مختلف شعبوں میں اپنی صلاحیت کا مظاہرہ کیا ہے۔ میں نے اس کتاب میں ان شخصیات پر کسی حد تک روشنی بھی ڈالی ہے۔ میں ایسے افراد کے کارنامے کو صرف اس لئے محفوظ کرر ہا ہوں کہ آنے والی نسل کے لئے یہ افراد مشعل راہ ثابت ہو سکتے ہیں۔

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ ہر کامیابی کا راز محنت میں ہی پوشیدہ ہے اور جو محنت کرتا ہے وہ ہی کامیاب ہوتا ہے کیونکہ محنت ہی عظمت ہے اور بغیر محنت کے کوئی چیز حاصل نہیں ہوسکتی ہے اس لئے محنت کو تمام کامیابیوں کی کنجی کہا جاتا ہے۔ مذکورہ باتیں شبیع شمسی جیسی شخصیت کے لیے فٹ بیٹھتی ہے۔

آپ کا دادیہال کاکو ہے۔آپ عارف شمسی صاحب کے سب سے چھوٹے صاحبزادے ہیں۔کاکو کے مقامی لوگ عارف شمسی سے باخوبی واقف ہیں۔

اس وقت شبیع شمسی کی شخصیت بھی کاکو سے تعلق رکھنے والے افراد میں ایک اہم شخصیت ہے۔آپ انہیں ہر اعتبار سے کامیاب و کامران کہہ سکتے ہیں۔ ہرفن مولا ہر میدان میں کامیاب انسان، زندگی کے کسی بھی شعبہ جات سے تعلق رکھنے والا کوئی بھی فرد ہو خواہ سماجی، سیاسی، حکومتی، انتظامیہ سے یا علم وادب سے اس کا رشتہ ہو وہ شبیع شمسی سے باخوبی واقف ہے۔ایک وجیہ شخص جہاں لباس فاخرہ میں بھی اس کی محنت، کامیابی کی دلیل انداز واطوار سے جھلکتی ہے۔آپ نے اپنے خاندانی نام ونمود کو اپنی کامیابی کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ اپنی راہ خود بنائی ہے۔بہترین انتظامیہ اور سماجی کارکن کی

حیثیت سے ریاست بہار ہی نہیں بیرون ملک میں بھی شبیع شمسی کی ایک الگ پہچان ہے۔آپ مرزا غالب کالج گیا کے موجودہ سکریٹری ہیں۔مرزا غالب کالج اقلیت کا وہ واحد ادارہ ہے جہاں سترہ ہزار طلباء و طالبات تعلیم پا رہے ہیں۔ یہاں یہ بات لائق تحسین ہے کے جب سے آپ نے کالج کے سیکریٹری کا عہدہ سنبھالا ہے، کالج میں کئی خوشنما تبدیلی دکھائی دے رہی ہے۔ کالج میں ڈسپلن اور سبھی اساتذہ کی موجودگی سے تعلیمی ماحول بہتر سے بہتر ہو رہا ہے۔

ایک فعال سماجی کارکن کے طور پر آپ انہیں ہر محفل، مجالس، انتظامیہ کمیٹی میں موجود پائیں گے۔ وزیر اعلیٰ بہار اور ڈائریکٹر جنرل آف پولیس نے انھیں فعال اور متحرک شہری کے ایوارڈ سے سرفراز کیا ہے۔ وزیر اعلیٰ بہار کے ہاتھوں بہترین شہری کا ایوارڈ بھی لگاتار تین سال ملتا رہا ہے۔ محکمہ پولس میں بھی آپ کی اچھی رسائی ہے۔ انسانی فلاح و بہبود کے لئے پولس اور سول دونوں محکمے سے آپ کو ہمیشہ یاد کیا جاتا ہے اور آپ اکثر اپنے مشورے سے انہیں مستفیض بھی کرتے ہیں۔

بیرونِ ملک میں بھی شبیع شمسی کی ایک الگ شناخت ہے۔ میں مضمون کی طوالت کی وجہہ سے خاص خاص موقعوں کا ذکر کر رہا ہوں تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

تھائی لینڈ کے بادشاہ مسٹر بھومیبھول ادولیادیج نے گوتم بودھ کی سرزمین پر مذہبی ہم آہنگی کی فضا قائم کرنے میں جناب شبیع شمسی کی کوششوں کو تسلیم کرتے ہوئے تھائی لینڈ کے دورے کے دوران انہیں ایک شاہی گولڈ کوئین سے نوازا تھا۔ تھائی لینڈ میں صرف 50 سونے کے سکے ہی بنائے گئے تھے جو دنیا بھر کے معزز افراد کو دیئے گئے تھے۔ ہندوستان ٹائمز نے اس خبر کو اپنے پہلے صفحہ پر جگہ دی تھی۔

جناب شبیع شمسی نے مالدیپ کے صدر مامون عبدالقیوم کی خاص دعوت پر مالدیپ میں جا کر اُن سے ملاقات کی تھی۔ اسی طرح سے تھائی لینڈ کے وزیر اعظم جناب تھکسن شیناواترا اور وزیر اعظم مس یونگلوک کے بلاوے پر تھائی لینڈ کا سفر کیا تھا

اور ان دونوں سے ملاقات کی تھی۔

جناب شبیع شمسی کو کولکاتہ کے ایک پر وقار تقریب میں ’معمار قوم‘ کا ایوارڈ جسٹس سردار جسویندر سنگھ کے ہاتھوں عطا کیا گیا تھا۔اسی طرح برنوال پراپرٹیز پرائیویٹ لمیٹڈ نے بھی گیا کے گاندھی میدان میں ایک تقریب میں انہیں ’مگدھ رتن‘ ایوارڈ اور توصیفی سند سے نوازا تھا۔

جناب شبیع شمسی نے بہار کے گورنر پھاگو چوہان سے بھی گورنر ہاؤس جا کر ملاقات کی اور تعلیم کے گرتے معیار پر تبادلہ خیال کیا۔ سابق گورنر بہار اخلاق الرحمٰن قدوائی اور سابق گورنر جناب لال جی ٹنڈن سے بھی انھیں ملاقات کا شرف حاصل ہے۔

تھائی لینڈ کے راجہ نے بودھ گیا کے مہابودھی مندر اور کمیونٹی سینٹر کے لیے جناب شبیع شمسی کو مشیر اور سرپرست بنایا ہے۔ بودھ گیا کی اپنی تاریخ میں پہلی بار کسی مسلمان کو مندر کا مشیر اور سرپرست مقرر کیا گیا ہے۔



شکیل احمد کاکوی:

جناب شکیل احمد کاکوی ابن جمیل احمد ملک، کاکو میں پیدا ہوئے، بنیادی تعلیم اور مکتب حافظ قسیم صاحب اور حافظ منان صاحب جیسے بزرگوں سے حاصل کیا۔ اپنے دادا جناب علی رضا ملک کی تربیت میں پرائمری اسکول کی شروعات چندوا بلاک، جھارکھنڈ میں کیا اور پھر کاکو مڈل سکول میں ہیڈ ماسٹر جناب علاء الدین صاحب کی نگرانی میں انگریزی کی تعلیم حاصل کی۔ اردو اور فارسی کی تعلیم شاہ ظفر صاحب، ماسٹر یعقوب صاحب، ڈاکٹر احیاء صاحب اور احمد امام صاحب کی نگرانی میں حاصل کی، کاکو ہائی اسکول میں ڈاکٹر ظفر اللہ پالوی، ماسٹر نثار احمد اور ماسٹر یوسف صاحب سے سائنس کی تعلیم حاصل کی اور اپنے اسکول کو سائنسی نمائش میں قومی سطح پر پہنچایا۔

شکیل احمد کاکوی نے اپنے کیریئر کی شروعات انسان اسکول کشن گنج سے ایک سائینس کے اُستاد کی حیثیت سے کیا۔ سائنس کے فروغ کے لیے سائنس اور کائنات لیباریٹری کا قیام کیا، اس کام کے لیے شکیل احمد کاکوی کو نہرو ایوارڈ (برائے سائنس فروغ) سے نوازا گیا تھا۔ انسان اسکول کے قلیل مدتی قیام کے بعد جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کا رخ کیا اور جامعہ مڈل سکول میں جناب خالد سیف اللہ صاحب کی نگرانی میں سائنس کے اُستاد اور نائب عطالیقِ مقرر ہوئے۔ بچوں میں سائنسی دلچسپی پیدا کرنے کے عوض انھیں ایوارڈ سے سرفراز کیا گیا۔

شکیل احمد کاکوی نے ڈاکٹر اس. زیڈ. قاسم، انٹارٹیکا ٹیم لیڈر آف انڈیا، وائس چانسلر، جامعہ ملیہ اسلامیہ، ڈاکٹر ایس. ایچ. اے. عابدی، ڈائریکٹر اوشن گرافی اور

پروفیسر یشپال کی نگرانی میں سائنس جتھا کی شروعات، سائنس نمائش کا انعقاد اور ڈاکٹر ذاکر حسین، سابق صدر جموریہ ہند کے یوم پیدائش کو ''یوم طالب علم'' کے طور پر منایا۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی میں ماس کمیونیکیشن سینٹر فور بائیو سائنس میں کام کرتے ہوئے بی. ایڈ. کی ڈگری بھی حاصل کر لی اور پھر ایم. ای. ایس. اسکول، دوحہ (قطر) میں سائنس کے استاد اور کوآرڈینیٹر برائے سائنس اور ماحولیاتی امور مقرر ہوئے اور UNEP میں قطر کی نمائندگی کی اور کانفرنس برائے سائنسی، ماحولیاتی اور تعلیمی مشن کے لئے اب تک تقریباً 22 ملکوں کا دورہ کر چکے ہیں۔

شکیل احمد کاکوی نے کائنات انٹرنیشنل کے نام سے سال 1999 میں شمسی بلڈنگ کے احاطے میں ایک اسکول کا قیام عمل میں لایا۔ اور اس کے کچھ ہی سالوں کے بعد اس اسکول کو اپنی بلڈنگ میں منتقل کر دیا۔ جناب شکیل کاکوی کی کاوشوں سے اس اسکول کو سی. بی. ایس. ای سے افیلئیشن بھی حاصل ہے۔

جناب شکیل کاکوی، سماجی، سیاسی، معاشی اور تعلیمی بدحالی سے قوم کو باہر نکالنے کی جدو جہد کر رہے ہیں تاکہ کاکو کے خمیر کا حق ادا کر سکیں۔ بقول شکیل احمد کاکوی، ان کی اس کامیاب زندگی میں ان کی والدہ محترمہ کی تربیت کا بہت اہم رول رہا ہے۔ راقم سے بھی شکیل احمد کاکوی کے گہرے مراسم ہیں۔



یادِ رفتگانِ کاکو

حکیم جناب سید محفوظ سراج:

آپ کی پیدائش قصبہ کاکو، ضلع جہان آباد میں 1972ء میں ہوئی۔ آپ جناب سید شاہ سراج الدین مرحوم کاکو کے صاحبزادے ہیں۔ آپ کی ابتدائی تعلیم محترمہ امینہ استانی، کی نجی درس گاہ کاکو میں ہوئی اور پھر آپ نے اردو گرلس اسکول، کاکو سے عصری تعلیم کی شروعات کی یہ سلسلہ دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ تک چلا۔ وہاں سے 1993 میں فارغ ہونے کے بعد علیگڑھ مسلم یونیورسٹی سے طب کی ڈگری حاصل کی پھر ڈاکٹر ان۔ ٹی۔ آر۔ یونیورسٹی آف ہیلتھ سائنسز، آندھرا پردیش سے ایم۔ ڈی یونانی کی ڈگری لی۔ بہار میں میڈیکل آفیسر کی حیثیت سے بحال ہوئے۔ آپ آج کل گورنمنٹ طبی کالج، پٹنہ میں ریڈر ہیں۔ واضح رہے کہ پہلے طبی کالج کو طبیہ کالج کے نام سے جانا جاتا تھا۔

انڈین کانسل فور کلچرل ریلیشنز، نئی دہلی کے زیرِ اہتمام SAARC Countries کے باشندگان کے لیے سال 1996-1995 میں ایک تحریری مقابلہ منعقد ہوا تھا جس کا عنوان تھا مولانا آزاد ''تصور دین''۔ اس تحریری مقابلے میں جناب محفوظ سراج کے مقالے کو کافی پسند کیا گیا تھا تحقیق اتنی عمدہ تھی کہ آپ مقابلے میں دوسرے نمبر پر کامیاب رہے۔ اور انہیں 11 نومبر 1997ء کو تقسیم انعامات کی ایک پروقار تقریب میں 20 ہزار روپے نقد اور ایک توصیفی سند سے نوازا گیا تھا۔ یہ کاکو کے لیے بڑی فخر کی بات ہے کہ جناب محفوظ سراج نے SAARC Countries میں ہندوستان اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے قصبہ کاکو کا نام روشن کیا۔

جناب محفوظ سراج نے ''کتاب الطب'' جو فارسی میں حکیم محمد غالب خان نے لکھی تھی اُسکا اردو ترجمہ کیا ہے اور یہ کتاب حیدرآباد سے شائع ہوئی ہے۔ اس سے انہیں کافی پزیرائی حاصل ہوئی تھی۔ انہوں نے 1999 میں علی گڑھ سے الحبیب کے نام سے ایک رسالہ کی اشاعت بھی کی تھی جسے اہل علیگ نے بہت سراہا۔



مولوی عبدالوہاب شمسی:

آپ کی پیدائش قصبہ کاکو میں 1836 میں ہوئی۔ اعلیٰ تعلیم کیلئے کلکتہ گئے تھے اور وہاں سے وکالت کی ڈگری حاصل کی اور واپس آکر شہر گیا میں وکالت شروع کر دی۔ منصف کے عہدے پر فائض ہو کر 1862 میں بہار کے پہلے مسلم جج مقرر ہوئے تھے۔ آپ کے پاس کافی زمین و جائیداد تھی۔ وہاب صاحب کے لیے یہ کہاوت سینہ بہ سینہ چلی آرہی ہے۔

"جہاں جہاں پانی کا سوت، وہاں وہاں مولوی عبدالوہاب کی جوت۔"

آپ 5 محرم 1292 کو انتقال کئے۔ آپ کی مزار کاکو میں شمس روضہ کے احاطے میں پئیہاس کنارے ہے۔



یوسف حسین شمسی:

آپ کاکو میں بڑے جدت پسند کہلائے۔ آپ کی تعلیم ہندوستان سے باہر ہوئی اس وقت کاکو میں تعلیم کا کوئی بہتر انتظام نہیں تھا۔ آپ سر سید احمد خان سے ملاقات کے بعد کاکو واپس لوٹے اور اپنے بنگلہ، شمسی ہاؤس میں 1888ء میں ایک اسکول کی بنیاد ڈالی پھر 1892ء میں اس اسکول کے لیے ایک الگ سے زمین خریدی گئی اور ایک عمارت تعمیر کر کے اس اسکول کو وہاں منتقل کر دیا گیا۔ یہ اسکول آج بھی وہیں پر قائم ہے اور کاکو مڈل اسکول کہلاتا ہے۔ تعمیری کاموں میں آپ کے چھوٹے بھائی مولوی عبدالعزیز شمسی ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے۔

مولوی یوسف حسین شمسی ابن مولوی عبدالوہاب شمسی نے 1212 میں کاکو میں صوبہ بہار کا پہلا اردو پریس اپنے چھوٹے بھائی مولوی عبدالعزیز شمسی کے ساتھ مل کر قائم کیا تھا۔ اس پریس میں اردو کا پہلا اخبار کحل البصر نکلا اس طرح سے فارسی کی ایک کتاب مکتوبات ابوالعلا بھی شائع ہوئی تھی۔



مولوی عبدالعزیز شمسی:

کوئی بھی انسان دنیا میں زندگی گزارتے ہوئے نہ صرف خود خوشحال اور بحال رہے بلکہ دنیا میں بسنے والے انسانوں کو بھی خوشحال اور بحال رکھنے کی کوشش کرے۔ اس مرحلہ میں دعویدار تو بے شمار مل جاتے ہیں لیکن عملی طور پر اقدامات کرنے والوں کی تعداد ہمیشہ سے ہی کم رہی ہے کیونکہ انسان ہمیشہ خود کو صاف ستھرا اور دوسروں

کو بے بس اور مجبور سمجھنے کا طریقہ اختیار کرتا ہے۔ ایسے طریقوں سے بھی خدا کی ذات ناخوش ہوتی ہے۔ لیکن انسان کی اپنی سوچ اور اپنے عمل کرنے کے طریقوں کو دنیا کی کوئی بھی طاقت روک نہیں سکتی۔ حتیٰ کہ مذہب اور عقائد کے علاوہ اخلاق وتہذیب کے شائستہ انداز بھی انسان کی کج روی کو دور نہیں کر سکتے۔ خدا بزرگ و برتر نے ہر قوم، ہر ملت اور ہر فرقے میں ہمہ اقسام کے انسانوں کو پیدا کیا ہے جو اپنے اپنے کاموں میں مصروف رہ کر دوسروں کی خدمت گزاری کے دعویدار ہوتے ہیں، لیکن بندوں کی حقیقی خدمت کرنے والوں کی تعداد میں ہمیشہ کمی واقع ہوتی رہی ہے۔

اس پس منظر میں اگر قصبہ کاکو کی تہذیب اور مذہبی رکھ رکھاؤ کو ساتھ لے کر چلنے والی کسی شخصیت کا نام لیا جائے تو بلاشبہ مولوی سید عبدالعزیز شمسی کی شخصیت کو یہ اعزاز دیا جا سکتا ہے کہ وہ نہ صرف اپنی ذات کو خدا کی خوشنودی کے لئے مصروف رکھتے تھے، بلکہ خدا کے بندوں کو بھی خوشی سے وابستہ کرنے کی تمام تدابیر اختیار کرتے رہتے تھے۔

مولوی سید عبدالعزیز شمسی نے کاکو کی ترویج وترقی میں بہت اہم رول ادا کیا ہے۔ آپ بڑے جدت پسند اور اولوالعزم شخص تھے۔ آپ نے اپنے بڑے بھائی کے ساتھ مل کر 1212 میں صوبہ بہار کا پہلا اردو پریس کاکو میں قائم کیا۔ اس پریس میں اردو کا پہلا اخبار کحل البصر نکالا اس طرح سے فارسی کی ایک کتاب مکتوبات ابوالعلا بھی شائع ہوئی تھی۔

آپ دونوں بھائی سرسید احمد خان سے ملاقات کر اور ان کی تحریک سے متاثر ہو کر کاکو واپس لوٹے اور یہ محسوس کیا کہ بستی میں تعلیم کا رواج ہو اور خاص طور پر دور جدید کی تعلیم جس سے یہاں کے لڑکے علم حاصل کر کے معاشی حالات درست کریں۔ یہی سوچتے ہوئے اُنہوں نے اپنے بنگلہ، شمسی بلڈنگ میں 1888 میں ایک اسکول قائم کیا پھر 1892 میں ایک اسکول کے لیے زمین خرید کر عمارت تعمیر کی اور اس

اسکول کو وہاں منتقل کر دیا۔ یہ اسکول آج بھی قائم ہے اور کاکو مڈل اسکول کے نام سے جانا جاتا ہے۔ 1893 میں آپ نے ایک مدرسہ ملک ٹولہ کے بنگلہ پر قائم کیا۔ آپ کے ساتھ منشی عبدالرحیم، ملک شرافت حسین اور ملک زیارت حسین پیش پیش رہے۔ یہ مدرسہ کب تک چلا اس بات کا علم راقم الحروف کو نہیں ہے۔



فخر الدین محمد شمسی:

انسان کی زندگی چند پل کے سوا اور کچھ نہیں۔ اس کے بعد مادی وجود خاک میں مل جانا ہے۔ پیچھے رہ جاتی ہے تو صرف گزاری ہوئی زندگی یعنی طرز حیات ....یہی وہ طرز حیات ہے جو طے کرتا ہے کہ آپ کے بعد لوگ آپ کو کن الفاظ میں یاد کرتے ہیں۔ اگر آپ نے اچھے اخلاق اور اعلیٰ معیار کے ساتھ ایک بہترین طرز حیات پر مبنی زندگی گزار لی تو یقین کیجیے اس دنیا سے جا کر بھی زندہ رہیں گے۔ کیونکہ وہ تمام اشخاص جن سے آپ کا کبھی نہ کبھی واسطہ رہا ہوگا وہ آپ کو اچھے الفاظ میں یاد کریں گے اور یہی الفاظ آپ کا سرمایہ حیات ہیں۔

دنیا میں بہت کم شخصیات ایسی ہوتی ہیں جو کامل طرز حیات رکھتی ہیں۔ جن کا رہن سہن، ملنا جلنا، اٹھنا بیٹھنا، بات چیت، لب ولہجہ، اخلاق وتمیز......الغرض شخصیت کا ہر زاویہ کامل اور بے مثال ہوتا ہے۔

آپ راقم الحروف کے چچا تھے۔ آپ بھی ایسی ہی پسندیدہ شخصیات میں سے ایک تھے۔ آپ کی شخصیت میں کوئی خام پہلو نہیں تھا۔ میں بھتیجا ہونے کے ناطے

یہ نہیں لکھ رہا ہوں بلکہ یہ حقیقت ہے کہ ہر وہ شخص جس نے کچھ وقت، خواہ چند لمحے ہی چچا جان کی معیت میں گزارے ہوں ان کی تعریف میں رطب اللسان نظر آتا ہے۔

صرف ہم ہی نہیں زمانہ بھی ان کی مثال دیتا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ اگر شمسی صاحب نہ ہوتے تو آج کاکو کی اتنی ترقی نہ ہوتی۔ شمسی صاحب ہمیشہ بستی کی فلاح و بہبود اور انکی تعلیم کے لیے کوشاں رہتے۔ انہیں کی کوششوں سے دکھن ٹولہ کی طرف 26 مارچ 1937ء میں ایک زنانہ اسکول کا قیام عمل میں آیا تھا اور اس اسکول کا سنگ بنیاد لیڈی سر علی امام کے ہاتھوں رکھا گیا۔

غریب کیا امیر کیا، اپنے کیا پرائے کیا...... ہر شخص آج بھی ان کی تعریف کرتا نظر آتا ہے۔ وہ تھے بھی ایسے...... اخلاص ان کی شخصیت میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ تحمل، بردباری اور برداشت ان کا خاصہ تھے۔ نرم و شفیق لہجہ، صلح جو طبیعت، حسن اخلاق، زندہ دلی اور دور اندیشی و دانائی...... ان سب خوبیوں سے مرقع تھے۔ شفیق اتنے کہ کبھی کبھار ہمیں بھی لگتا کہ وہ میرے چچا نہیں بلکہ دوست یا بڑے بھائی ہیں۔

رعب اتنا تھا کہ گاؤں میں بچے تو کیا بڑے بھی ان کی عزت کرتے تھے۔ ایک بار حکم دیتے تو چوں چراں کرنے کی کسی کو مجال نہ ہوتی۔ اسی لیے کاکو کے لوگ انہیں صاحب کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔ پولیس محکمہ کے افسران جب بھی کاکو کے اطراف میں آتے تو انکا شمسی صاحب سے ملنا طے تھا۔ افسران ان سے کسی معاملے کو لیکر مشورہ کرتے اور ان کی باتوں کو عملی جامہ بھی پہناتے۔

ان کی بلند پایہ شخصیت کا اندازہ اسی بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس دور کے نامور اشخاص میں مولانا مظہر الحق، راجندر پرساد، مولانا ابوالکلام آزاد، سردار عبدالرب نشتر (پاکستان) یہ سبھی لوگ کاکو تشریف لائے تھے۔ یہ سبھی لوگ شمسی صاحب کے گہرے دوستوں میں سے تھے۔

گاندھی جی اور خان عبدالغفار خان (سرحدی گاندھی) بھی 27 مارچ 1947ء (بہار میں فسادات) کو کاکو آئے تھے اور انکا کچھ وقت شمسی ہاؤس میں قیام بھی رہا۔ ذاکر صاحب کئی بار کاکو آئے۔ پہلی بار 1920ء میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کے مالی تعاون کے سلسلے میں آئے تھے۔

واضح رہے کہ یہ سطور لکھنے کا مقصد صرف اپنے چچا کی تعریف کرنا یا ان کی یاد میں اپنا غم بیان کرنا نہیں بلکہ یہ باور کرانا ہے کہ اگر انسان چاہے تو آج کے دور میں بھی ایک مثالی زندگی گزار کر بعد میں آنے والوں کے لیے ہمیشہ ایک زندہ و جاوید مثال بن سکتا ہے۔

فخر الدین محمد شمسی کی ذات میں موجود خوبیوں کا احاطہ کسی ایک مضمون میں نہیں کیا جاسکتا۔ میری کوشش ہوگی کہ ان کی شخصیت کے ہر پہلو پر علیحدہ مضامین کے ذریعے روشنی ڈالوں۔ وہ ایک مثالی چچا ہی نہیں مثالی بیٹے، مثالی خاوند، مثالی بھائی حتی کہ ہر خونی رشتے میں اپنی مثال آپ تھے۔ صرف یہی نہیں بلکہ معاشرتی رشتوں میں بھی ان کا ثانی کوئی نہیں تھا۔ شمسی صاحب تہذیب رفتہ کے مرقع تھے۔ اس تہذیب کی یادگار تھے جس میں قدامت تو تھی مگر فرسودگی نہیں تھی۔ جدت پسندی تھی۔ بہار فسادات کے دوران گاندھی جی، خان عبدالغفار (سرحدی گاندھی) عبدالرب نشتر (پاکستان) شمسی صاحب سے ملنے کاکو آئے اور شمسی بلڈنگ میں ایک نشست کو انجام دیا جس میں بستی کے ہندو مسلمان سبھی شامل ہوئے۔ ڈاکٹر ذاکر حسین (صدر جمہوریہ) شمسی صاحب کے دوستوں میں تھے۔ ۱۹۲۰ء میں جامعہ ملیہ کے چندہ کے سلسلے میں کاکو تشریف لائے تھے۔



احمد داؤد شمسی:

آپ رئیس کاکو، عبدالعزیز شمسی کے چوتھے نمبر کے صاحب زادے ہوئے۔ اور راقم الحروف کے والد ماجد تھے۔ آپ کی پیدائش قصبہ کاکو میں 3 جنوری 1893 کو ہوئی۔

احمد داؤد شمسی نے زندگی کے کافی نشیب و فراز دیکھے تھے۔ 8 سال کی عمر میں ان کے والد نے انہیں گھر سے نکال دیا تھا۔ پتا نہیں آپ کے والد نے یہ تادیبی انداز کیوں اختیار کیا۔ اس کی وجہ احباب کے ساتھ ان کی سگریٹ نوشی کو بتایا جاتا ہے۔ آپ کے والد بہت اصول پسند انسان تھے آپ کی نگاہ میں بچوں کی سگریٹ نوشی ایک ایسا جرم تھا کہ اس کی تلافی کسی قدر ممکن نہیں تھی۔ بحالت مجبوری احمد شمسی کو، اپنے قصبہ کاکو کو خیر باد کہنا پڑا۔ آپ نے اپنی سگی پھوپھی بی بی رقیہ جو جناب مولوی عبدالقدوس وکیل کی والدہ محترمہ تھیں کے یہاں دریاپور، پٹنہ چلے گئے۔ لیکن وہاں بھی رہ نہ سکے۔ آپ کے والد کو اطلاع ملی کہ احمد وہاں رہ رہے ہیں، تو فوراً آپ نے قاصد کو بھیج کر وہاں سے بھی نقل مکانی کے لئے مجبور کیا ساتھ ہی اپنی بہن سے خفگی کا اظہار کیا اور آئندہ کے لئے رشتہ ختم کرنے کی بات کہہ دی۔ یہ خبر احمد شمسی صاحب کے لئے سوہان روح تھی آپ نے آپسی رنجش کے خیال سے پھوپھی کا گھر چھوڑ کر خاموشی سے پٹنہ کی ایک مسجد کا رخ کیا۔ مسجد میں چار- پانچ دن گزارنے کے بعد وہاں سے بھی نکلنے پر مجبور ہوئے اور پھر پٹنہ کے محلّہ باقر گنج میں رہنے لگے۔ اس دوران ٹیوشن بھی پڑھانا شروع کیا تاکہ کتاب، رہنے اور کھانے کا خرچ نکال سکیں۔

پٹنہ میں رہ کر ہی میٹرک کی ڈگری امتیازی طور سے حاصل کی پھر الٰہ آباد یونیورسٹی سے گریجویشن مکمل کیا۔

2 اپریل 1913ء میں موتی پور، ضلع جہان آباد کے ایک زمیندار گھرانے

میں شاہ عبدالمجید صاحب کی بیٹی سلمیٰ شمسی کے ساتھ آپ کی شادی انجام پائی۔

1921ء میں سبھاش چندر بوس کے ساتھ لندن جا کر ICS پاس کیا۔

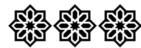
حکومت برطانیہ نے احمد داؤد شمسی کو سر کے خطاب سے نوازا تھا۔

احمد داؤد شمسی 1944-1936ء تک وائسرائے LORD LIN LITHGOW اور اس کے بعد 45-1944ء تک وائسرائے LORD WAVELL کے پرائیویٹ سیکریٹری رہے۔ دہلی میں 15 تال کٹورا روڈ پر ان کی ایک عالیشان کوٹھی تھی جس میں وہ دوران ملازمت رہ رہے تھے۔

ملازمت کے دوران ہی پیٹ میں درد کی شکایت ہوئی۔ شاید یہ مرض پرانا تھا جس روز پیٹ میں تکلیف ہوئی اس کے دوسرے ہی روز 45 سال کی کم عمر میں دہلی میں انتقال ہو گیا تھا۔ انہیں کاکو نہ لا کر دہلی کے سید حسن رسول قبرستان، پنچ کوئیاں روڈ، قرول باغ میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

جناب احمد داؤد شمسی کے خاص دوستوں میں ہندوستان کے دوسرے صدر سروپللی رادھا کرشنن، سر علی امام، حسین شہید سہروردی وزیر اعظم پاکستان اور بنگال، سر عبدالرحیم، سر ملک فیروز خان نون، ساتویں وزیر اعظم پاکستان، محمد اکبر علی (ضیاء الحق، صدر پاکستان کے والد)، ہندوستان کے تیسرے صدر جناب ذاکر حسین اور سر آر- کے- شانمکھم چیٹی، آزاد ہندوستان کے پہلے وزیر مالیات اور صدر سینٹرل لیجسلیٹو اسمبلی کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان سبھی لوگوں کو نیچے گروپ تصویر میں دیکھا جا سکتا ہے۔

1942ء کی گاندھی جی کی تحریک انگریز و بھارت چھوڑو سے متاثر ہو کر اور گاندھی جی سے بالمشافہ ملاقات کے بعد آپ نے سر کا خطاب حکومت برطانیہ کو واپس کر دیا تھا۔



قاضی محمد سعید:

جناب قاضی محمد سعید، قاضی عبدالودود محقق کے چھوٹے بھائی تھے۔ ان کی پیدائش بھی ان کی نانیہال کاکو میں ۱۹۰۶ء میں ہوئی۔ ان کی تعلیم جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی میں ڈاکٹر ذاکر حسین کی نگرانی میں ہوئی۔ انہوں نے ۱۹۳۲ میں برلن یونیورسٹی میں داخلہ لیا اور ۸ سال جرمنی میں رہ کر اپنی تعلیم مکمل کر کے ہندوستان واپس آئے۔



قاضی محمد فرید:

جناب قاضی محمد فرید کی نانیہال کاکو ہے۔ یہ شاہ بگھو صاحب کاکوی کے نواسے ہیں۔ فرید صاحب نے لکھنؤ یونیورسٹی سے ایم اے کیا۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے لندن گئے۔ کیمرج یونیورسٹی سے معاشیات اور تاریخ میں ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۳۹ میں لاہور کے ایک بڑے خاندان کی لڑکی مہر النساء سے شادی کر لی۔ اسلامیہ کالج پشاور میں پروفیسر ہوئے اور بعد میں پاکستانی شہری بن گئے۔

قاضی فرید نے Austerity Economy کے نام سے ایک تھیوری ایجاد کی۔ اس تھیوری کی وجہ سے ان کو دنیا بھر میں شہرت ملی۔ پنجاب یونیورسٹی میں قاضی فرید کے نام سے ۱۹۹۶ سے مسلسل Gold Medal ایم اے میں اوّل آنے والے طالب علم کو دیا جاتا ہے۔



قاضی شوکت فرید:

قاضی شوکت فرید قاضی محمد فرید کے بڑے فرزند ہیں۔ شاہ لطف الرحمٰن کاکو عرف شاہ بھگو کے پرنواسہ ہیں۔ قاضی شوکت فرید نے پاکستان میں فارن سروس کا امتحان پاس کیا اور بیرون ملک بہت سے ممالک میں ہائی کمشنر مقرر ہوئے۔ آج کل وہ یونائیٹیڈ نیشن میں سکریٹری کی جگہ پر فائز ہیں۔ نیو یارک میں اپنے اہل وعیال کے ساتھ قیام پذیر ہیں۔



سید یوسف احمد:

جناب سید یوسف احمد نے علی گڑھ یونیورسٹی سے ۱۹۵۸ میں ایم ایس سی کیا۔ وہ فضل احمد آئی پی ایس (اے ڈی جی پی) کے سگے بھانجے ہیں۔ (شاید صدر نکسن کے زمانے میں) وہ امریکہ کے سب سے بڑے تحقیقی ادارے Atomic Energy Plant میں ڈائرکٹر جنرل کی حیثیت سے فائز رہے۔ ان کی والدہ کی نانیہال شمسی بلڈنگ کاکو میں ہے۔ اخبارات کی خبر کے مطابق ان سے پہلے دنیا کا کوئی کالا آدمی پلانٹ کا ڈائرکٹر جنرل نہیں ہوا ہے۔



ڈاکٹر فضل احمد شمسی:

ڈاکٹر فضل احمد شمسی عرف شریف کی پیدائش ۱۹۳۵ء میں ان کے نانیہال کاکو میں ہوئی۔ وہ احمد داؤد شمسی کے نواسے تھے۔ ان کا دادیہال پالی تھا۔ ۱۹۵۰ میں کاکو

سے میٹرک پاس کرنے کے بعد ڈھاکہ یونیورسیٹی سے فلسفہ میں ایم اے کیا۔ پی سی ایس پاکستان سے کیا اور فلسفہ میں پی ایچ ڈی امریکہ سے کی۔ آئیڈیا آف نیگیشن کی تھیوری جو برٹرنڈ رسل کی ہے اسے غلط ثابت کر کے دنیا میں نام پیدا کیا۔ فضل احمد شمسی اسلامک انسٹی چیوٹ آف ورلڈ کے ڈائرکٹر جنرل کے عہدے پر فائز رہے۔ کینڈا میں ۲۰۰۷ء میں ان کا انتقال ہو گیا۔



سر فخر الدین:

سر فخر الدین کا آبائی وطن کاکو ہے۔ انہوں نے پٹنہ میں رہائش اختیار کی۔ ان کی رہائش گاہ کا نام فخر الدین ہاؤس تھا۔ اب وہاں فخر الدین پلازا کے نام سے پٹنہ کا سب سے بڑا اپارٹمنٹ بن گیا ہے۔ سر فخر الدین عبوری حکومت میں بہار کے پہلے وزیر تعلیم ہوئے تھے۔



خان بہادر شاہ کمال:

جناب خان بہادر شاہ کمال کا آبائی وطن کاکو ہے۔ کاکو سے منتقل ہو کر انہوں نے پٹنہ سٹی کے لودی کٹرہ محلّہ میں سکونت اختیار کی۔ انہیں خان بہادر کا خطاب حکومت نے دیا تھا۔ ان کے محلّہ میں شاہ کمال کے نام سے ایک مسجد بھی ہے۔ شاید یہ مسجد انہوں نے ہی بنوائی ہو گی۔



شیخ عبدالرحمٰن عرف گھسو بابو:

جناب شیخ عبدالرحمٰن عرف گھسو بابو کا آبائی وطن جہان آباد تھا۔ اپنے نانی ہالی زمینداری ترکہ کی وجہ سے جہان آباد سے منتقل ہو کر کاکو چلے آئے۔ اور کاکو کے بنیا ٹولہ میں پروفیسر شاہ ظفر کے مکان کی پشت پر اپنا مکان بنایا۔ اپنے بیٹے داؤد کی لندن سے واپسی پر کوٹھی بنوائی اور رئیس کاکو کی حیثیت سے شہرت پائی۔ ان کے اکلوتے پوت داماد نسیم صاحب ۱۹۴۶ء میں پاکستان چلے گئے۔ ان کی کوٹھی فروخت ہو چکی ہے۔



سید شاہ فضل امام عرف فضلو بابو:

جناب فضل امام صاحب کا نانیہال غفور الرحمٰن صاحب کے گھرانے میں تھا۔ آپ کی شادی فخر الدین شمسی کی بھانجی بی بی میمونہ سے ہوئی۔ آپ کا خاندانی مکان مغل پورہ پٹنہ سیٹی میں تھا۔ بعد میں باقر گنج میں اپنی کوٹھی بنوائی جو' کاشانہ کوٹھی' کے نام سے جانی گئی۔ ان کی حیثیت رئیس پٹنہ کی تھی۔ آپ دلاور پور اسٹیٹ (مہسی) کے مالک تھے۔ انہوں نے کاکو میں بھی ایک کوٹھی بنوائی۔ وہ کوٹھی اب کسی دوسرے صاحب کی ہے مگر اب تک فضلو بابو کی کوٹھی ہی کہلاتی ہے۔ آپ میرے چچازاد بھائی عارف شمسی گیا کے خسر تھے اور ڈاکٹر عفت آرا شمسی کے والد محترم۔



خان بہادر محبوب عالم:

جناب خان بہادر محبوب عالم صاحب کا آبائی وطن پنجورہ تھا جس کا تھانہ اور بلاک کاکو ہے۔ وہ ایک بڑے زمیندار تھے۔ ان کی زمینداری کی سالانہ آمدنی ایک

لاکھ روپیہ سے زیادہ تھی۔ پنچورہ میں ان کا مکان محل نما تھا۔حکومت نے ان کو خان بہادر کا خطاب دیا تھا۔کاکو میں کئی گھرانوں میں ان کی رشتہ داری تھی اس لئے وہ برابر کاکو آتے تھے۔کاکو ہائی اسکول کے پہلے سکریٹری وہی منتخب ہوئے۔



شاہ نجم الدین:

جناب شاہ نجم الدین شاہ فخر الدین صاحب شاہ ٹولی کے فرزند تھے۔وہ پٹنہ یونیورسٹی میں رجسٹرار کے عہدے پر فائز تھے۔۱۹۴۷ کے بعد پاکستان چلے گئے۔نجم الدین صاحب نے اپنی محنت سے کراچی یونیورسٹی قائم کی،ان حالات میں جب بیٹھنے کے لئے کرسی نہیں تھی اور لکھنے کے لئے قلم نہیں تھا۔ایسے حالات میں اتنی بڑی یونیورسٹی قائم کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔وہ کراچی یونیورسٹی کے وائس چانسلر رہے۔



خلیل الرحمٰن عرف بہاری بابو:

جناب خلیل الرحمٰن عرف بہاری بابو کاکو سے متصل گاؤں نتول کے رہنے والے تھے۔وہ بڑے زمیندار تھے۔ان کی زمین داری کی تحصیل ایک لاکھ سے زیادہ تھی۔وہ بڑے کروفر کے رئیس تھے۔شیروانی، چوڑی دار پاجامہ زیب تن کرتے اور ہاتھ میں بوکڑی چھڑی رکھتے تھے۔نتول میں ان کی بڑی شاندار بلڈنگ تھی۔محبوب عالم صاحب کی بیٹی کی شادی خاکسار کے ماموں شفیق صاحب وکیل گیا میں ہوئی تھی۔آپ کا کاکو آنا جانا بڑی بے تکلفی سے ہوتا تھا۔وہ فخر الدین شمسی،ابرار صاحب زمیندار،مولوی شیخ عبدالرحمٰن رئیس کاکو کے یہاں جایا کرتے تھے۔۱۹۴۷ کے بعد ان کے فرزند کراچی منتقل ہوگئے۔



سر سلطان احمد، پالی:

آپ ایک نامور بیرسٹر اور بہترین سیاست دان تھے۔آپ 1863ء میں پالی (کاکو) موجودہ ضلع جہان آباد میں پیدا ہوئے۔راقم الحروف کے چچا فخر الدین شمسی کے گہرے دوستوں میں سے تھے اور فرصت کے لمحات میں کاکو اکثر آیا کرتے تھے۔آپ نے بیرسٹر کی حیثیت سے بہت کامیاب پریکٹس کی اور موتی لال نہرو، تیج بہادر سپرو اور شارت چندر بوس پر فتوحات حاصل کیں تھی۔ان کی قابلیت کا اندازہ اسی بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ لندن کے گول میز کانفرنس میں انہوں نے بھی نمائندگی کی تھی جس میں مہاتما گاندھی نے شرکت کی تھی۔

پٹنہ میں آپ کی شاندار رہائش گاہ سلطان پیلیس کے نام سے مشہور ہے جسے حکومت نے 1922 میں آپ کے لیے تعمیر کرایا تھا جس وقت آپ پٹنہ ہائی کورٹ میں جج کی حیثیت سے مامور تھے۔

سر سلطان نے کئی سالوں تک مسلم لاء پر مشہور کتاب 'محمڈن لا' کی تدوین کی تھی۔آپ کے پوتے جناب شمس الہدیٰ عرف بچو بابو جج کے عہدے سے ریٹائرڈ ہوئے۔بچو بابو سے خاکسار کے بہت گہرے مراسم تھے۔سر سلطان کا 1963 میں پٹنہ میں انتقال ہوا تھا۔



سرعلی امام:

سر سید علی امام 11 فروری 1869ء کو ضلع پٹنہ کے نیورا گاؤں میں پیدا ہوئے۔ آپ سید امداد امام اثر کے بیٹے اور بیرسٹر حسن امام کے بڑے بھائی تھے۔

آپ ہندوستان کے مشہور و معروف بیرسٹر تھے۔انگلستان میں تعلیم حاصل کی تھی، پٹنہ ہائی کورٹ میں جج مامور ہوئے۔ پھر حیدرآباد نواب کے وزیر اعظم رہے اور قانون ساز اسمبلی کے رکن بھی رہے۔سر علی امام نے ہی ہندوستان کے دارالحکومت کولکاتہ کو نئی دہلی میں تبدیل کرنے کا مکمل بلیو پرنٹ اس وقت کے وائسرائے ہند لارڈ ہارڈنگ کو پیش کیا تھا جسے قبول کرتے ہوئے انگریزوں نے بھارت کی راجدھانی کولکاتہ کو بدل کر نئی دہلی کرنے کا اعلان کیا۔

یوسف حسین شمسی کے آپ گہرے دوستوں میں سے تھے اور کئی بار شمسی ہاؤس، کاکو میں آنا ہوا تھا۔ جب آپ انگریزی حکومت میں لیجسلیٹو اسمبلی (سینٹرل) کے صدر تھے اُس وقت خاکسار کے والد نے بھی آپ کے ساتھ کام کیا تھا۔ انھیں سب وجہ سے سر علی امام کا کاکو سے گہرا لگاؤ رہا ہے۔اس لیے میں نے اس کتاب میں ان کا نام شامل کرنا ضروری سمجھا۔

31 اکتوبر 1932 کو رانچی میں آپ کا انتقال ہوا اور ہزاری باغ روڈ میں واقع اپنے باغ کے ایک گوشے میں سپرد خاک ہوئے۔



کاکو کی کہانی، الما کی زبانی

حکیم ادریس صاحب

کاکو بستی کے ایک پرانے باسی حکیم ادریس صاحب تھے۔وہ بڑے اچھے اور مخلص انسان تھے۔چھریرے بدن کے تھے۔حکیم ادریس صاحب کو کبھی حکمت کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔وہ کسی لڑکے کو ننگے سر دیکھنا پسند نہیں کرتے تھے۔اگر کوئی لڑکا ننگے سر ان کے پاس سے گزرتا تو وہ ہاتھ کی چھڑی سے اس کی گردن کھینچ لیتے اور اپنے ہاتھ سے اس کے سر کے بال کو نوچتے اور کہتے ٹوپی پہنا کرو، اگر ننگے سر دیکھا تو تمہارے سر کی چرکی (چھوٹے بال) نوچ لوں گا۔آخر عمر میں حکیم ادریس صاحب اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھے تھے۔وہ بازار میں آجاتے تھے۔اس وقت بڑی بازار میں دکانیں بہت کم تھیں۔حنیف کی چائے کی دکان تھی۔وہاں حکیم صاحب آتے اور جو بھی بیٹھا ہوتا اس سے مانگ کر چائے پی لیتے۔ایک دن راقم الحروف بھی حنیف کی چائے کی دکان پر کھڑا تھا۔حکیم صاحب کو دیکھ کر گھبرا گیا، سوچا اگر بھاگا تو وہ اپنی چھڑی سے میری گردن کھینچ لیں گے، چونکہ میرے سر پر ٹوپی نہیں تھی۔میں خاموش کھڑا تھا، وہ مجھے دیکھ کر بولے تم الما ہو نا؟ مجھے چائے پلاؤ۔میں نے فوراً حنیف سے کہا کہ حکیم صاحب کو چائے دیجیے۔مجھے بڑا تعجب ہوا کہ حکیم صاحب نے نہ ٹوپی کی بات کی نہ چرکی نوچنے کی۔بعد میں معلوم ہوا کہ حکیم صاحب کا ذہنی توازن بگڑ گیا ہے۔بازار میں آتے تو چائے کے علاوہ کسی کی ٹوپی یا چرکی نوچنے کی بات نہیں کرتے ہیں۔حکیم صاحب بڑے کروفر والے انسان تھے بستی میں حکیم ادریس صاحب کی بڑی عزت تھی۔بلال، اقبال، نہال ان کے صاحبزادے تھے۔شاید اب سب ہی پاکستان میں ہیں۔



۱۱ر محرم میں انعامات کی تقسیم

تقریباً تیس برسوں سے ۱۱ر محرم کی شب میں کاکو کے اطراف سے آئے کھلاڑیوں کو محرم کمیٹی کی طرف سے انعامات تقسیم کئے جاتے ہیں۔ کافی برسوں سے اکھاڑے کے انچارج ملک سیف اللہ صاحب ہیں اور ان ہی کے ذمہ اکھاڑے کی ذمہ داری رہتی ہے۔ کافی برسوں سے ملک غوث صاحب اناؤنسر کے فرائض بخوبی انجام دیتے آرہے ہیں۔ کاکو اور اس کے اطراف کے اکھاڑے شام ۵ر بجے تک مین روڈ پر، اکبر امام صاحب کی مارکیٹ کے نزدیک آکر جمع ہوجاتے ہیں۔ علاقے بھر سے آئے ہوئے محرم کے کھلاڑی لاٹھی، تلوار، بھالا وغیرہ کا جوہر دکھاتے ہیں، اور انھیں اول، دوئم اور سوئم کے انعامات سے نوازا جاتا ہے۔ چیف گیسٹ کی حیثیت سے ضلع جہان آباد کے ڈی ایم، ایس پی، ایس ڈی او موجود ہوتے ہیں۔ سبھی چیف گیسٹ کو ہری پگڑی باندھی جاتی ہے۔ انعامات کی تقسیم کے بعد اکھاڑے مرثیہ پڑھتے ہوئے کربلا کی طرف روانہ ہوجاتے ہیں اور تین بجے صبح تک تعزیہ، سہپر دفن کرکے واپس آتے ہیں۔



کاکو کا موہان

حضرت بی بی کمال قدس سرہا کی درگاہ کے جنوب میں پنپہاس کے اُس پار مڈل اسکول کے پچھّم بہت بلند جگہ ہے جس کو موہان کہا جاتا ہے۔ موہان کہلانے کی وجہ نہیں معلوم ہے۔ اس جگہ پر حضرت سلیمان سیاح کا مزار ہے۔ حضرت بی بی کمال قدس سرہا کا فاتحہ اور نذر و نیاز ہوتا ہے تو موہان کی طرف رخ کرکے ہی فاتحہ پڑھا جاتا ہے۔ سلیمان سیاح حضرت بی بی کمال قدس سرہا کے متوسلین میں سے تھے۔ اس سے زیادہ ان کے متعلق معلوم نہیں ہوسکا ہے۔



کاکو کے تین پائلٹ

بدیع الزماں ملک کا آبائی وطن کاکو ہے۔ وہ پورنیہ میں داروغہ کے عہدے پر فائز تھے اور وہیں مکان بناکر سکونت پذیر ہوگئے۔ ان کے فرزند محمود الزماں نے پٹنہ فلائنگ کلب سے پائلٹ کی ٹریننگ حاصل کی اور پائلٹ انسٹرکٹر بنے۔ ٹریننگ کے دوران یہ کاکو کے اوپر سے گزرتے تھے اور لکھ کر کاغذ کا ٹکڑا گراتے تھے۔ ریٹائر ہونے کے بعد بنگلور میں ان کا انتقال ہوچکا ہے۔

شاہ نجم الدین صاحب کا آبائی وطن کاکو ہے۔ ان کے والد شاہ فخر الدین خاندانی زمیندار تھے۔ ان کے داماد، اعجاز سید نے، جو رشتہ میں ان کے بھتیجے بھی ہوتے تھے لندن میں پائلٹ کی ٹریننگ حاصل کی اور پان امریکن ایرویز کمپنی میں پائلٹ کے عہدے پر فائز رہے۔ کبھی کبھی ہوائی جہاز لے کر ہندوستان بھی آتے ہیں۔ پاکستان کی شہریت رکھتے ہیں اور امریکہ کے گرین کارڈ ہولڈر ہیں۔ ہندوستان آتے ہیں تو اپنی بیگم کوثر کے ہمراہ کاکو بھی تشریف لاتے ہیں۔

عدنان محسن جو فیاض محسن کے صاحبزادے اور دارالامان اور کاشانہ کے پوتے اور بھاگلپور کی خانقاہ کے شاہ فخر عالم صاحب کے پرنواسے ہیں۔ وہ الحمدللہ اس وقت قطر ایرویز میں پائلٹ ہیں۔ انہوں نے سعودی عرب، علی یونیورسیٹی اور نیوزی لینڈ میں تعلیم حاصل کی ہے اور پائلٹ کی ٹریننگ بھی نیوزی لینڈ سے لی تھی۔



کاکو سیاست کے میدان میں

اور گاندھی جی کی کاکو آمد

سیاست کے میدان میں بھی کاکو کا عمل دخل رہا ہے۔ راقم الحروف ان دنوں کی بات کہہ رہا ہے جب بہار فساد کی آگ میں جل رہا تھا۔ اس وقت گاندھی جی، خان عبدالغفار خاں (سرحدی گاندھی) سردار عبدالرب نشتر (پاکستان) جیسے رہنماؤں کی نشست 'شمسی' کامپلیکس' کاکو میں ہوئی تھی۔ خاکسار کو وہ جملہ یاد ہے۔

گاندھی جی سے ہاتھ ملاتے ہوئے فخر الدین شمسی صاحب کا دل بھر آیا تھا۔ نہایت غمزدہ ہو کر شمسی صاحب نے گاندھی جی سے کہا تھا، گاندھی جی آپ کی اہنسا پر کلنک کا ٹیکہ لگ گیا۔ اس پر گاندھی جی نے کچھ جواز پیش کیا۔ شمسی صاحب نے ترکی بہ ترکی جواب دیا، گاندھی جی شمسی کوئی بچہ نہیں ہے جو ہاتھ میں جھنجھنا دے کر بہلا دیں گے۔ یہ اور بات ہے کہ اس وقت ہم کمزور ہیں۔ یہ کتنا معنی خیز جملہ تھا۔ اس دور میں گاندھی جی سے ایسا کہنا بہت بڑی بات تھی۔

راجندر پرشاد (صدر جمہوریہ ہند)، مولانا مظہر الحق (صداقت آشرم)، سید محمود (وزیر ہند)، سر سلطان (بار ایٹ لا، پالی کاکو)، سر فخر الدین (وزیر تعلیم بہار، فخر الدین ہاؤس، پٹنہ)، انوگرہ بابو (وزیر بہار)، دیپ بابو (کوآپریٹو منسٹر بہار)، سری کرشن سنہا (وزیر اعلیٰ بہار) شمسی صاحب کے پاس آتے جاتے رہتے تھے ڈاکٹر ذاکر حسین (سابق صدر جمہوریہ ہند) ۱۹۲۰ء میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کے لئے مالی امداد کے سلسلے میں شمسی صاحب کے پاس تشریف لائے تھے۔ جے پرکاش نرائن، باری ساقی بار ایٹ لا، شمسی صاحب کے داماد کے ساتھ ۱۹۴۲ء میں کاکو آئے تھے۔ ڈاکٹر رام منوہر لوہیا ۱۹۶۲ء کے الیکشن میں شمسی بلڈنگ کاکو میں تشریف لائے تھے۔ کرپوری ٹھاکر، راما نند تیواری، رام بلاس سنگھ، اوپیندر ناتھ ورما، سریندر موہن یہ سبھی شمسی بلڈنگ' کاکو تشریف لا چکے ہیں۔



اڑسجھ کی سو بیگھہ زمین

یہ واقعہ ۱۸۹۰ کی برسات کا ہے۔ موسلا دھار بارش ہونے کی وجہ کر بڑی پنہاس پوری طرح سے بھر گیا اور قریب کے کھیت میں بھی کافی پانی جمع ہو گیا تھا۔ ایک لاش پانی میں بہتی ہوئی کھیت میں آ گئی۔ انگریزوں کی حکومت تھی۔ فوراً گیا سے ایس پی کے ساتھ کچھ افسران بھی آ گئے۔ وہ کھیت نونہی گاؤں سے ملا ہوا تھا اور وہ کھیت بھی نونہی والوں ہی کا تھا۔ جب ضلع افسروں نے نونہی والوں سے دریافت کیا تو سب نے انکار کر دیا اور کہا کہ یہ کھیت ہمارے نہیں ہیں۔ کاکو والوں نے ہمت دکھایا اور کہا کہ یہ سب کھیت ہمارے ہیں۔ مقدمہ میں کیا ہوا یہ تو معلوم نہیں، لیکن کاکو کے زمینداروں کو سو بیگھہ کھیت ہاتھ آ گیا۔ چونکہ یہ زمین قانونی طور سے لڑ کر حاصل کی گئی تھی اس لئے یہ زمین لڑیا ٹال کے نام سے مشہور ہے۔ تقریباً سبھی سو بیگھہ زمین کو کاکو کے زمینداروں نے بندر بانٹ کر لیا۔ جو زمیندار جتنا بڑا تھا اسی حساب سے اس کو زمین مل گئی۔

کچھ زمین کاکو کی فلاح کے لئے الگ کی گئی تھی تاکہ اس کی آمدنی سے دیگر فلاحی کام ہو سکے اور اس کے لئے مولوی شرف الدین عرف شاہ ابرار صاحب کو اڑسجھ کا پہلا سکریٹری منتخب کیا گیا تھا۔ ان کے انتقال کے بعد یہ زمین کس کے ہاتھ لگی کچھ پتہ نہیں۔



کاکو سے گلف جانے والے پہلے فرد

میر یونس صاحب کے صاحبزادے ولی الرحمٰن عرف ولو کاکو کے پہلے شخص تھے جو 1948 میں روزگار کی خاطر کویت گئے ان سے پہلے کاکو کا کوئی بھی فرد گلف نہیں گیا تھا۔ کویت جانے کے کچھ ہی سالوں کے بعد اپنے چھوٹے بھائی شہاب الرحمٰن عرف شہبو کو بھی کویت بلا لیا تھا اور ان کے بڑے بھائی مجیب الرحمٰن عرف موجو ہمیشہ کاکو میں ہی رہے۔ چھٹی میں جب دونوں بھائی کاکو لوٹتے تو اس زمانے کی ایجادات اپنے ساتھ لاتے جو کاکو کے لوگوں کے لئے بالکل نئی ہوتی مثلاً ٹرانسسٹر، ٹیپ ریکارڈر، رنگین کیمرہ وغیرہ۔ جب بھی ولو اور شہبو کویت سے کاکو آتے، اپنے دوستوں کے ساتھ خوب جشن مناتے، گرل پارٹی ہوتی اور شمسی صاحب کے باغ میں پکنک مناتے۔

یہ دونوں بھائی کاکو کے فلاحی کاموں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے۔ سیدٹولہ کی مسجد جو ان کے مکان سے متصل ہے اس کی مرمت بھی اپنے ذاتی خرچ سے کیا کرتے تھے۔

کویت پر عراقی حملہ کے بعد شہبو ہندوستان واپس آکر پٹنہ میں مقیم ہو گئے اور ولو کراچی، پاکستان منتقل ہو گئے۔



نہال بھائی (مسٹر گلیڈ)

نہال بھائی فیروزی گاؤں کے ایک اچھے گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی شادی دولت پور کے باشندہ ریاست کریم صاحب، سابق ایم ایل اے و چیئرمین کھادی بورڈ کی بہن محترمہ جمیلہ سے انجام پائی تھی۔ سقوطِ ڈھاکہ اور اس وقت کی قیامت خیز افراتفری نے انہیں وہ زخم دیے تھے کہ بنگلہ دیش سے بھاگنے پر مجبور ہوئے۔

کنیڈا والی بہن کے اصرار کرنے پر وہ کنیڈا جانے کو تیار نہیں ہوئے۔ اپنے باپ دادا کی جگہ چھوڑنے کے خیال سے ہی وہ پناہ مانگتے تھے۔ آخر نہال بھائی نے کاکو میں ہی سکونت اختیار کر لی۔ نہال بھائی پر نیم پاگل پن کے دورے کب سے شروع ہوئے یہ کہنا مشکل تھا۔ کچھ لوگوں کا یہ کہنا تھا کہ وہ کسی جج کے پیشکار تھے۔ اور کچّھ کا یہ کہنا کہ وہ کسی کمپنی میں اسسٹنٹ کے عہدے پر مامور تھے جب کمپنی دیوالیہ ہوگئی تو اُن کی ملازمت ختم ہوگئی۔

کہتے ہیں کہ ان کی معاشی بدحالی اور روز روز کے جھگڑوں سے تنگ آکر بیوی اپنے بچوں کے ہمراہ میکے چلی گئیں تو پھر لوٹ کر واپس نہیں آئیں۔ بعد میں پتہ چلا کہ انکی بیگم جمیلہ اور انکا ایک لڑکا کمال اشرف یہ دونوں پاکستان چلے گئے اور وہاں ان کی بیگم نے عبدالرزاق نامی ایک شخص سے دوسری شادی کر لی۔ ان کی بیگم اپنے بچوں کے ساتھ سال 1985-1984 میں ایک بار کاکو، سیدٹولہ اپنے رشتہ دار ریاست کریم صاحب کے یہاں آئی تھیں۔ اس وقت بھی نہال بھائی کی وہی مجذوب والی حالت تھی۔

نہال بھائی اب دھیرے دھیرے انگریزی کے خصوصی استعمال کے اپنے

پرانے طور طریقے بھی بھولنے لگے تھے۔ بیشتر اردو ہندی الفاظ کا وہ انگریزی اور فارسی میں ترجمہ کر کے اپنے مخصوص لب و لہجے کے ساتھ تکلم کے لئے وہ پورے کاکو اور اس پاس کے علاقوں میں مشہور ہو گئے تھے۔ دراصل مکالمے کے ایک نئے انداز کے فروغ کے وہ موجد تھے۔

"ڈاکٹر منظر" (پالی) کے یہاں جاتے تو کمپاؤنڈر کو کہتے کہ "ڈاکٹر سینئری" کو کہو کہ ان سے ملنے مسٹر گلیڈ آئے ہوئے ہیں۔' گلیڈ "یعنی خود مسٹر نہال۔ اپنے گھر کا پتہ خط میں یوں لکھتے، ' کاکو' کے لئے ' آف ٹو' استعمال کرتے۔ 'جہاں آباد' کے لئے اس کا ترجمہ کر کے 'ورلڈ پوپلیٹیڈ' کی ترکیب استعمال کرتے۔ جن دنوں ضلع 'گیا' ہوا کرتا تھا اس کے لئے وہ 'وینٹ' کا استعمال کرتے۔ اپنے گاؤں فیروزی کا ترجمہ ون ویلیو کرتے۔ 'منان' صاحب ملتے تو 'مائی بریڈ' کی زوردار ہانک لگاتے۔ فارسی میں چھپکلی کو "پوشیدہ کلی کہتے۔ اس زمانے میں انہوں نے نہ معلوم کہاں سے ایک ٹرکش ٹوپی حاصل کر لی تھی۔ ٹوپی کے ساتھ سیاہ رنگ کی چھوٹی ٹائی باندھ لیتے۔ گلے میں ہار بھی لٹکائے رہتے۔ ایک لمبی چھڑی سے ٹیک لگاتے ہوئے بولتے،

نہال بھائی- ''آئی ایم مسٹر گلیڈ۔۔۔''

یو آر مسٹر- ''مائی بریڈ''

منان صاحب- ''ہاؤ آر یو۔۔۔؟''

نہال بھائی- ''تھنگ از فائن۔۔۔''

جناب منان صاحب ہاں میں ہاں ملاتے اور نہال بھائی گردن ہلاتے اور دعا خیر دعا خیر بولتے ہوئے ان سے مصافحہ کرتے رہتے۔ نہال بھائی ہر وقت ''دعا خیر دعا خیر'' کا ورد کرتے تھے۔ چھوٹے بڑے سبھی ان کو نہال بھائی ہی کہہ کر پکارا کرتے۔

کاکو کے بیشتر لوگوں کو ان سے بے پناہ ہمدردی تھی۔ گاہے گاہے مسجد کے دروازے پر بیٹھنے لگے۔ لوگوں نے مسجد کے اندر جا کر نماز پڑھنے کے لئے بہت کہا لیکن کبھی تیار نہیں ہوئے۔ جب کوئی پیچھے پڑ جاتا تو آسمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کچھ بدبدا کر رہ جاتے۔

پھر یوں ہوا کہ کسی عورت نے ان کے سامنے پانی سے بھرا گلاس رکھا اور انہوں نے آسمان کی جانب تاکتے ہوئے گلاس کی طرف منہ کر کے پھونک دیا۔ کہتے ہیں کہ اس پانی کو پی کر اس عورت کا بیمار بچہ بھلا چنگا ہو گیا۔ وہ قدموں پر آ کر گر گئی۔ اس کے نرم و گداز ہاتھوں کے لمس نے ان کے جسم میں کوئی اتھل پتھل نہیں مچائی۔ نہال صاحب دراصل ایک عجیب سی بے حسی اور ماورائیت سے دوچار ہو چکے تھے۔

کاکو کے بہت سے لوگوں نے اپنے اپنے دروازے پر ایک رکابی نہال صاحب کے نام کی رکھ دی تھی۔ جب انہیں بھوک زیادہ ستاتی، وہ کسی دروازے کی چوکھٹ پر بیٹھ کر رکابی کو اپنی انگلیوں سے بجاتے۔ گھر والا ان کی آمد کو اپنی خوش بختی پر محمول کرتا۔

آخری بار نہال بھائی کو آبگیلہ، گیا میں دیکھا گیا۔ خاکسار نے تو خود اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا لیکن میرا بیٹا یوسف شمسی گڈا، کے قلمی دوست خالد احمد گیاوی ''القصر'' جو آبگیلہ کے رہنے والے ہیں۔ انہوں نے نہال بھائی کی موجودگی کا ذکر کیا تھا۔ لیکن کچھ ہی سال کے بعد وہ وہاں سے بھی لاپتہ ہو گئے۔ پھر اُن کا کچھ پتہ نہیں۔



فینسی میچ

یہ آزادی سے قبل کی بات ہے۔ کاکو میں عید کے دوسرے دن مڈل اسکول کے گراؤنڈ میں فینسی میچ کھیلا جاتا تھا۔ یہ میچ کب سے کھیلا جارہا تھا اس کی تاریخ معلوم نہیں۔ آزادی سے قبل ۱۹۴۵ میں خاکسار نے کاکو فیلڈ میں فینسی میچ دیکھا تھا۔ پورے کاکو کے ہندو مسلمان مڈل اسکول کی فیلڈ کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھے۔ کاکو میں فٹ بال کے میچ میں کافی مجمع ہوتا تھا۔ فینسی میچ سینیئر سٹیزن کے بیچ کھیلا جاتا۔ دونوں طرف کے لوگ عورتوں کے لباس پہن کر کھیلا کرتے تھے۔ اس میچ میں ڈاکٹر صلاح الدین، ملک سراج صاحب، یوسف صاحب، بازار ٹولہ ثناء الرحمٰن ہاشمی عرف سونا بھائی مرحوم (پاکستان)، ماسٹر غلام اشرف، ماسٹر یعقوب، سیدٹولہ، ڈاکٹر محی الدین شمسی مرحوم، شاہ سراج صاحب، انوار مرحوم، شاہٹولی، زین الدین شمسی مرحوم۔

فٹ بال کی ٹیم کی طرح گیارہ گیارہ کھلاڑی بٹ جاتے تھے۔ کھیل شروع ہونے کے بعد دیکھنے والے اپنی ہنسی روک نہیں پاتے تھے۔ کوئی اپنی توند سے کھیل رہا ہے تو کوئی پیروں سے۔ کوئی بال ہاتھ میں لے کر گول کیپر کی طرف بھاگا جارہا ہے اور ہاتھ سے گول کررہا ہے۔ کوئی دوسرے کو دھکا دے رہا ہے جو کمزور ہے وہ گر پڑتا ہے اور پھر اٹھ کر کھیلنے لگتا ہے۔ جس کو موقع ملتا ہے ہاتھ سے گول کر دیتا ہے۔ ہیڈ سے گول کرنے میں سب سے زیادہ ماہر محی الدین شمسی تھے اور وہ ہیڈ سے ہی گول کرتے تھے۔ اس میچ کا کوئی قاعدہ قانون نہیں تھا۔ ہاتھ پیر دونوں سے کھیلنا جائز تھا۔ دھکم دھکا کرنا بھی درست تھا۔ اصل کام گول کرنا تھا۔ عورتوں کے لئے میچ دیکھنے کا خاص انتظام کیا جاتا تھا۔ فیلڈ سے لگا صلاح الدین صاحب کا مٹھ کوٹھا تھا جس کی ساری کھڑکیاں فیلڈ کی طرف کھلتی تھیں۔ اسی کھڑکی سے شوقین عورتیں میچ کا نظارہ کرتی تھیں۔



کاکو فٹ بال کلب

کاکو ہائی اسکول ۱۹۳۸ میں قائم ہوا۔ اسکول کے پہلے ہیڈ ماسٹر منظور صاحب تھے۔ ان کو کھیل کود میں بڑی دلچسپی تھی۔ اس وقت ہائی اسکول کی کوئی فٹ بال ٹیم نہیں تھی۔ اس دور میں گاؤں کا مقبول ترین کھیل فٹ بال ہوا کرتا تھا۔ چونکہ کرکٹ نے اتنی مقبولیت حاصل نہیں کی تھی۔ ۱۹۳۹ میں منظور صاحب نے کسی ماسٹر کی نگرانی میں ہائی اسکول فٹ بال ٹیم کی بنیاد ڈالی۔ یہ فٹ بال ٹیم کاکو ہائی اسکول کی تھی۔ محی الدین شمسی کو بھی اس ٹیم میں شامل کیا گیا تھا اس وقت محی الدین شمسی دسویں کلاس میں پڑھ رہے تھے اور یہ فٹ بال کے بڑے شوقین تھے۔ اسکول کی ٹیم بننے سے پہلے سے فٹ بال کھیلا کرتے تھے۔ اُس وقت کاکو ہائی اسکول کا فٹ بال گراؤنڈ 'نیم چک' کے پاس تھا۔ اُس زمین پر بلاک کے بن جانے کے بعد کاکو ہائی اسکول کا اپنا کوئی گراؤنڈ نہیں رہا۔ ہائی اسکول کے لڑکے مڈل اسکول کے میدان میں کھیلا کرتے تھے۔ محی الدین شمسی فارورڈ کے کھلاڑی تھے۔ ان کا کارنر شاٹ بہت مشہور تھا۔ محی الدین شمسی ہیڈ سے گول کرنے میں ماہر تھے۔ کارنر شاٹ ہیڈ سے اس طرح مارتے تھے کہ گول ہونا تقریباً لازمی تھا۔ اس لئے وہ بہت مشہور ہوئے اور دوسری جگہ کی فٹ بال ٹیمیں انہیں کاکو سے باہر 'بورڈ' لے جایا کرتی تھیں۔

ہائی اسکول کی ٹیم کے پہلے کیپٹن محی الدین شمسی بنائے گئے تھے۔ اُس دور میں کاکو کی فٹ بال ٹیم نے بہت نام پیدا کیا۔ اُس وقت اسماعیل مرحوم بہترین گول کیپر تھے۔ ان کو اسماعیل انڈا کا نام دیا گیا۔ بی این کالج کے پرنسپل معین صاحب کاکو کی ٹیم کی بہت تعریف کیا کرتے تھے۔ اب تو شاید کاکو ہائی اسکول کی اپنی کوئی فٹ بال ٹیم ہی نہیں ہے۔



کاکو یوتھ فٹ بال کلب

کاکو ہائی اسکول کی فٹ بال ٹیم ۱۹۴۹ کے بعد ختم ہو چکی تھی۔ کاکو کے نوجوانوں نے یہ محسوس کیا کہ کاکو میں ایک فٹ بال ٹیم ہونی چاہئے۔ ۱۹۵۰ میں بستی کے نوجوانوں نے ایک میٹنگ کی اور فٹ بال کی نئی ٹیم بنانے کا اعلان کر دیا۔ اس ٹیم کا نام کاکو یوتھ کلب رکھا گیا۔ اس ٹیم میں بستی کے سب ہی محلّہ کے کھلاڑی تھے۔ اس کی سرپرستی سیدٹولہ اور ملک ٹولہ کے نوجوانوں نے مشترکہ طور پر کیا تھا۔

۱۹۹۰ کے بعد یہ ٹیم بہت اچھی ہوگئی۔ محمد احمد (میڈیکل اسٹور) حسن ملک، سدن ملک، احمد ملک (بازارٹولہ) رضی ملک ٹولہ، سلطان باٹا، محمد ادریس، انظار اشرفی (شاہ ٹولی) شہاب الدین شہو، مناظر (ندیاواں) عابد گرامی وغیرہ اس ٹیم کے کھلاڑی تھے۔ کاکو یوتھ کلب کی ٹیم یا ٹورنامنٹ کھیلنے باہر جایا کرتی تھی مثلاً جہان آباد، گیا، چاکند، اسلام پور، بہارشریف، مسہوڑی، پھلواری شریف وغیرہ۔ ان جگہوں سے شیلڈ یا ٹرافی جیت کر لاتے اور پوری بستی میں شیلڈ لے کر ہپ ہپ ہُرّے کا نعرہ کہتے ہوئے گھومتے تھے۔ اس کے بعد اس کلب میں نئے چہرے آئے۔ شفیق احمد ملک ٹولہ، لئیق ملک ٹولہ، صلاح الدین صلو بازارٹولہ، سہیل (داروغہ ولد محبوب) اکبر امام کے خالہ زاد بھائی منہاج اور عارف (ڈی ایس پی)۔ یہ سب ہی کاکو یوتھ کلب سے کھیلا کرتے تھے۔ کاکو فٹ بال ٹیم نے کئی ٹورنامنٹس جیتنے کے ساتھ ساتھ سرسلطان (پالی) ٹورنامنٹ پر بھی اپنا قبضہ جمایا تھا۔



کاکو یوتھ کرکٹ کلب

یوتھ کرکٹ کلب کا قیام ۱۹۸۰ میں جناب مشکور احمد ملک کی سرپرستی میں ہوا تھا۔ جہان آباد ضلع میں اس کلب کا ایک الگ مقام تھا۔ اس کلب کے زیرِ اہتمام کئی ٹورنامنٹس کھیلے گئے اور کئی لاتعداد میچ میں کامیابی حاصل کی تھی۔ کاکو یوتھ کرکٹ کلب کے یوں تو کئی کیپٹین ہوئے، لیکن سب سے کامیاب کیپٹین جناب عارف اختر شمار کئے جاتے ہیں۔ عارف اختر کی کپتانی میں ٹیم نے بہار کے کئی ٹورنامنٹس کے علاوہ ڈاکٹر امبیڈکر ٹورنامنٹ اور سکھد یونزائن انٹر اسکول ٹورنامنٹ میں فائنل تک رسائی حاصل کی تھی۔ یہ میچ پٹنہ معین الحق اسٹیڈیم میں کھیلا گیا تھا۔ آج بھی یہ کلب زندہ ہے اور ہر سال اس کلب کے تحت کچھ میچ شمسی کمپلکس میں بھی کھیلا جاتا ہے اور اس میچ کا براہِ راست نشر ہوتا ہے۔

کچھ اہم کھلاڑیوں میں عارف اختر، اختر حسن، شہنواز، لاڈل، ببلو، طاہر، اسلم، تنویر اللہ، سمیع اللہ، اسعد، ساجد، پرویز، شہزاد، آصف، تابش، جلال، بابی، طلعت، زوریز، عطرت، تمنو، یوسف شمسی، دینا، سنیل وغیرہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔



کاکو الیون اسٹار

1957-58 میں سیدٹولہ کے مجیب الرحمٰن ابراہیمی عرف موجو، شہاب الدین عرف شہو اور چند نوجوانوں نے مل کر ''الیون اسٹار'' کے نام سے فٹ بال کی ٹیم بنائی۔ اس ٹیم میں سلطان باٹا کو ایک اچھے کھلاڑی کی حیثیت سے لیا جاتا تھا۔ یہ ٹیم ہر محلّہ سے میچ کھیلا کرتی تھی۔ الیون اسٹار ٹیم ایک مضبوط ٹیم تھی جو بستی کی اور ٹیموں سے کم ہی ہارا

کرتی تھی۔اس ٹیم کے کھلاڑی کاکو یوتھ کلب سے میچ کھیلنے باہر جاتے تھے۔شیلڈ اور ٹرافی جیت کر کاکو کا نام روشن کیا کرتے تھے۔محفوظ مظہری، مجتبیٰ سید ٹولہ بھی اس ٹیم سے کھیلا کرتے تھے۔الیون اسٹار کے سکریٹری مجیب الرحمٰن ابراہیمی عرف موجو تھے۔



حضرت بی بی کمالؒ کرکٹ ٹورنامنٹ

کاکو مڈل اسکول کے میدان پر سال 1986 میں شاہ جلال کاکوی کی سرپرستی میں پہلی بار حضرت بی بی کمال کرکٹ ٹورنامنٹ کا انعقاد عمل میں آیا تھا۔سکریٹری جناب نثار احمد، سائنس ٹیچر، کاکو ہائی اسکول کو منتخب کیا گیا تھا۔اس ٹورنامنٹ میں جہان آباد ضلع کے علاوہ دوسرے ضلعوں کی کئی ٹیموں نے برابر حصہ لیا۔اور بہار کے نامور کھلاڑیوں نے مختلف ٹیموں کی طرف سے کھیلتے ہوئے اپنی اپنی بلّے بازی کے جوہر دکھائے۔ بی بی کمال کرکٹ ٹورنامنٹ نے بہت جلد کرکٹ کھلاڑیوں کی بیچ میں مقبولیت حاصل کر رکھی تھی مگر افسوس کے چھ-سات سال تک لگاتار انعقاد کے بعد نہ جانے کن وجوہات کی بنا پر یہ ٹورنامنٹ بند کر دیا گیا۔کاکو کے نوجوانوں نے ہمیشہ ہی کامیاب میزبانی کی تھی-

جلال احمد، نجیب اشرف ببلو، اختر حسن، اسد ملک، عارف، اختر، اختر حسن، شہنواز، لاڈل، طاہر، اسلم، تنویر اللہ، سمیع اللہ، بابی، طلعت، زوریز، تمنو، دینا، سنیل وغیرہ کھلاڑیوں نے اس ٹورنامنٹ میں کافی اہم رول ادا کیا تھا۔



نونہال کلب

ڈاکٹر صلاح الدین (بازار ٹولہ) نے کاکو کے نوجوانوں کے لئے ۱۹۴۶ء میں ''بزم نونہال'' کی بنیاد ڈالی۔نونہال کلب میں ایک لائبریری قائم کی گئی۔کلب میں کیرم وغیرہ کھیلنے کا بھی انتظام تھا۔اور ایک فٹ بال ٹیم بھی بنائی گئی تھی۔یہ فٹ بال ٹیم کئی سال تک قائم رہی اور باہر جا کر میچ کھیلا کرتی تھی۔اس کلب کو قائم کرنے میں ڈاکٹر صلاح الدین عرف سلو صاحب نے تن من دھن سے دلچسپی لی تھی۔اس کلب کے پہلے سکریٹری محمد احمد (میڈیکل اسٹور) بنائے گئے۔کاکو میں فٹ بال کی ایک اچھی ٹیم تیار ہو گئی۔احمد، رضی، سلطان، سُریش چودھری، مناظر وغیرہ کھیلا کرتے تھے۔ملک مشکور بھی شاید اس ٹیم میں کھیلا کرتے تھے۔کاکو کی یہ ٹیم میچ کھیلنے کے لئے، گیا، پٹنہ، مخدوم پور، چاکند، مسوڑھی وغیرہ جایا کرتی تھی۔میچ کھیلنے کے لئے دوسری جگہوں سے بھی ٹیمیں کاکو آیا کرتی تھیں۔اب نہ وہ بزم رہی اور نہ وہ فٹ بال ٹیم۔



لڑکیوں کا فٹ بال میچ

جہان آباد ضلع میں پہلی بار لڑکیوں کا فٹ بال میچ اکبر امام مرحوم کی یاد میں کاکو مڈل اسکول کے میدان پر مؤرخہ 25 فروری 2021ء کو منعقد ہوا۔چیف گیسٹ کی حیثیت سے ایکٹر ڈائریکٹر پروڈیوسر جناب حیدر کاظمی موجود تھے۔واضح رہے کہ انھوں نے کاکو اور پالی کے اطراف میں کئی فلمیں بنائی ہیں، مثلاً: کالیا، شکنتلا وغیرہ۔

یہ میچ بیگو سرائے اور مظفر پور کی ٹیم کے مابین کھیلا گیا تھا۔ پہلے ہاف میں

دونوں ٹیمیں برابری پر رہیں۔ دوسرے ہاف کے شروع ہی میں مظفر پور کی ٹیم نے ایک گول کر کے سبقت حاصل کر رکھی تھی مگر دس منٹ کے اندر بیگو سرائے کی ٹیم نے گول کر کے اپنی ٹیم کو برابری پر لا دیا۔ بیگو سرائے کی عالیہ نے کھیل ختم ہونے سے کچھ دیر پہلے دوسرا گول کر کے 1-2 سے جیت حاصل کر لی اور مظفر پور کی ٹیم ہار گئی۔

ریفری کا کام لئیق احمد رضا نے انجام دیا۔ میچ کی کمنٹری کی ذمہ داری اسد ملک کو دی گئی تھی۔ میچ بہت شاندار رہا۔ میچ دیکھنے والوں میں ایس ڈی او، ڈی ایس پی، بی ڈی او، سی او (کاکو)، ایم ایل اے ایم پی شکیل کاکوی، محفوظ مظہری، خاکسار الما لطیف شمسی کے علاوہ جہان آباد، پالی، بی بی پور، خالص پور، نوہی وغیرہ کے لوگ بھی موجود تھے۔ سینکڑوں عورتیں ڈاکٹر صلاح الدین کے مٹھ کوٹھے سے میچ دیکھ رہی تھیں، جو میدان کی طرف دکھتا تھا۔ بہت سی عورتیں جاوید صاحب (سپاہی) کے مکان سے کھیل کا نظارہ کر رہی تھیں۔

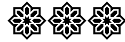
کھیل ختم ہونے کے بعد فاتح ٹیم کو شیلڈ اور شکست خوردہ ٹیم کو کپ سے نوازا گیا، اور ساتھ ہی دونوں ٹیم کے پلیئرس کو میڈل بھی عطا کیا گیا تھا۔ رات کی پر تکلف ڈنر کا اہتمام شکیل کاکوی نے کائنات انٹرنیشنل اسکول میں کیا تھا۔ اس ڈنر پر دونوں ٹیموں کی لڑکیوں کے ساتھ ساتھ ڈی ایم، ایس پی، کے علاوہ شہر کے معزز لوگوں میں خاکسار الما لطیف شمسی، محفوظ مظہری، یاسر اقبال، اسد ملک، کاشف رضا اور لئیق احمد بھی موجود تھے۔



ماسٹر علاء الدین میموریل فٹ بال میچ

کاکو مڈل اسکول کے میدان پر بتاریخ 24رجنوری 2021 کو ماسٹر علاء الدین صاحب کی یاد میں جہان آباد میڈیا الیون اور جہان آباد ایڈمنسٹریشن الیون کے بیچ ایک دوستانہ میچ کا انعقاد دیا گیا تھا۔

ایڈمنسٹریشن الیون کی قیادت تھانہ انچارج جناب اچھیو رسنگھ اور میڈیا الیون کی قیادت جناب تابش امام نے کی تھی۔ میڈیا الیون نے 1-3 سے جیت حاصل کی تھی۔ جناب شکیل احمد کاکوی اور لطیف شمسی نے میچ کی کامیابی میں اہم رول ادا کیا تھا۔



دوستانہ فٹ بال میچ

کاکو مڈل اسکول کے میدان پر بتاریخ 19رجنوری 2021 کو ایک دوستانہ فٹ بال ٹورنامنٹ کا تیسرا میچ کاکو یوتھ کلب اور جہان آباد کے بیچ کھیلا گیا۔ اس میچ کا افتتاح بلاک ڈیولپمنٹ افسر جناب سنجیو کمار اور کاکو تھانہ کے افسر انچارج اچھے ورسنگھ نے مشترکہ طور پر کیا۔ مقررہ 90 منٹ کے اس میچ میں کاکو یوتھ کلب نے جہان آباد کو 2-0 سے شکست دی تھی۔

اس موقع پر میچ انتظامیہ کی طرف سے شکیل احمد کاکوی، نجیب اشرف، متھلیش کمار اور جناب اسد ملک موجود تھے اور اس میچ کو کامیاب بنانے کے لئے ان لوگوں نے اپنا بھرپور تعاون دیا تھا۔ اس موقع پر کثیر تعداد میں لوگوں کی بھیڑ اکٹھا ہوئی۔



وولی بال

یوتھ کلب کاکو کے زیر اہتمام منعقد وولی بال کا دوستانہ میچ 2021 میں 'شمسی بلڈنگ' کے میدان میں ارکی اور کاکو کے مابین کھیلا گیا تھا۔ اس میچ میں کاکو نے ارکی کو پانچ سیٹوں کے مقابلے میں 1-4 سے شکست دی تھی۔

میچ کا افتتاح بلاک ڈیولپمنٹ افسر سنجیو کمار کے ہاتھوں انجام پایا۔ کاکو کی طرف سے تابش نشاط، سجاد عالم رحمانی، شرجیل امام نے بہترین کھیل کا مظاہرہ کر کے اپنی ٹیم کو جیت سے ہم کنار کیا۔

اس موقع پر بین الاقوامی ایتھلیٹک کوچ جناب عارف امام، ماہر تعلیم جناب شکیل احمد کاکوی، سوشلسٹ رہنما جناب لطیف شمسی، صحافی جناب حسنین دیوانہ بھی موجود تھے۔ اس کھیل کی کامیابی کا سہرا جناب اسد ملک، راشد پرویز اور یاسر اقبال کے سر جاتا ہے۔



سمیع الحق لوڈو ٹورنامنٹ

آج کا دور کرکٹ، ہاکی، فٹ بال، ٹینیس جیسے کھیلوں کا دور ہے انہیں سب کھیلوں کو عام طور پر مقبولیت حاصل ہے۔ لیکن وہ ہر ایک کھیل جو حوصلہ اور شوق کے ماحول میں کھیلا جائے اپنی ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح کاکو کی سرزمین پر محترمہ امینہ استانی صاحبہ کے باہری برآمدے میں ''سمیع الحق لوڈو ٹورنامنٹ'' کا انعقاد بتاریخ 3 نومبر 1984ء کو کیا گیا جس میں آٹھ مایہ ناز کھلاڑیوں نے حصہ لیا تھا۔

اس ٹورنامنٹ کا باضابطہ افتتاح جناب نثار احمد، سائنس ٹیچر کاکو ہائی اسکول اور سیکریٹری بی بی کمال کرکٹ ٹورنامنٹ کے مبارک ہاتھوں سے ہوا۔ جناب خورشید اکرام (کراچی)، جناب ارشاد عالم ملک، جناب سید تابش امام، جناب آفاق عالم ایڈووکیٹ، جناب نعمت انصاری، جناب آفتاب عالم ملک، جناب تنویر عالم ملک اور جناب ایوب رضا نشتر مرحوم نے اس ٹورنامنٹ میں حصہ لیا تھا اور ان سبھی کھلاڑیوں نے بہترین کھیل کا مظاہرہ کیا تھا۔ فائنل میچ بتاریخ 9 نومبر کو خورشید اکرام اور تابش امام کے بیچ کھیلا گیا تھا جس میں جناب خورشید اکرم نے جناب سید تابش امام کو شکست دے کر ٹرافی پر اپنا قبضہ جمایا۔



اسحٰق میموریل فٹ بال ٹورنامنٹ

راقم الحروف نے محسوس کیا کہ کاکو میں ایک فٹ بال ٹورنامنٹ کی داغ بیل ڈالی جائے۔ کاکو میں کئی ناموں سے فٹ بال ٹیمیں چل رہی تھیں۔ اسی شوق کو دیکھتے ہوئے کاکو کے نوجوانوں سے مل کر ایک عام نشست ۲/ مارچ ۱۹۷۰ء کو شرف الدین صاحب عرف ابرار صاحب زمیندار کے بنگلہ پر ہوئی۔ اس نشست میں بستی کے ہندو مسلمان سب موجود تھے۔ یہ طے پایا کہ ماسٹر اسحاق صاحب جو کاکو مڈل اسکول کے ہیڈ ماسٹر تھے ان کی یاد کو باقی رکھنے کے لئے ان ہی کے نام پر اسحاق میموریل ٹورنامنٹ رکھا جائے۔ اتفاق رائے سے یہ تجویز منظور کر لی گئی۔ ڈاکٹر طارق جمیل (نعمان چیمبرس پٹنہ) اس وقت کاکو بلاک میں اسسٹنٹ سرجن کے عہدہ پر فائز تھے۔ انہوں نے انظار اشرفی کا نام صدر کے لئے پیش کیا۔ صدر منتخب ہونے کے بعد انظار اشرفی نے ایک کمیٹی بنائی جس میں ہندو اور مسلمان سب ہی ممبر منتخب ہوئے۔ ڈاکٹر محی الدین شمسی (مرحوم) فٹ بال کے ایک عمدہ کھلاڑی تھے۔ انہوں نے سب سے پہلے ۵۰۰

روپیہ چندہ دیا۔خاکسار نے ۱۰۰ روپیہ دیا۔انظار اشرفی نے ۱۰۰ روپیہ دیا۔اسی طرح کچھ اور لوگوں نے بھی ٹورنامنٹ کے لئے چندہ عنایت کیا۔

اس خاکسار کو اتفاق رائے سے کمیٹی کا سرپرست منتخب کیا گیا۔اسحاق میموریل ٹورنامنٹ ۱۹۷۱ سے شروع ہوا۔اختلاف کی وجہ سے دو سال کے بعد ٹورنامنٹ ختم کر دیا گیا۔۱۹۸۶ میں دوبارہ ٹورنامنٹ شروع کیا گیا۔اس ٹورنامنٹ کے صدر احمد مرحوم (میڈیکل اسٹور) بنائے گئے۔اب اسحاق میموریل ٹورنامنٹ زور وشور سے چل رہا تھا۔۱۹۹۰ کے بعد ٹورنامنٹ بند ہوگیا۔چیف گیسٹ کی حیثیت سے پروفیسر خورشید عالم کاکوی مرحوم کو مدعو کیا گیا جو بہار شریف کسان کالج میں اردو کے پروفیسر تھے۔



میری شریک حیات

اس دنیا میں کئی رشتے ہیں۔ ہر رشتے کی الگ اہمیت ہے لیکن یہ لفظ شریکِ حیات اپنے لفظی معنوں میں خاص کشش رکھتا ہے۔ میں اکثر سوچتا ہوں اس کے متبادل الفاظ میں آخر یہ کیفیت کیوں نہیں ہے۔شاید یہ ماں کے بعد سب سے اہم رشتہ ہے جس کو برقرار اور پائیدار بنانے کے لئے قرآن اور احادیث میں مختلف انداز سے اس کی اہمیت کو بار بار دہرایا گیا ہے۔اسلام وہ واحد مذہب ہے جس نے عورتوں کے حقوق پر سب سے زیادہ بات کی ہے اور بیوی کے حقوق کی پامالی پر شوہر کی تنبیہ بھی کی ہے۔شریک حیات کا کردار اسلام میں خاندان کی پائداری اور استحکام میں نہایت اہم ہے جس کا دخل آپ کی نجی، خاندانی، سماجی زندگی پر بہت گہرا ہوتا ہے۔ دنیا کے عظیم ترین انسان کو عظیم بنانے میں جہاں ماں کا کلیدی کردار نظر آئیگا وہاں شریک حیات کا رول بھی ہم قدم دیکھنے کو ملے گا۔ یہ لفظ شریکِ حیات کی اصل تعریف آپ کے کردار و اوصاف سے نمایاں نظر آئے گی۔

میری زندگی کی کردار سازی میں میری ماں کا بہت اہم کردار رہا ہے آپ نے زندگی کی ہر آرام وآسائش کو مجھ پر قربان کر دیا۔ میں ان کی محبت کی کسوٹی پر کس قدر کھرا اترا کہہ نہیں سکتا ہاں مگر میری ازدواجی زندگی نہایت شاندار رہی ہے۔ایسا نہیں ہے کہ میری زندگی میں پریشانی اور مصائب نہیں آئے۔ بیشک میری زندگی بھی عام انسان کی طرح کئی مدوجزر سے گزری ہے لیکن میری شریک حیات ہر پریشانی کو آسانی میں تبدیل کرتی گئیں۔ میں کبھی خاندانی تنازعہ کا شکار نہیں ہوا۔ ابتدا سے ہی انہوں نے میری، ضروریات، خواہشات، خاندانی وقار کا خیال رکھا۔ میرے خاندان میں ان کی حیثیت، سمجھدار، ذہین، کم گو، نیک سیرت خاتون کی رہی ہے۔بعض حضرات کی نگاہ

میں یہ ایک بہترین مشیر بھی تھیں۔ ایک دو موقع پر اس کا احساس مجھے بھی ہوا کہ کاش میں اپنے فیصلے پر ان کی رائے کو ترجیح دیتا تو مجھے اس قدر لاتلافی نقصان سے دوچار نہیں ہونا پڑتا۔ میں نے علی گڑھ سے اعلیٰ تعلیم ضرور حاصل کی لیکن فکر معاش کی خاطر کوئی روزگار حاصل نہیں کیا۔ میں اس ذہنی نفسیات میں مبتلا رہا کہ والد کی چھوڑی ہوئی دولت سے زندگی آرام و آسائش سے گزر جائے گی لیکن یہ میری خام خیالی تھی۔ بغیر حرکت کے قارون کا خزانہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔ کمال اس خاتون کا جس نے اپنے چہرے پر بل نہ آنے دیا اور تنگ دستی میں بھی گھریلو ذمہ داری کو نبھاتی رہیں۔ میں جب ان لمحات کو یاد کرتا ہوں تو تنہائی میں آنسو بہانے کو جی چاہتا ہے اور میں اس عظیم شخصیت کے لئے اکثر آنسو بہاتا ہوں۔ پھر اسی کرب کے ساتھ ان آنسوؤں کو پونچھ لیتا ہوں اس وقت مجھے احساس ہوتا ہے کہ جس شخصیت نے مجھے زندگی میں چشم پُر آب دیکھنا پسند نہیں کیا۔ اس کی روح مجھے چشمِ تر دیکھ کر پریشان نہ ہو جائے۔ میری بیوی میری رفاقت میں عنقریب 35 سال رہیں۔ ہماری شادی 23 اگست 1965ء کو ہوئی تھی۔ میں پوری توجہ کے ساتھ بھی ان کے کردار کا جائزہ لوں تو بھی ان کی کمیوں کو نکال نہیں سکتا۔ ان خوبیوں سے کچھ خامیاں نکال لینا یہ ایک الگ بات ہے۔ زندگی میں ایسے کردار والدین کی پرورش و تربیت کا نتیجہ ہیں۔

روشن آرا شمسی کے والد سید شاہ طیب صاحب نے ان کی تربیت جس انداز میں کی تھی وہی تربیت ہمارے گھر کو جنت بنا گئی۔ مجھے سیاست کا چسکا بچپن میں ہی لگ گیا تھا۔ میں نے بچپن میں والد کے ڈرائنگ روم کے پردے کو جتنی بار سرکایا وہاں کسی نہ کسی سیاسی شخص کو پایا۔ یہ افراد میرا آئیڈیل بن گئے۔ میں نے نجی منفعت کے لئے سیاست نہیں کی لیکن سیاست میں لگ بھگ 30 سال ایکٹیو رہا- پارٹی نے مجھے کئی عہدوں سے نوازا اور مجھے پارٹی کی ذمہ داری بھی دی اس چکر میں گھر سے مہینوں غائب رہتا تھا۔ بعض دفعہ گھر میں چھوڑے ہوئے راشن بھی ختم ہو جاتا تھا۔ ضروریات زندگی کو

پورا کرنا اور تنہا چار چھوٹے بچوں کے ساتھ مہینوں رہنا آسان نہیں ہے۔ آپ کافی نڈر و غیور خاتون تھیں۔ میری بچیوں کی تربیت میں ان کا بہت دخل ہے۔ یہاں صرف صورت بدل گئی ہے سیرت وہی ہے۔ اللہ کا کرم تمام بچیاں اپنے سسرال میں خوش و خرم ہیں۔ سسرالی رقابت داری یا گھریلو تنازعہ کی کوئی شکایت سننے کو نہیں ملتی۔

میری شریک حیات کی پوری زندگی ایک امتحان گاہ ہے۔ ادھر ہندوستان کی تقسیم کا ہنگامہ سر پر تھا مسلمانوں کے لئے زمین تنگ کی جارہی تھی۔ فرقہ وارانہ فسادات شروع ہو چکے تھے۔ ۱۹۴۶ میں آپ کی پیدائش گاؤں امتھوا، ضلع جہان آباد میں ہوئی۔ آپ کے والد امتھوا کے رئیس زمیندار سید شاہ محی الدین صاحب کے سب سے چھوٹے صاحب زادے تھے۔ جناب طیّب صاحب کی شادی موتی پور ضلع جہاں آباد میں بی بی رابعہ خاتون سے ہوئی۔ بی بی رابعہ سے آپ کی چار اولادیں ہوئیں۔ حسن آرا، جہاں آرا، ماہ پارا، روشن آرا۔ روشن آرا میری اہلیہ تھیں۔ میری اہلیہ کی پیدائش کے فوراً بعد ہی میری ساس بی بی رابعہ کا انتقال ہو گیا۔ آپ کی پرورش و پرداخت آپ کی تینوں بہنوں نے مل کر کی۔ حسن آرا، جہاں آرا، اور ماہ پارا یہ تینوں بہن خود بہت کمسن تھیں۔ آپ بی بی ماہ پارا کو منی باجی کہا کرتی تھیں۔ بی بی ماہ پارا کی شادی جناب سید مظہر حسن ہاشمی، قصبہ پورینی، بھاگلپور میں ہوئی تھی۔ سید مظہر حسن کے بڑے صاحب زادے نور الحسن ہاشمی میری چھوٹی بچی، رخشاں شمسی کے شوہر ہیں۔ والد کی آمدنی کا انحصار زمینداری پر تھا زمینداری ختم ہو گئی۔ آمدنی کے ذرائع بند ہو گئے۔ آپ کے والد نے ذریعہ معاش کی خاطر شہر گیا کے گوتم بدھ روڈ میں چشمہ کی دوکان 'حسنین اینڈ کو' کے نام سے کھول دی۔ یہ دوکان ان کی وفات تک کسی نہ کسی صورت چلتی رہی۔ میری ساس کے انتقال کے بعد گھر کی ذمہ داری اور بچیوں کی پرورش کا مسئلہ سردست بنا رہا۔ میرے سسر کو دوسری شادی، گھر کی ذمہ داری کے مدِّنظر کرنی پڑی۔

آپ کی دوسری شادی منظورِ اصدق صاحب، رئیس بڑوسر، ضلع نوادہ کی

صاحبزادی شکیلہ خاتون سے ہوئی۔ ان کے بطن سے ایک اولاد حشمت آرا ہیں۔ حشمت آرا نہایت ذہین و فطین خاتون ہیں۔ اپنی راہ آپ بنانے کی قائل ہیں۔ درس و تدریس کے کام سے جڑی ہوئیں ہیں۔ نہایت دیندار، مخلص، صوم وصلاۃ کی پابند انسان ہیں۔ غریب و مساکین کا خیال رکھنا، مذہب کی تبلیغ و اشاعت، اصلاح معاشرہ آپ کا محبوب مشغلہ ہے۔ اس کام کو آپ اپنا فرض اولین سمجھتی ہیں۔ آپ کا ایک وسیع حلقہ ہے۔

زندگی کتنے نشیب و فراز سے گزرتی ہے تب کہیں ایک کردار وجود میں آتا ہے۔ میری اہلیہ نے ان نشیب و فراز کو یقیناً دیکھا ہوگا۔ ایک باکردار خاتون کی ساری صفت آپ میں موجود تھی۔ میری شریکِ حیات شادی شادہ زندگی کا لطف بھی بہت دنوں تک نہ اٹھا سکیں۔ میری بڑی بچی درخشاں شمسی کڈنی کے مرض میں مبتلا ہو گئی تھی، ایک لمبی مدّت تک اس کی تیمارداری اور گھریلو ذمہ داری کو نبھاتی رہیں۔ میری بچی جانبر نہ ہوسکی۔ اس کی وفات نے میری اہلیہ کو توڑ کر رکھ دیا۔ اس غم میں وہ 1 اپریل 2000 میں پٹنہ کے 'دارالامان' میں انتقال کر گئیں۔ مجھے تعجب ہے آپ کو مذاق کرنے کی عادت تو نہیں تھی لیکن آپ نے اپنی موت کے لئے اسی دن کا انتخاب کیوں کیا؟ تمام لوگوں کو اپریل فول کر گئیں۔ آج اللہ کے کرم سے زندگی کی ساری آسائش موجود ہے۔ بچیاں اپنے سسرال کی ہو گئیں۔ میرا بیٹا یوسف نوکری پر لگ چکا ہے۔ لیکن اس دل اور اس گھر میں ان کے نہ رہنے سے ایک خلا باقی ہے۔ اللہ سے دعا کرتا ہوں اگر میری کوئی نیکی مجھے جنت کا مستحق بناتی ہے تو میرے مالک مجھے اس جنت میں شریک سفر کے طور پر روشن شمسی کو میرا ہم سفر بنا دے۔

تمہاری موت نے مارا ہے جیتے جی ہم کو
ہماری جان بھی گویا تمہاری جان میں تھی



کچھ یادگار پل تصویر کی صورت میں

رنگ خوشبو اور موسم کا بہانہ ہو گیا
اپنی ہی تصویر میں چہرہ پُرانا ہو گیا



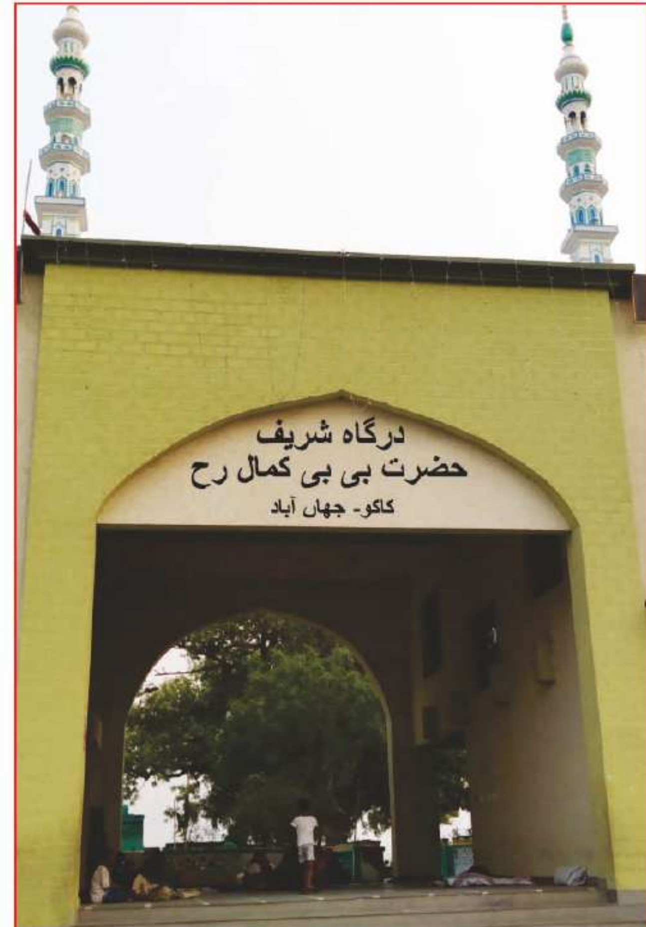
مزار اقدس حضرت بی بی کمالؒ



حضرت بی بی کمالؒ کے مزار پر عقیدت مندوں کی شرکت



حضرت بی بی کمالؒ کا مزار



درگاہ وعیدگاہ کا داخلی راستہ



صحن کاکو درگاہ



کاکو درگاہ کا صدر دروازہ



خانقاہ فریدیہ، کاکو



خانقاہ جلیلیہ، کاکو

ملک ٹولہ کی مسجد، کاکو



شاہی مسجد سیدٹولہ





کاکو اُردو پرائمری اسکول



کاکو مڈِل اسکول



کاکو اُردو گرلس مڈِل اسکول



کاکو مڈِل اسکول کا صدر دروازہ



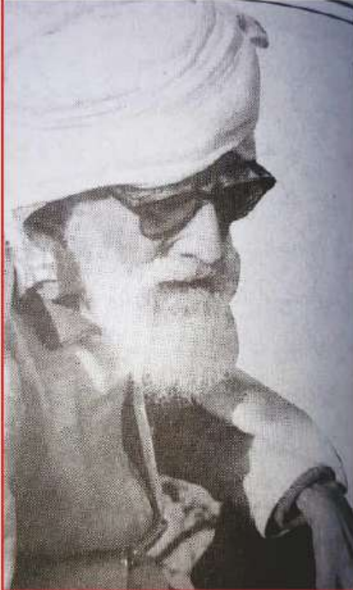
وزیراعلیٰ بہار جناب نتیش کمار، حضرت بی بی کمالؒ کی درگاہ پر چادر پوشی کرتے ہوئے



بائیں: سابق گورنر بہار آنجہانی دیوآنند کنور   دائیں: الماطیف شمسی، ڈاکٹر پدم شری سید حسن مرحوم

فخرالدین محمد شمسی کی یادگار تصویر

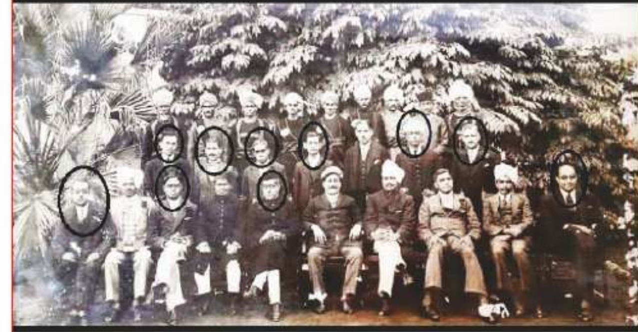




فخرالدین محمد شمسی کی یادگار تصویر



احمد داؤد شمسی



Middle Row From Left: Dr. Zakir Hussain, Sir A.D.Shamsi, Sir Abdur Rahim, Huseyn Shaheed Suharwardi, Sarvepalli Radhakrishnan, Sir Sultan.

Sitting from Left: Malik Feroz Khan Noon, Sir R.K.Shanmukham Chetty, Sir Ali Imam, Liaquat Ali Khan

احمد داؤد شمسی اپنے دوستوں کے ساتھ


کاکو۔ بچوں کی فٹ بال ٹیم


کاکو۔ بوائز کرکٹ ٹیم



کاکو۔ یوتھ کرکٹ کلب


گرلس فٹ بال ٹیم


گرلس فٹ بال ٹیم


کاکو۔ یوتھ فٹ بال کلب

الما لطیف شمسی





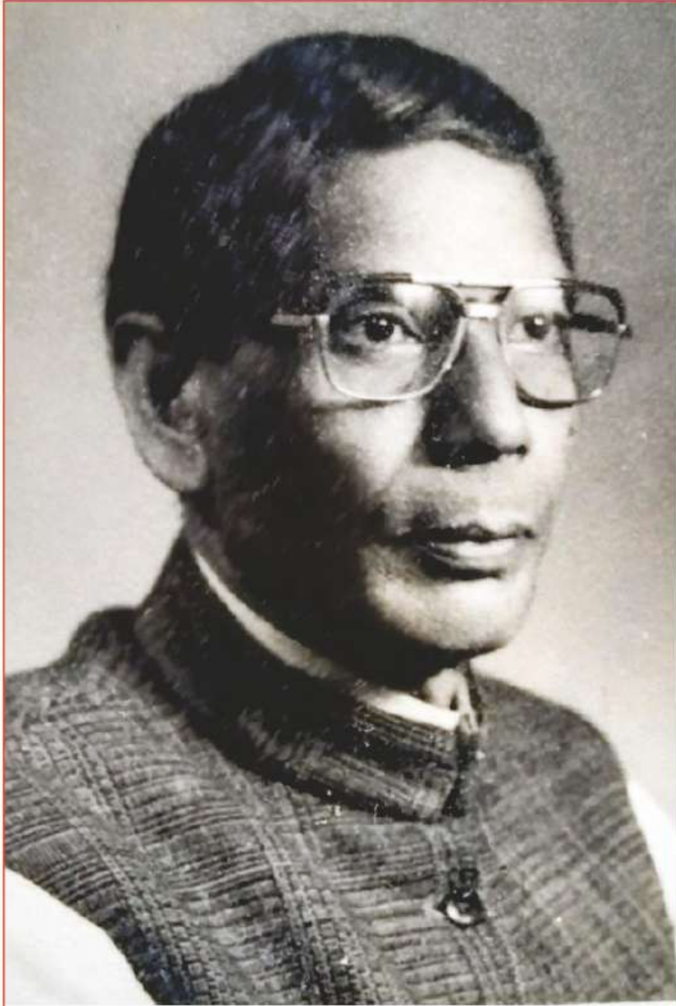
الما لطیف شمسی

الما لطیف شمسی

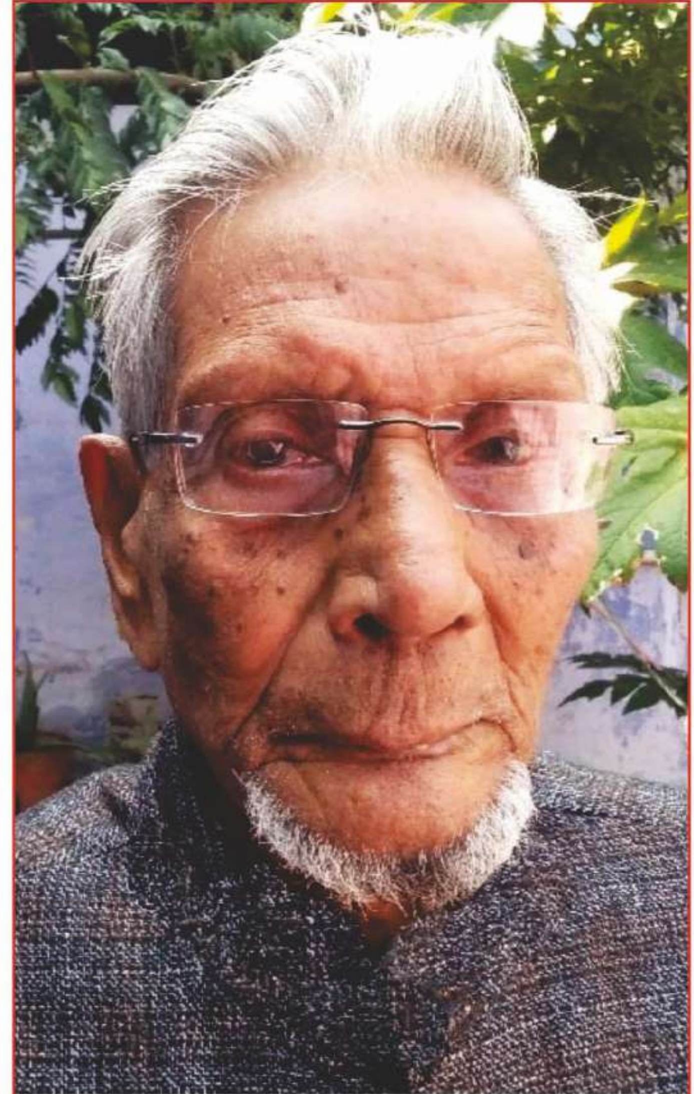




الما لطیف شمسی



الما لطیف شمسی



الما لطیف شمسی

Kako Ki Kahani Alma Ki Zabani

By *Alma Latif Shamsi (Alig.)*



" کاکو کی کہانی الما کی زبانی" کے مطالعے کے دوران میں اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ عظیم کارنامہ وہی انجام دے سکتا ہے جس کی ذہنی ساخت اور اس کا شعور علم سماجیات اور سیاسیات سے وابستہ ہوں۔ آگے جا کر یہ عقدہ حل ہو گیا کہ جناب الما لطیف شمسی علم سیاسیات کے طالب علم رہے ہیں اور انہوں نے اس مضمون میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ایم اے کیا تھا۔

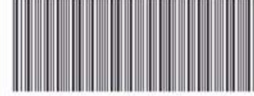
جناب شمسی نے یہ کتاب اردو میں مرتب کی ہے اور غالباً ان کے ذہن میں یہ بات رہی ہوگی کہ وہ اس کے ذریعہ اردو کی بے شمار ادبی کتابوں میں کوئی اضافہ کریں گے۔ اضافہ تو انہوں نے بیشک کیا ہے، مگر شاید انہیں یہ اندازہ نہیں ہوگا کہ وہ جانے انجانے میں اس تصنیف کے ذریعہ علم سماجیات کے ذخیرے میں ایک اضافہ کر رہے ہیں۔ کبھی کہیں کسی پروجیکٹ کے تحت دیہاتی علاقوں کا مطالعہ ہوگا تو یہ تصنیف یقیناً ایک حوالہ (Reference) کے طور پر کارآمد ثابت ہوگی۔

عبدالصمد

رجنی گندھا اپارٹمنٹ، پٹنہ

Cover Designed by Tanweer Hashmi

ISBN 978-93-93785-89-3



978-93-93785-89-3
www.ephbooks.com

EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE
New Delhi, INDIA